احکام طلاق

www.KitaboSunnat.com

از قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز حفظہ اللہ

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ دار العلوم
ریلوے ورکشاپ مغلپورہ لاہور
کتاب رقم

احکامِ طلاق

از قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز حفظہ اللہ

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

کتاب و سنت
کی
نشرو اشاعت
کے لیے
کوشاں

اشاعت ——— 2004ء

جملہ حقوق اشاعت محفوظ ہیں

مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ ⊙ غزنی سٹریٹ ⊙ اردو بازار ⊙ لاہور پاکستان

ابوبکر قدوسی نے موثروے پریس سے چھپوا کر شائع کی۔

Ph:042-7230585-7351124
Email: qadusia@brain.net.pk

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلمۂ مؤلّف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ○

امابعد:

شریعتِ اسلامیہ کے عائلی قوانین میں نکاح وطلاق کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیاں نہیں۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ عائلی قوانین کے مرکزی واَساسی اہمیت کے حامل یہی دو رکن ہیں، اردو زبان میں ان دوعنوانات پر کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گزری جس میں ان کے متعلق سیر حاصل احکام ومسائل پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ یقیناً یہ وہ مسائل ہیں جن سے اکثر لوگوں کو عام طور پر واسطہ وسابقہ پڑتا رہتا ہے، اور وہ مختلف علماءِ کرام سے ان سے متعلق اِستفسار بھی کرتے رہتے ہیں۔

کافی عرصے سے میرا خیال تھا کہ ان دو اہم عنوانات پر مستقل دو کتابیں احاطۂ تحریر میں لائی جائیں۔ تاکہ عوام یکجا معلومات پاکر ان سے بھر پور استفادہ کرسکیں، لیکن دیگر تدریسی وتصنیفی مصروفیات بالخصوص ابن ماجہ کی عربی شرح پر ارتکازِ توجہ کی بنا پر یہ کام معرض التواء میں پڑا رہا۔

کچھ عرصہ قبل نکاح کے موضوع پر لکھنا بھی شروع کیا تھا اور اس کی چند اقساط مؤقر جریدہ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں اشاعت پذیر بھی ہوئی تھیں، مگر کچھ ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے اس سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا جا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکا۔ بعدازاں کچھ مخلص دوستوں کے اصرار پر طلاق کے موضوع پر لکھنا شروع کیا جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تکمیل پا کر کتابی صورت میں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

احکام طلاق کے ساتھ خلع، لعان، ظہار، ایلاء، اور احکام عدت کے مسائل بھی شامل کردیئے گئے ہیں، تاکہ ان مسائل سے بھی آگاہی حاصل ہو جائے۔

نقاہت وکمزوری کے باوجود فرصت کی تاک میں ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور توفیق ارزانی سے نامکمل موضوع نکاح کے احکام ومسائل کو مکمل کر کے ناظرین وقارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

طالب دعا

محمد علی جانباز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	طلاق کا لفظی معنی و مفہوم	۱۲
۲	طلاق، دین یہود میں	۱۳
۳	طلاق، دین نصاریٰ میں	۱۳
۴	طلاق، دین ہنود میں	۱۴
۵	طلاق، دین اسلام میں	۱۵
۶	طلاق کی ضرورت اور اس کا مفہوم	۱۸
۷	اللہ کے ہاں ناپسندیدہ چیز	۱۹
۸	شیطان کا سب سے بڑا کارنامہ	۲۰
۹	طلاق دینے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا	۲۱
۱۰	جنت کی خوشبو سے محرومی	۲۱
۱۱	طلاق دینے کا مسنون طریقہ	۲۲
۱۲	عہد رسالت میں طلاقِ ثلاثہ کا مفہوم	۲۴
۱۳	مسلک احناف	۲۶
۱۴	۱- اَحسن	۲۶
۱۵	۲- حسن	۲۶
۱۶	۳- طلاق بدعت	۲۶
۱۷	امام مالکؒ کا مسلک	۲۷
۱۸	۱- سُنّی	۲۷
۱۹	۲- بدعی مکروہ	۲۷
۲۰	۳- بدعی حرام	۲۷
۲۱	امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک	۲۷
۲۲	۱- سُنّی	۲۷
۲۳	۲- بدعی حرام	۲۷
۲۴	امام شافعیؒ کا مسلک	۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۵	صحیح مسلک	۲۸
۲۶	ایک حنفی عالم کی تحقیق	۳۶
۲۷	طلاق حسن یا سنت	۳۸
۲۸	حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی	۴۲
۲۹	علماءِ احناف کا استدلال	۴۶
۳۰	ایک طلاق کے بعد دوسری اور تیسری طلاق کسے دی جائے؟	۵۴
۳۱	حلال کو حرام کرنا	۵۵
۳۲	ہر طلاق عدت کی ابتداء پر	۵۶
۳۳	طلاقِ بدعت	۶۱
۳۴	امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر صحابہؓ وفقہاء	۶۲
۳۵	امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی ایک ایک روایت	۶۴
۳۶	علماء متاخرین	۶۴
۳۷	جہالتِ عامہ میں علماء کا ساتھ	۶۶
۳۸	طلاق میں اختیار محدود ہے	۶۷
۳۹	دفعۃً تین طلاقیں دینا	۶۷
۴۰	کیا قرآن نے دفعۃً کی تین طلاقوں کو تین قرار دیا ہے؟	۷۰
۴۱	لِعان	۸۳
۴۲	اِقرار	۸۳
۴۳	تسبیحات وغیرہ	۸۵
۴۴	اضافہ	۸۷
۴۵	مولانا محمود الحسنؒ	۹۲
۴۶	**مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا ثبوت**	
	احادیث میں	۹۳
۴۷	’’بعض بنی ابی رافع‘‘	۹۹
۴۸	ضعف اور ابوداود کی تصحیح	۱۰۰
۴۹	امام بخاریؒ کی تبویب	۱۳۴
۵۰	حضرت عمرؓ کا اقدام شرعی تھا یا تعزیری؟	۱۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۱	چند علماء کرام کی آراء	۱۴۸
۵۲	حضرت عمرؓ کی ندامت	۱۴۸
۵۳	ایک اعتراض کا جواب	۱۵۰
۵۴	**فریق ثانی کے دلائل**	**۱۵۹**
۵۵	پہلی دلیل	۱۵۹
۵۶	دوسری دلیل	۱۷۰
۵۷	تیسری دلیل	۱۷۳
۵۸	چوتھی دلیل	۱۷۴
۵۹	پانچویں دلیل	۱۷۵
۶۰	ابوداود کی روایت کا جواب	۱۸۲
۶۱	چھٹی دلیل	۱۸۴
۶۲	رُواۃ حدیث پر بحث	۱۸۸
۶۳	ساتویں دلیل	۱۹۱
۶۴	آٹھویں دلیل	۱۹۳
۶۵	نویں دلیل	۱۹۵
۶۶	دسویں دلیل	۱۹۶
۶۷	گیارہویں دلیل	۲۰۰
۶۸	بارہویں دلیل	۲۰۱
۶۹	تیرہویں دلیل	۲۰۵
۷۰	ایک عقدۂ لاینحل	۲۰۶
۷۱	**آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم**	**۲۰۹**
۷۲	۱- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۲۱۰
۷۳	۲- حضرت ابن عمرؓ	۲۱۰
۷۴	۳- حضرت علیؓ	۲۱۱
۷۵	۴- خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ	۲۱۱
۷۶	۵- حضرت عمر فاروقؓ	۲۱۲
۷۷	۶- حضرت عمروؓ بن العاص	۲۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۸	۷- حضرت ابن عباسؓ	۲۱۳
۷۹	۸- حضرت ابوہریرہؓ	۲۱۳
۸۰	۹- حضرت انسؓ	۲۱۴
۸۱	۱۰- حضرت مُغیرہ بن شعبہؓ	۲۱۴
۸۲	۱۱- حضرت عمران بن حصینؓ	۲۱۵
۸۳	۱۲- حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۲۱۶
۸۴	۱۳- حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱
۸۵	۱۴- حضرت حسنؓ بن علیؓ	۲۲۱
۸۶	**اِجماع**	**۲۲۲**
۸۷	حق، جمہور کے تابع نہیں	۲۴۱
۸۹	**علماءِ کرام کی آراء**	**۲۴۷**
۹۱	اسلامی حکومتیں	۲۴۹
۹۲	**مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کے بھیانک نتائج**	**۲۵۰**
۹۳	**حلالہ کی شرعی حیثیت**	**۲۵۳**
۹۴	حلالہ مروّجہ کے بارے میں علماءِ کرام کی آراء	۲۵۷
۹۵	۱- شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ	۲۵۷
۹۶	۲- شیخ محمد عبدہٗ	۲۵۷
۹۷	۳- شیخ مصطفیٰ المراغیؒ	۲۵۸
۹۸	۴- امام شوکانیؒ	۲۵۸
۹۹	۵- سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	۲۵۹
۱۰۰	۶- خواجہ محمد قاسم صاحبؒ	۲۵۹
۱۰۱	۷- ایک صاحب علم	۲۶۳
۱۰۲	حلالہ کی لعنتیں	۲۶۵
۱۰۳	ہنسی مزاح کی طلاق	۲۷۴
۱۰۴	مغلوب العقل کی طلاق	۲۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۵	زبردستی کی طلاق	۲۷۶
۱۰۶	غضب کی حالت میں طلاق	۲۷۶
۱۰۷	نابالغ کی طلاق	۲۷۷
۱۰۸	جو طلاق عورت تک نہ پہنچے وہ واقع ہو جاتی ہے؟	۲۷۷
۱۰۹	مرض الموت میں طلاق؟	۲۷۸
۱۱۰	نکاح سے پہلے طلاق نہیں	۲۷۸
۱۱۱	طلاق اور رجعت پر گواہ بنانا	۲۷۹
۱۱۲	**خُلع**	**۲۸۱**
۱۱۳	لغوی معنی	۲۸۱
۱۱۴	چار قریب المعنی الفاظ اور ان کے درمیان فرق	۲۸۱
۱۱۵	احکام خلع	۲۸۹
۱۱۶	مسئلہ خلع میں ایک بنیادی غلطی	۲۹۴
۱۱۷	مسئلہ خلع میں قاضی کے اختیارات	۲۹۶
۱۱۸	قضائے شرعی	۳۰۰
۱۱۹	**ایلاء اور اس کا حکم**	**۳۰۲**
۱۲۰	**لِعان اور اس کا حکم**	**۳۰۴**
۱۲۱	لِعان کا پہلا واقعہ	۳۰۶
۱۲۲	لِعان کا دوسرا واقعہ	۳۱۱
۱۲۳	ضابطۂ لِعان کی اہم دفعات	۳۱۶
۱۲۴	**ظِہار**	**۳۲۶**
۱۲۵	ظِہار کی تعریف اور اس کا شرعی حکم	۳۳۶
۱۲۶	ظِہار کا پہلا واقعہ	۳۳۷
۱۲۷	ظِہار کا دوسرا واقعہ	۳۳۹
۱۲۸	ظِہار کا تیسرا واقعہ	۳۳۹
۱۲۹	ظِہار کا چوتھا واقعہ	۳۳۰
۱۳۰	ظِہار کے سلسلہ میں اخذ کیے ہوئے قانون کی تفصیلات	۳۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

١٣١	**عدت**	**٣٥٥**
١٣٢	عدت کا لغوی اور اِصطلاحی معنی	٣٥٥
١٣٣	زمانۂ جاہلیت میں عدت	٣٥٦
١٣٤	عدت کا وُجوب	٣٥٦
١٣٥	قانونِ عدت میں حکمت	٣٥٧
١٣٦	**عدت کی اقسام**	**٣٥٨**
١٣٧	غیر مدخُولہ کی عدت	٣٥٨
١٣٨	حائضہ عورت کی عدت	٣٦٣
١٣٩	کیا ''خلق'' سے مراد حیض ہے؟	٣٦٤
١٤٠	عدت کا حکم عدمِ حیض پر معلق ہے	٣٦٤
١٤١	عدت تین حیض تک	٣٦٤
١٤٢	باندی کا اِستبراء ایک حیض ہے	٣٦٥
١٤٣	اِستبراء اور حیض میں مماثلت	٣٦٥
١٤٤	ان عورتوں کی عدت جن کو حیض آنا بند ہو چکا ہو	٣٦٦
١٤٥	وہ عورتیں جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو	٣٦٨
١٤٦	مطلقہ حاملہ کی عدت	٣٦٩
١٤٧	مُرضِعہ مطلقہ کی عدت	٣٧٢
١٤٨	خُلع کی صورت میں عدت	٣٧٣
١٤٩	مطلقہ مبتوتہ کے لیے نان ونفقہ اور سکونت	٣٧٥
١٥٠	فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث پر اعتراضات اور ان کا جواب	٣٧٩
١٥١	١- کیا عورت کا راوی حدیث ہونا غیر معتبر ہے؟	٣٨٠
١٥٢	فاطمہؓ بنت قیس کا علمی پایہ اور ان کی عظمتِ روایت	٣٨٠
١٥٣	٢- کیا فاطمہؓ کی روایت مخالفِ قرآن ہے؟	٣٨٣
١٥٤	٣- ایک رودی اور ناقابلِ قبول تاویل	٣٨٥
١٥٥	٤- کیا فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث اور روایت عمرؓ میں تعارض ہے؟	٣٨٥
١٥٦	ایک راوی حدیث پر جرح	٣٨٧
١٥٧	میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کا مناظرہ	٣٨٨

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۸	تمام فقہاء حدیثِ فاطمہؓ سے استدلال کرتے ہیں	۳۸۸
۱۵۹	صدقِ حدیث اور برکتِ روایت کا نتیجہ	۳۸۹
۱۶۰	پانچواں اعتراض	۳۸۹
۱۶۱	چھٹا اعتراض	۳۹۰
۱۶۲	قانونِ عدت کی ابتداء	۳۹۱
۱۶۳	عدتِ وفات	۳۹۲
۱۶۴	زمانۂ عدت میں عورت کا گھر سے نکلنا	۳۹۵
۱۶۵	فقہاء کا اختلاف	۴۰۰
۱۶۶	**اَحکامِ سوگ**	**۴۰۱**
۱۶۷	اِحداد کا لُغوی معنی	۴۰۳
۱۶۸	اصطلاحی معنی	۴۰۴
۱۶۹	عورتوں کے بناؤ سنگھار اور زیب وزینت کا جواز اور اس کی شرائط	۴۰۵
۱۷۰	سوگ کا حکم	۴۰۶
۱۷۱	ایک اشکال کا حل	۴۰۶
۱۷۲	حالتِ عذر میں مُعتدہ کے لیے سرمہ وغیرہ لگانے کا حکم	۴۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلاق کا لفظی معنیٰ و مفہوم

"طَلَاقٌ" ایک تو "طَلَقَ" سے مصدر ہے جس کے معنی آزاد ہو جانا ہیں دوسرے یہ لفظ "طَلَّقَ" سے اسم ہے، اس اعتبار سے اس کے معنی آزاد کرنا ہوں گے۔ طَلَقَ کے معنی میں آزاد ہو گیا۔ "طَلَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ زَوْجِهَا" عورت اپنے شوہر سے جدا ہو گئی۔ "اَطْلَقَ الْاَسِيْرَ" قیدی کو رہا کر دیا۔ "نَاقَةٌ طَالِقٌ" بلا نکیل کی اونٹنی۔ "اَلطَّالِقَةُ" وہ اونٹنی جسے آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہاں سے جی چاہے کھائے پیئے۔ (تاج و محیط)

امام راغب رحمہ اللہ نے طلاق کے بنیادی معنی کسی بندھن سے آزاد کرنا اور نجات دینا بتائے ہیں، پھر یہ لفظ استعارۃً شوہر کا بیوی کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ (مفردات القرآن صفحہ ۳۰۶)

جیسا کہ معلوم ہے کہ نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے، قرآن پاک نے اسے بندھن اور گرہ نیز "مِیثاق غلیظ" (سخت قسم کا عہد) قرار دیا ہے، طلاق اسی بندھن اور گرہ کو کھول دینے اور سخت عہد کو توڑ دینے کا نام ہے۔ چنانچہ "طَلَّقَ" کے معنی ہیں طلاق دے دینا "مُطَلَّقَةٌ" طلاق دی ہوئی عورت اس کی جمع "مُطَلَّقَاتٌ" ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام میں طلاق کا جو نظام مقرر فرمایا ہے اس کی حکمتوں کا کسی قدر اندازہ دوسرے مذاہب کے ساتھ موازنہ سے ہو سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلاق: دین یہود میں: یہود کے اصل دین میں طلاق کی کھلی اجازت تھی اور اس کا اختیار صرف شوہر کو تھا۔ لیکن ان کے نزدیک طلاق صرف تحریراً واقع ہو سکتی تھی، نیز طلاق دینے والے شخص کے لیے وہ مطلقہ زوج ثانی سے نکاح وطلاق کے بعد بھی حلال نہ ہو سکتی تھی، مزید کوئی پابندی شوہر پر نہ تھی، بلکہ اس کو مکمل آزادی حاصل تھی کہ جب اور جس طرح چاہے طلاق دے لیکن یہودیوں نے بعد میں طلاق پر بہت سی پابندیاں عائد کر دیں۔

طلاق: دین نصاریٰ میں: یہود کے برخلاف اصل عیسائی مذہب میں طلاق دینا حرام اور سخت گناہ تھا اور سوائے عورت کے زانیہ ہونے کے اور کسی صورت میں طلاق کی اجازت نہ تھی، چنانچہ انجیل مرقس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ ''جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیکر کسی دوسری عورت سے نکاح کیا اس نے زنا کیا اور اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کیا تو اس نے زنا کیا''۔ اور انجیل لوقا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے کسی آدمی کی مطلقہ سے نکاح کیا اس نے زِنا کیا۔

بہر حال طلاق: دین نصاریٰ میں شجر ممنوعہ تھی دوسری طرف تعدُّدِ اَزواج ممنوع تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر غلطی سے دو ناموافق انسانوں میں رشتۂ نکاح قائم ہو گیا تو دونوں کی زندگی مستقل جہنم بنی رہتی تھی جس سے خلاصی کا کوئی راستہ نہ تھا لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات چلنے والی نہ تھی۔ جب اسلام میں طلاق کی اجازت دی گئی تو بعض نصاریٰ نے اسلام کے اس حکم پر بھی اعتراض کیا لیکن چونکہ طلاق کی اجازت نہ دینا ایک غیر فطری حکم تھا اس لیے بعد میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود نصاریٰ اس پر عمل نہ کر سکے اور رفتہ رفتہ طلاق پر عائد شدہ پابندیاں ڈھیلی ہونی شروع ہوئیں اور زنا کے علاوہ بعض دوسری خرابیوں کی بناء پر طلاق کی اجازت خود کلیسا نے دے دی، پھر لوگوں کے دباؤ پر کلیسا ان اَعذار میں اضافہ کرتا چلا گیا، اس کے باوجود طلاق کے اَعذار پھر بھی محدود تھے۔ اور طلاق دینے کا اختیار صرف کلیسا کی عدالتوں کو تھا شوہر یا بیوی کو کسی قسم کا اختیار نہ تھا وہ ضرورت پڑنے پر کلیسا سے رجوع کرتے تھے۔ جو تحقیق کے بعد اپنی صواب دید پر طلاق کا حکم جاری کرتا تھا لیکن چونکہ کلیسا کی عدالتیں حتی الامکان بائبل کی ہدایت پر عمل کی کوشش کرتی تھیں اس لیے ان کی طرف سے طلاق کے فیصلے کم ہوتے تھے۔

یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کے بعد عوام میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ طلاق کی ان ناروا پابندیوں کو اٹھایا جائے، بالآخر ایک انقلابی قدم اٹھایا گیا اور طلاق کا اختیار کلیسا کی عدالتوں سے اٹھا کے تمام ملکی عدالتوں کی طرف منتقل کر دیا گیا اور طلاق کے اعذار کی فہرست انتہائی طویل بنا دی گئی اور طرّہ یہ کہ مرد کے علاوہ عورت کو بھی عدالت سے رجوع کر کے طلاق کا اختیار دیدیا گیا اور فریقین کے لیے محض ناپسندیدگی بھی طلاق کا قانونی جواز قرار پا گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یورپ میں طلاق کی جتنی کثرت ہے اس کا مشرقی ممالک کے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے اور رشتۂ نکاح ہر وقت علیٰ شرف الزوال رہتا ہے۔

طلاق: دینِ ہنود میں: ہندو مذہب میں بھی طلاق ممنوع رہی ہے۔ حتی کہ اگر عورت زنا کی مرتکب ہو جاتی تو اپنے مذہب سے خارج شمار کی جاتی، لیکن طلاق کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ لیکن جب ہندوؤں نے اس حکم میں تنگی محسوس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو ان کے بعض فرقوں نے اس کی اجازت دی کہ ضرورت پڑنے پر شوہر اپنے پنڈت اور پروہت وغیرہ سے طلاق کے لیے رجوع کر سکتا ہے چنانچہ جنوبی ہندوستان میں اب اکثر فرقوں کے نزدیک طلاق کا سلسلہ ہے، جبکہ شمالی ہند میں اب بھی سوائے چند نیچ فرقوں کے طلاق کا رواج نہیں اور شرفاء کے نزدیک اس کو اب تک ناجائز سمجھا جاتا ہے۔

طلاق: دینِ اسلام میں: اسلام نے طلاق کا جو عادلانہ نظام مقرر کیا ہے وہ اس افراط وتفریط سے پاک ہے جو دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اسلام نے طلاق کو نہ بالکل حرام قرار دیا، نہ اس کی بے لگام اجازت دی۔ دراصل اسلامی تعلیمات کا منشا یہ ہے کہ رشتۂ نکاح پائیدار اور خوشگوار ہو اور بوقت مجبوری طلاق کی بھی گنجائش ہو جس کا کسی قدر اندازہ درج ذیل احکام سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ نکاح سے قبل مرد کو اس کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنی مخطوبہ کو دیکھ لے تا کہ وہ بصیرت کے ساتھ رشتۂ نکاح قائم کرے اور بعد میں بدصورتی وغیرہ کی بنا پر طلاق دینے کی نوبت نہ آئے۔

۲۔ معمولی معمولی باتوں پر طلاق کو پسند نہیں کیا گیا بلکہ شوہر کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے کوئی ناروا بات پیش آئے تو وہ اس کی خوبیوں کا تصور کرے، چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾﴾ (النسآء)

”اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اُسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی اگر عورت خوبصورت نہ ہو یا اس میں کوئی اور ایسا نقص ہو جس کی بنا پر وہ شوہر کو پسند نہ آئے تو یہ مناسب نہیں ہے کہ شوہر فوراً دل برداشتہ ہو کر اسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائے۔ حتی الامکان اسے صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت خوبصورت نہیں ہوتی مگر اس میں بعض دوسری خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو ازدواجی زندگی میں حُسن صورت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر اسے اپنی ان خوبیوں کے اظہار کا موقع ملے تو وہی شوہر جو ابتداء محض اس کی صورت کی خرابی سے دل برداشتہ ہو رہا تھا، اس کے حُسنِ سیرت پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ازدواجی زندگی کی ابتداء میں عورت کی بعض باتیں شوہر کو ناگوار محسوس ہوتی ہیں اور وہ اس سے بددل ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ صبر سے کام لے اور عورت کے تمام امکانات کو بروئے کار آنے کا موقع دے تو اس پر خود ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کی بیوی برائیوں سے بڑھ کر خوبیاں رکھتی ہے۔ لہٰذا یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ آدمی ازدواجی تعلق کو منقطع کرنے میں جلد بازی سے کام لے۔

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ». أَوْ قَالَ غَيْرَهُ. (مسلم ۱۰/۵۸)

مرد مسلمان عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس کا ایک فعل اچھا نہیں تو دوسرا فعل اس کو پسند ہو گا۔

۳- پھر اگر کوئی بات شوہر کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگے تو پھر بھی طلاق کے بجائے مرد کو اس کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ بتدریج اس کی اصلاح کی فکر کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾ (النساء:٣٤)

''اور جن عورتوں سے تمہیں غلطیوں کا اندیشہ ہو تو تم ان کو نصیحت کرو اور ان سے خوابگاہوں میں علیحدگی اختیار کرلو اور ان کی پٹائی کرو بعدازیں اگر وہ تمہارے کہنے پر چلیں تو ان کے خلاف کوئی راہ تلاش نہ کرو۔''

٤- پھر اگر زوجین کے درمیان اختلافات شدید ہوں اور اصلاح کے مذکورہ طریقوں سے کام نہ بنے تو زوجین کے اقرباء کو اصلاح کی کوشش کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا﴾ (النساء:٣٥)

''اگر تم ڈرو کہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں چاہیں کہ اصلاح کرا دیں تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'' صلح اچھی چیز ہے۔

٥- پھر اگر اصلاح کی یہ کوششیں بھی بار آور نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی طبائع میں اتنا تضاد ہے کہ اب رشتۂ نکاح کو ان پر مسلط رکھنا بھی ظلم ہے۔ ایسی صورت میں مرد کو اگرچہ طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن ساتھ ہی یہ کہہ دیا گیا ہے کہ: «اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ الطَّلَاقُ». (ابوداود ١/٣٠٣)

(طلاق حلال ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے) جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مطلب یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر انتہائی مجبوری کی حالت میں دینی چاہیے۔

۶- پھر طلاق کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایسے طہر میں ہو جس میں صحبت نہ ہوئی ہو تا کہ طلاق کسی وقتی منافرت کے سبب سے نہ دی جائے اور طلاق کے بعد عدت کا شمار بھی آسان ہو۔

۷- نیز یہ حکم دیا گیا کہ صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے تا کہ اگر حالات رو بہ اصلاح ہونے لگیں تو عدت کے دوران رجوع کرنا ممکن ہو اور عدت کے بعد بھی تجدیدِ نکاح کی گنجائش ہو۔

۸- نیز طلاق کا یہ سارا اختیار مرد کو دیا گیا ہے، کیونکہ عورتیں عموماً جذباتی اور عُجلت پسند ہوتی ہیں اس طلاق کے معاملہ کو ان سے متوازن فیصلہ مشکل اور بے اعتدالی کا خطرہ ہے۔

البتہ چونکہ بعض صورتیں ایسی ہوسکتی ہیں کہ معقول وجوہ کی بنا پر علیحدگی چاہتی ہو تو اس کے لیے ''خلع'' کا راستہ رکھا گیا ہے نیز خاص خاص حالات میں عدالت کے ذریعہ بھی نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ مثلاً شوہر مجنون، مفقود، عنِّین ہو یا نان ونفقہ نہ دیتا ہو۔

ان احکام کے ذریعہ ان تمام خرابیوں کا سد باب کر دیا گیا ہے۔ جو مذکورہ اِفراط وتفریط سے پیدا ہوسکتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نظام پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تو نکاح وطلاق کے تمام قضیے بہ آسانی نمٹ سکتے ہیں۔

طلاق کی ضرورت اور اس کا مفہوم: طلاق کا حاصل، معاملے اور معاہدے کو ختم کرنا ہے۔ جس طرح شریعتِ اسلامیہ نے نکاح کے معاملے اور معاہدے کو ایک عبادت کی حیثیت دے کر عام معاملات ومعاہدات کی سطح سے بلند رکھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور بہت سی پابندیاں اس پر لگائی ہیں۔ اسی طرح اس معاملہ کا ختم کرنا بھی تمام لین، دین کے معاملات کی طرح آزاد نہیں رکھا۔ کہ جب چاہے جس طرح چاہے اس معاملہ کو فسخ کر دے اور دوسرے سے معاملہ کر لے۔ بلکہ اس کے لیے ایک خاص حکیمانہ قانون بنایا ہے جس کا پورا بیان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں موجود ہے۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ جن مرد وعورت میں اسلامی اصول کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو، وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو۔ جس سے ان دونوں کا دین ودنیا بھی درست ہو اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال واخلاق بھی درست ہوں۔ اس لیے نکاح کے معاملے میں شروع سے آخر تک ہر قدم پر اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک وصاف رکھنے اور اگر کبھی کوئی تلخی پیدا ہو جائے تو اس کے ازالہ کی پوری کوشش کی جائے۔ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہو جاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کر دیا جائے۔ جن مذاہب میں طلاق کا اُصول نہیں ہے ان میں ایسے اوقات میں سخت مُشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات انتہائی برے نتائج سامنے آتے ہیں اس لیے اسلام نے قوانین نکاح کی طرح طلاق کے بھی اصول وقواعد مقرر فرمائے ہیں مگر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دے دیں کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ومکروہ کام ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہئے اس مبغوض فعل کی نوبت اس وقت آنی چاہئے جبکہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں۔

اللہ کے ہاں ناپسندیدہ چیز: ۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

«اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَلطَّلَاقُ». (ابوداود ۱/۳۰۳)

حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔

۲۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«یَا مُعَاذُ! مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَیْئًا عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَیْئًا عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ مِنَ الطَّلَاقِ». (تفسیر قرطبی ۱۸/۱۴۹)

اے معاذؓ! اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان سب میں اللہ کے نزدیک محبوب غلاموں کو آزاد کرنا ہے، اور جتنی چیزیں زمین پر پیدا کی ہیں ان سب میں مبغوض ومکروہ طلاق ہے۔

ان احادیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ ساری حلال چیزیں اللہ کو پیاری نہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جو حلال ہونے کے باوجود اللہ کو ناپسند ہیں، دوسری یہ کہ طلاق دینا اگرچہ درست ہے مگر اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ طلاق حلال تو اس لیے ہے کہ بعض دفعہ آدمی مجبور ہو جاتا ہے اور مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ طلاق ہو جائے۔ اور بری اس لیے ہے کہ اس سے عداوت اور دشمنی پھیلتی ہے۔

شیطان کا سب سے بڑا کارنامہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھا دیتا ہے اور اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے وہ لوگوں کو فتنے میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کا سب سے زیادہ مقرب وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے میں نے ایسا ایسا کیا۔ شیطان کہتا ہے تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ایک اور آتا ہے وہ کہتا ہے میں نے فلاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی کو اس وقت چھوڑا جب میں نے اس کی بیوی سے اس کی تفریق کرا دی۔ شیطان اسے قریب بلا لیتا ہے اور کہتا ہے تم بہت اچھے ہو۔''

اعمش کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ابلیس اس سے معانقہ کرتا ہے۔'' (کنز العمال ۹/۶۶۲، ترغیب ۳/۱۵۰)

طلاق دینے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُطَلَّقُ النِّسَآءُ اِلَّا مِنْ رِيبَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الذَّوَّاقِينَ وَلَا الذَّوَّاقَاتِ».

(تفسیر قرطبی ۱۸/۱۴۹، وکنز العمال ۹/۲۶۲)

عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر کسی بدکاری کے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مردوں کو پسند نہیں کرتے جو صرف ذائقہ چکھنے والے ہیں اور ان عورتوں کو پسند نہیں کرتے جو صرف ذائقہ چکھنے والی ہیں۔

جنت کی خوشبو سے محرومی: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَيُّمَا امْرَأَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقَهَا مِنْ غَيْرِ بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ». (ابوداود ا/۳۱۰، ترمذی ا/۱۴۲)

جو عورت بے ضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر کسی عذر کے خاوند سے طلاق کا سوال، بہت بڑا جرم اور جنت کی خوشبو سے محرومی کا سبب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الغرض اسلام نے اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ تا بمقدور اس سے روکا ہے۔ لیکن بعض ضرورت کے مواقع میں اجازت دی تو اس کے لیے کچھ اصول وقواعد بنا کر اجازت دی۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ اس رشتۂ ازدواج کو ختم ہی کرنا ضروری ہو جائے تو وہ بھی خوبصورتی اور حُسنِ معاملہ کے ساتھ انجام پائے۔ محض غصہ نکالنے اور انتقامی جذبات کا کھیل بنانے کی صورت نہ بننے پائے۔

طلاق دینے کا مسنون طریقہ: طلاق کا صحیح اور مسنون طریقہ جو قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ عورت کو حالتِ طُہر میں، صرف ایک مرتبہ طلاق دی جائے۔ جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو، اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ جب عدت گزر جائے تو یہی ایک طلاق رشتۂ زوجیت قطع کرنے کے لیے کافی ہو جائے گی۔ اور عورت آزاد ہوکر دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی۔

اس صورت میں شوہر کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ عدت کے گزرنے سے پہلے پہلے جب چاہے رجوع کر لے، اور اگر عدت گزر بھی جائے تو بھی دونوں کے لیے موقع باقی رہتا ہے کہ پھر باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر لیں۔ اسی کو طلاقِ سُنّت کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر بھی طلاق دینے کے طریقے ہیں وہ سب طلاقِ بدعی میں داخل ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«فَالطَّلَاقُ الْمُبَاحُ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ هُوَ اَنْ يُّطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلْقَةً وَّاحِدَةً اِذَا طَهُرَتْ مِنْ حَيْضَتِهَا بَعْدَ اَنْ تَغْتَسِلَ وَقَبْلَ اَنْ يَّطَأَهَا ثُمَّ يَدَعُهَا فَلَا يُطَلِّقُهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا' وَهٰذَا الطَّلَاقُ يُسَمّٰى طَلَاقَ السُّنَّةِ». (فتاویٰ ابن تیمیہ ۶۵/۳۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باتفاق علماء طلاقِ مباح یہ ہے کہ جب عورت حیض سے پاک ہو کر غسل کرے تو قبل وطی عورت کو ایک طلاق دے کر عدت گزرنے تک چھوڑ دیا جائے، اس طرح کی طلاق کو طلاق مسنون کہا جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

«وَطَلَاقُ السُّنَّةِ الْمُبَاحُ! إِمَّا أَنْ يُّطَلِّقَهَا طَلْقَةً وَّاحِدَةً وَّيَدَعَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ فَتَبِيْنُ أَوْ يُرَاجِعُهَا فِي الْعِدَّةِ فَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، أَوْ طَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ، أَوِ الثَّالِثَةَ فِي ذٰلِكَ الطُّهْرِ: فَهٰذَا حَرَامٌ، وَفَاعِلُهُ مُبْتَدِعٌ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ، كَمَالِكٍ وَأَبِي حَنِيْفَةَ، وَأَحْمَدَ فِي الْمَشْهُوْرِ عَنْهُ، وَكَذٰلِكَ إِذَا طَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ وَالثَّالِثَةَ قَبْلَ الرَّجْعَةِ أَوِ الْعَقْدِ عِنْدَ مَالِكٍ وَّأَحْمَدَ فِي ظَاهِرِ مَذْهَبِهِ وَغَيْرِهَا. وَلٰكِنْ هَلْ يَلْزَمُهُ وَاحِدَةٌ؟ أَوْ ثَلَاثٌ؟ فَفِيْهِ قَوْلَانِ، قِيْلَ: يَلْزَمُهُ الثَّلَاثُ، وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ. وَالْمَعْرُوْفُ مِنْ مَّذْهَبِ الثَّلَاثَةِ. وَقِيْلَ: لَا يَلْزَمُهُ إِلَّا طَلْقَةٌ وَّاحِدَةٌ، وَهُوَ قَوْلُ كَثِيْرٍ مِّنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ وَقَوْلُ طَائِفَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ مَالِكٍ وَّأَبِي حَنِيْفَةَ وَهٰذَا الْقَوْلُ أَظْهَرُ».

(فتاوی ابن تیمیہ ۳۳/ ٦٧)

مسنون و مباح طلاق کی یا تو یہ صورت ہے کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے یہاں تک کہ عورت عدت گزار کر آزاد ہو جائے یا عدت کے اندر خاوند رجوع کرے۔ اگر کسی نے اکٹھی تین طلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے دیں یا ایک ہی طہر میں متفرق طور پر رجوع کیے بغیر تین طلاق دے دیں، تو یہ صورت حرام ہے، اور اس کا مرتکب اکثر علماء (جیسے امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور مشہور روایت میں امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک بدعتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی دوسری اور تیسری طلاق رجوع یا عقد کئے بغیر دے گا تو یہ صورت بھی امام احمدؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک حرام ہے۔

لیکن اس سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تینوں، اس میں علماء کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تینوں واقع ہو جائیں گی، یہ مسلک ائمہ اربعہ کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک واقع ہوگی، یہ مسلک بہت سے سلف وخلف نے اختیار کیا ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں سے بھی ایک جماعت نے یہی مسلک اختیار کیا ہے اور یہی قول زیادہ اظہر بھی ہے۔

عہدِ رسالت ﷺ میں طلاقِ ثلاثہ کا مفہوم: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

« قَوْلُ الصَّحَابِيِّ "طَلَّقَ ثَلَاثًا" يَتَنَاوَلُ مَا إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا مُتَفَرِّقَاتٍ، بِأَنْ يُطَلِّقَهَا ثُمَّ يُرَاجِعُهَا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا ثُمَّ يُرَاجِعُهَا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا،وَهٰذَا طَلَاقٌ سُنِّيٌّ وَاقِعٌ بِاتِّفَاقِ الْأَئِمَّةِ. وَهُوَ الْمَشْهُورُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي مَعْنَى الطَّلَاقِ ثَلَاثًا، وَأَمَّا جَمْعُ الثَّلَاثِ بِكَلِمَةٍ فَهٰذَا كَانَ مُنْكَرًا عِنْدَهُمْ إِنَّمَا يَقَعُ قَلِيلًا فَلَا يَجُوزُ حَمْلُ اللَّفْظِ الْمُطْلَقِ عَلَى الْقَلِيلِ الْمُنْكَرِ دُونَ الْكَثِيرِ الْحَقِّ». (فتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ ۳۳/۷۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب صحابیٔ رسول ﷺ کسی کے متعلق یوں کہے: "طَلَّقَ ثَلَاثًا" (اس نے تین طلاقیں دے ڈالیں) تو اس کا عام طور پر مفہوم یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس نے متفرق طور پر رجوع کے بعد تین طلاقیں دیں۔

یعنی ہر طلاق رجوع کرنے کے بعد دی اور یہ طلاق سُنّی ہے جو بلا خلاف تمام ائمہ کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں طلاقِ ثلاثہ کا یہی مفہوم مشہور تھا۔ اس کے برخلاف اکٹھی تین طلاق دینا اس دور میں قلیل الاستعمال ہونے کے باوجود منکر ومکروہ تھا۔ لہٰذا "طَلَّقَ ثَلَاثًا" کے الفاظ سے کثیر الاستعمال مفہوم کو چھوڑ کر قلیل الاستعمال مفہوم مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

مذکورہ طریقہ کے متعلق تمام فقہاء نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی کو طلاق کا مسنون طریقہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں، ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (استاذ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کیا ہے کہ:

اِنَّ الصَّحَابَةَ رضی اللہ عنہم كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ اَنْ يُّطَلِّقَهَا وَاحِدَةً ثُمَّ يَتْرُكَهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلَاثَةَ حِيَضٍ. (احکام القرآن للجصاص ۱/۳۷۹)	صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ شوہر بیوی کو صرف ایک طلاق دے دے اور اس کو چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اسے تین حیض آ جائیں۔

یہ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں، اور امام محمدؒ کے الفاظ یہ ہیں۔

كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ اَنْ لَّا يَزِيْدُوا فِي	ان کو یہ طریقہ پسند تھا کہ طلاق کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الطَّلَاقِ عَلٰی وَاحِدَةٍ حَتّٰی تَنْقَضِیَ الْعِدَّةُ. (مبسوط ۳/۷۶، بدائع الصنائع ۳/۸۸، احکام القرآن للجصاص ۱/۳۷۹)

معاملہ میں ایک سے زیادہ نہ دیں یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔

ان حضرات کے نزدیک ہر طہر میں ایک ایک طلاق دینے کی بجائے صرف پہلی ہی طلاق پر اکتفا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص ایک طلاق پر اکتفا نہ کرتے ہوئے دورانِ عدت دوسری اور تیسری طلاق بھی دے دے تو اس کا یہ فعل سنت کے مطابق ہوگا یا بدعت؟ اگر بدعت ہوگا تو دوسری اور تیسری طلاق واقع ہوگی یا عبث ولغو ہو گی؟ اس سلسلہ میں مختلف ائمہ دین کی تحقیقات ملاحظہ فرمائیں:

مسلک احناف: حنفیہ، طلاق کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں: ۱- احسن، ۲- حسن، ۳- بدعی۔

۱- **اَحسَن:** طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس کے اندر اس نے مجامعت نہ کی ہو صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دے۔

۲- **حَسَن:** یہ ہے کہ ہر طُہر میں ایک ایک طلاق دے اس صورت کو یہ حضرات سنّت بھی کہتے ہیں۔

۳- **طلاقِ بدعت:** یہ ہے کہ آدمی بیک وقت تین طلاق دے دے، یا ایک ہی طہر کے اندر الگ الگ اوقات میں تین طلاق دے، یا حیض کی حالت میں طلاق دے یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وہ مباشرت کر چکا ہو، ان میں سے جو فعل بھی وہ کرے گا۔ گنہگار ہو گا۔ (عُمدۃ القاری ۲۰/۲۲۶، اَحکام القرآن للجصاص ۱/۳۷۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی طلاق کی تین قسمیں ہیں: ۱- سنی، ۲- بدعی مکروہ، ۳- بدعی حرام۔

۱- **سُنّی:** سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو جسے حیض آتا ہو، طُہر کی حالت میں مباشرت کے بغیر صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔

۲- **بدعی مکروہ:** یہ ہے کہ ایسے طُہر کی حالت میں طلاق دی جائے، جس میں آدمی مباشرت کر چکا ہو یا مباشرت کے بغیر ایک طُہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں دی جائیں یا عدت کے اندر الگ الگ طُہروں میں تین طلاقیں دی جائیں، یا بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں۔

۳- **بدعی حرام:** یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دی جائے۔

(حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، احکام القرآن لابن العربی ۴/۱۸۱۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا معتبر مذہب یہ ہے کہ جس پر جمہور حنابلہ کا اتفاق ہے، کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: ۱- سُنّی، ۲- بدعی حرام۔

۱- **سُنّی:** مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہو، اسے سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ:

اَنْ يُّطَلِّقَهَا وَاحِدَةً فِي طُهْرٍ لَمْ يُصِبْهَا فِيهِ ثُمَّ يَدَعُهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا. (الانصاف ۸/ ۴۴۸)

طُہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر اسے طلاق دی جائے پھر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔

۲- **بدعی حرام:** یہ ہے کہ مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہے اسے تین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طہروں میں تین الگ الگ طلاقیں دی جائیں۔ یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے دی جائیں۔ یا بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں، یا حیض کی حالت میں طلاق دی جائے یا ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں مباشرت کی گئی ہو۔ اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہو، تو یہ سب طلاقیں بدعت اور حرام ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق کے معاملہ میں سنت اور بدعت کا فرق صرف وقت کے لحاظ سے ہے، نہ کہ تعداد کے لحاظ سے۔ یعنی مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہو اسے حیض کی حالت میں طلاق دینا یا جو حاملہ ہو سکتی ہو اسے ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کی جا چکی ہو، اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہوا ہو، بدعت اور حرام ہے، رہی طلاق کی تعداد تو خواہ بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں، یا ایک ہی طہر میں دی جائیں، یا الگ الگ طہروں میں دی جائیں۔ بہرحال یہ سنت کے خلاف نہیں۔ (مغنی المحتاج ۳/ ۳۰۸)

صحیح مسلک: طلاق کی تقسیم کے بارے میں ائمہ اربعہؒ کا نقطۂ نظر آپ نے معلوم کر لیا، اس سلسلہ میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل کا مسلک ہی حق وصواب معلوم ہوتا ہے، جس کی کئی وجوہ ہیں:

اول تو یہ مسلک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔

دوسرے یہ کہ طلاق "اَبْغَضُ الْمُبَاحَات" ہے جس کے استعمال کرنے کی اجازت صرف ضرورت شدیدہ کے تحت دی گئی ہے۔ اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ رشتۂ زوجیت قطع کرنے کے لیے صرف ایک ہی طلاق کافی ہے، تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر دوسرے اور تیسرے طُہر میں دوسری اور تیسری طلاق دینا عبث اور فضول ہے۔

تیسرے یہ کہ کسی مقام پر شریعت نے کسی حرام چیز کی اجازت کسی ناگزیر شکل میں دی ہے تو اس حرام شیٔ سے صرف اسی قدر فائدہ اٹھانا جائز ہے جس قدر شریعت نے اجازت دی ہے مثلاً مجبوری کے تحت قرآن نے خنزیر کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کی حد سے تجاوُز کرتے ہوئے خنزیر کا گوشت کھائے گا تو حرام کھائے گا۔ اسی طرح سب جانتے ہیں کہ جھوٹ بولنا حرام ہے مگر حدیث میں اجازت دی گئی ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے آدمی خلافِ واقعہ بات کہہ سکتے ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس ضرورت کی حد سے تجاوُز کرتے ہوئے ہر جگہ جھوٹ بولنے کی عادت بنا لے تو یہ حرام و ناجائز ہوگا، طلاق کی پوزیشن بھی یہی ہے کہ اس کے حرام ہونے کے باوجود شریعت نے صرف ضرورت کی حد تک اس کی اجازت دی ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ضرورت صرف ایک طلاق دینے سے پوری ہو جاتی ہے۔ تو پھر رجوع کئے بغیر عدت کے اندر دوسری اور تیسری طلاق دینا اس حد سے تجاوز کرنا ہے جو شریعت نے اس سلسلہ میں مقرر کی ہے۔

لہٰذا احناف کا ایسی طلاق کو حَسَن یا سنت کہنا کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں بلکہ اس کا بِدعی ہونا واضح ہے۔

چوتھے یہ کہ ایک طلاق کے بعد خاوند اور بیوی کے درمیان رشتۂ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے۔ اور عدت کے اندر مرد جب تک رجوع نہ کرے یہ سلسلہ منقطع ہی رہتا ہے۔ گویا کہ اب یہ عورت اس کی بیوی نہیں رہی، تو دوسری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تیسری طلاق عبث ہو گی کیونکہ عورت اب محل طلاق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا رجوع کئے بغیر عدت کے اندر طلاق دینا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی بائع اپنی فروخت کردہ چیز کو پہلی بیع فسخ کئے بغیر کسی دیگر شخص کے ہاتھ فروخت کر دے۔ جیسے یہ حرام ہے۔ ایسے ہی رجوع کئے بغیر طلاق پر طلاق دینا حرام ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں مِلک نہیں ہے۔ اور دوسری صورت میں طلاق کا محل نہیں ہے۔

مصر کے مشہور محقق ڈاکٹر احمد الغندور لکھتے ہیں:

شَرَعَ اللّٰهُ الطَّلَاقَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَذٰلِكَ اَنْ يُّطَلِّقَ الزَّوْجُ زَوْجَتَهٗ ثُمَّ يُرَاجِعُهَا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا ثُمَّ يُرَاجِعُهَا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا الثَّالِثَةَ وَلَا رَجْعَةَ لَهٗ عَلَيْهَا. (الطلاق فی الشریعة الاسلامية والقانون ص ٦٠)

اور اللہ نے تین دفعہ طلاق دینا مشروع کیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر پھر رجوع کرے، پھر دوسری طلاق دے، پھر رجوع کرے، پھر تیسری طلاق دے، اور اس تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا السُّنَّةُ اِذَا طَلَّقَهَا وَاحِدَةً لَمْ يُطَلِّقْهَا الثَّانِيَةَ حَتّٰى يُرَاجِعَهَا فِي الْعِدَّةِ اَوْ يَتَزَوَّجَهَا بِعَقْدٍ جَدِيْدٍ بَعْدَ الْعِدَّةِ فَحِيْنَئِذٍ لَهٗ اَنْ يُّطَلِّقَهَا الثَّانِيَةَ وَكَذٰلِكَ الثَّالِثَةَ. (فتاویٰ ابن تیمیہؒ ۳۳/۷۲)

سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ آدمی ایک طلاق دینے پر اکتفا کرے، اگر دوسری طلاق دینے کا ارادہ ہو تو یا تو عدت کے اندر پہلے رجوع کرے پھر طلاق دے یا پھر عدت گزرنے کے بعد نکاحِ جدید کرے اور پھر ضرورت ہو تو طلاق دے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح تیسری طلاق دینے کا بھی یہی طریقہ ہے یعنی پہلے رجوع پھر طلاق، علامہ احمد الخرقی فرماتے ہیں:

طَلَاقُ السُّنَّةِ اَنْ يُّطَلِّقَهَا طَاهِرًا مِّنْ غَيْرِ جِمَاعٍ وَّاحِدَةً ثُمَّ يَدَعُهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا.
(مغنی ابن قدامہ ۸/۲۳۵)

طلاق دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ حالتِ طُہر میں جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دے۔

اس کی شرح میں ابن قُدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَمَعْنَاهُ اَنَّهُ لَا يُتْبِعُهَا طَلَاقًا آخَرَ قَبْلَ قَضَاءِ الْعِدَّةِ وَلَوْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِيْ ثَلَاثَةِ اَطْهَارٍ كَانَ حُكْمُ ذٰلِكَ جَمْعَ الثَّلَاثِ فِيْ طُهْرٍ وَّاحِدٍ. قَالَ اَحْمَدُ: طَلَاقُ السُّنَّةِ وَاحِدَةٌ ثُمَّ يَتْرُكُهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلَاثَ حِيَضٍ، كَذٰلِكَ قَالَ مَالِكٌ وَالْاَوْزَاعِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَاَبُوْ عُبَيْدٍ.
(مُغنی ابن قُدامہ ۸/۲۳۶)

علامہ احمد خرقی کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے سے قبل دوسری طلاق نہ دی جائے، اگر کوئی شخص تین طُہروں میں تین طلاق دے ڈالے گا تو وہ طُہر واحد میں دی ہوئی تین طلاق کی طرح متصور ہو گی یعنی ایک طلاق واقع ہو گی۔ باقی لغو ہوں گی، امام احمدؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوعُبیدؒ کے نزدیک طلاقِ مسنون یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر خاموشی اختیار کر لی جائے یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں۔

ابن عربیؒ فرماتے ہیں:

فَقَالَ عُلَمَاؤُنَا: طَلَاقُ السُّنَّةِ مَا

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ سنت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَمَعَ سَبْعَةَ شُرُوْطٍ وَّهِيَ اَنْ يُّطَلِّقَهَا وَاحِدَةً وَّهِيَ مِمَّنْ تَحِيْضُ طَاهِرًا لَّمْ يَمَسَّهَا فِيْ ذٰلِكَ الطُّهْرِ وَلَا تَقَدَّمَهٗ طَلَاقٌ فِيْ طُهْرٍ يَّتْلُوْهُ وَخَلَا عَنِ الْعِوَضِ۔وَهٰذِهِ الشُّرُوْطُ السَّبْعَةُ مُسْتَفَادَةٌ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ الْمُتَقَدِّمِ. (احکام القرآن ۴/۱۸۲۵)

مطابق طلاق وہ ہوتی ہے جس میں سات شرطیں پائیں جائیں، اور وہ شرائط یہ ہیں:

۱- صرف ایک طلاق دی جائے، ۲-عورت بالغہ ہو، ۳- طلاق ایام طہر میں ہو، ۴- اور اس طہر میں عورت کو مس نہ کیا گیا ہو، ۵- اس سے پہلے ایامِ حیض میں طلاق نہ دی گئی ہو، ۶ -اور بعد والے طہر میں بھی طلاق نہ دی گئی ہو، ۷- اور طلاق بلا معاوضہ ہو۔ یہ سات شرائط حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ماخوذ ہیں جو پہلے گزر چکی ہے۔

فقہ حنابلہ کی مشہور کتاب الکافی میں ہے:

وَالْاَوْلٰى اَنْ يُّطَلِّقَهَا وَاحِدَةً ثُمَّ يَدَعَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا، لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ اِلٰى قَوْلِهٖ ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ○﴾ وَهٰذَا لَا يُمْكِنُ اِذَا جَمَعَ الثَّلَاثَ. (۳/۱۶۱)

طلاق کے سلسلہ میں اچھی صورت یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دے کر عدت ختم ہونے تک سکوت اختیار کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو ان کی عدت کے لیے طلاق دو، جب کوئی آدمی اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالتا ہے تو عورتوں کو ان کی عدت کے لیے طلاق نہیں ہوتی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا اَعْرِفُ طَلَاقَ السُّنَّةِ اِلَّا وَاحِدَةً وَّكَانَ يَكْرَهُ الثَّلَاثَ، مَجْمُوْعَةً كَانَتْ اَوْ مَفْرُوْقَةً. (التفسیرات الاحمدیہ ص۱۱۷، روح المعانی ۲۸/۱۲۹)

میں تو صرف ایک طلاق پر اِکتفاء کرنے کو سنت سمجھتا ہوں اور حضرت امام صاحب اکٹھی یا متفرق تین طلاق کو برا سمجھتے تھے۔

علامہ ابن رُشد اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى اَنَّ الْمُطَلِّقَ لِلسُّنَّةِ فِي الْمَدْخُوْلِ بِهَا هُوَ الَّذِيْ يُطَلِّقُ امْرَاَتَهٗ فِيْ طُهْرٍ ثُمَّ لَا يَمَسُّهَا فِيْهِ طَلْقَةً وَّاحِدَةً. (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ۲/۴۷)

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مدخول بہا عورت کو سنت کے مطابق طلاق دینا یہ ہے کہ ایسے طہر میں اسے صرف ایک طلاق دی جائے جس میں عورت کو مس نہ کیا گیا ہو۔

علامہ زمخشری مذکورہ آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ اَيْ مِنَ الْآيَةِ اَنْ يُّطَلِّقْنَ فِيْ طُهْرٍ لَّمْ يُجَامَعْنَ فِيْهِ ثُمَّ يُخَلَّيْنَ حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ. (کشاف ۴/۵۵۲)

آیت سے مراد یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو، اور پھر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۸ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جس مدخولہ عورت کو حیض آتا ہو، اس کی عدت طلاق کے بعد تین مرتبہ حیض آنا ہے، اس حکم کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو عدت کا آغاز کرنے کے لیے طلاق دینے کی صورت لازماً یہی ہوسکتی ہے کہ عورت کو طہر میں طلاق دی جائے، حالتِ حیض میں طلاق نہ دی جائے، کیونکہ اس کی عدت اس حیض سے شروع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوسکتی جس میں اسے طلاق دی گئی ہو۔

اب طلاق کے سلسلہ میں وہ خاص طریقہ ملاحظہ فرمائیں جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ۝١﴾ (الطلاق)

''اے نبی ﷺ! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو۔''

عدت کے لیے طلاق دینے کے دو مطلب ہیں، ایک مطلب اس کا یہ ہے کہ طلاق دینا ہو تو عدت تک کے لیے طلاق دو یعنی ایک طلاق دے کر عدت تک انتظار کرو، تا کہ اس مدت میں ہر وقت تمہارے لیے رجوع کی گنجائش باقی رہے۔

اس مطلب کے لحاظ سے یہ حکم ان مدخولہ عورتوں کے معاملہ میں بھی مفید ہے جن کو حیض آتا ہو، اور ان کے معاملہ میں بھی مفید ہے جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا جنہیں ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، یا جن کا طلاق کے وقت حاملہ ہونا معلوم ہو، اس فرمان الٰہی کی پیروی کی جائے تو کسی شخص کو بھی طلاق دے کر پچھتانا نہ پڑے، کیونکہ اس طرح طلاق دینے سے عدت کے اندر رجوع بھی ہوسکتا ہے، اور عدت گزر جانے کے بعد بھی یہ ممکن رہتا ہے کہ سابق میاں بیوی پھر باہم رشتہ جوڑنا چاہیں تو ازسرنو نکاح کرلیں۔

یہ تو ہے عدت کے لیے طلاق دینے کا پہلا مطلب اب رہا اس کا دوسرا مطلب تو وہ یہ ہے کہ عدت کا آغاز کرنے کے لیے طلاق دو، یا بالفاظ دیگر اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت طلاق دو جس سے ان کی عدت شروع ہوتی ہو۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَیْ مُسْتَقْبِلَاتٍ لِعِدَّتِهِنَّ. (فتح القدیر ۵/۲۴۰)

یعنی عورتوں کو طلاق دو کہ وہ عدت کا استقبال کریں، (یعنی طلاق کے بعد عدت شروع کریں)

نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ "فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" کی تشریح میں فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ اَنْ تُطَلِّقُوْهُنَّ فِیْ طُهْرٍ لَمْ يَقَعْ فِيْهِ جَمَاعٌ ثُمَّ يُتْرَكْنَ حَتّٰى تَنْقَضِیَ عِدَّتُهُنَّ فَاِذَا طَلَّقْتُمُوْهُنَّ هٰكَذَا فَقَدْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ. (نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام ص ۳۳۳)

آیت سے مراد یہ ہے کہ تم عورتوں کو ایسے طہر میں طلاق دو جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو، اور پھر انہیں مزید طلاق دیے بغیر چھوڑ دو یہاں تک کہ عدت گزر جائے، اگر تم عورتوں کو اس طریقہ کے مطابق طلاق دو گے تو عدت کے لیے طلاق دینا سمجھا جائے گا۔

زاد المعاد میں ہے:

عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَذْكُرُ طَلَاقَ امْرَاَتِهٖ حَائِضًا. فَقَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْ اَوْ يُمْسِكْهُ. وَتَلَا النَّبِیُّ ﷺ

ابوزبیر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق کا ذکر کرتے ہوئے سنا، اور کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ﴾ لِقُبُلِ اَوْ فِیْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ. (زاد المعاد ۵/۶۱۶)

کے پاک ہو جانے کے بعد اسے اختیار ہے، خواہ طلاق دے خواہ بسائے"۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس

آیت کی تلاوت کی: ﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ﴾ لِقُبُلِ اَوْ فِیْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ یعنی طہر کی حالت میں جماع سے پہلے طلاق دو۔

ایک حنفی فاضل کی تحقیق: مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے صاحبزادے، جناب مولانا عمر احمد عثمانی مسنون طریقۂ طلاق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"طلاق کا بہترین طریقہ (احسن) یہی ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس کے (حیض کے بعد) حالت طہر میں جس میں اس نے اس سے اختلاط نہ کیا ہو صرف ایک ہی طلاق دے اور اسے چھوڑ دے تا آنکہ اس کی عدت گزر جائے، کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسی کو پسند فرماتے تھے۔ کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دیں حتی کہ عدت پوری ہو جائے، اور یہی طریقہ ان کے نزدیک اس سے افضل تھا کہ آدمی بیوی کو تین طلاقیں دے یعنی ہر طہر میں ایک ایک طلاق۔ کیونکہ اس میں آدمی کو اس بات کا اندیشہ نہیں رہتا کہ بعد میں اسے شرمندہ ہونا پڑے، نیز اس میں عورت کے لیے بھی کم سے کم نقصان اور ضرر ہے، اور اس طریقہ کے غیر مکروہ ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

(ہدایہ ۲/۳۵۴۔ مطبوعہ کلام کمپنی کراچی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے حاشیہ پر مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ امام زیلعیؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو ابن ابی شیبہؒ نے اپنی مصنف میں ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اسی بات کو پسند کرتے تھے کہ وہ بیوی کو ایک ہی طلاق دیں اور پھر اسے چھوڑ دیں حتی کہ اسے تین حیض آ جائیں (یعنی عدت پوری ہو جائے)۔''

نیز علامہ شیخ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر ۲/۱۴۶ پر نقل کیا ہے کہ امام محمدؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

''صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ آدمی بیوی کو صرف ایک طلاق دے اور اسے چھوڑ رکھے یہاں تک کہ اسے تین حیض آ جائیں۔''

یہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں، خود امام محمدؒ کے الفاظ یہ ہیں:

''ان کا پسندیدہ طریقہ یہ تھا کہ طلاق کے معاملہ میں ایک سے زیادہ نہ بڑھیں، یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔''

ان تصریحات سے واضح ہے کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ بیوی کو صرف ایک طلاق دی جائے، صحابۂ کرام کا عمل بھی یہی تھا اور وہ اسی کو پسند فرماتے تھے، امت کے تمام فقہاء بھی اسی پر متفق ہیں کہ بہترین طریقہ یہی ہے، اس میں شوہر کے لیے ندامت کا اندیشہ بھی نہیں، عورت کو کم سے کم ضرر پہنچتا ہے اور اس کے بہترین طریقہ ہونے میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کہتا ہوں کہ قرآن کریم کا منشأ بھی یہی ہے اور عقلِ عامہ (Commonsence) کا تقاضا بھی یہی ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ طلاق، معاہدۂ نکاح کے فسخ کا اعلان ہے، یہ نہ کوئی گالی ہے، نہ کوسنا ہے، جسے بار بار دہرایا جائے۔ نکاح کا معاہدہ ایک مرتبہ ہی ہوتا ہے اس کے فسخ کا اعلان بھی ایک ہی مرتبہ ہونا چاہئے، ایک مرتبہ اعلان ہو جانے کے بعد فسخ میں کوئی کوتاہی یا نقصان نہیں رہ جاتا کہ اسے دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ دہرا کر اس نقصان یا کوتاہی کی تلافی کی جاتی ہو۔ طلاق دیئے جانے کے بعد عورت اپنے شوہر سے بہر حال الگ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اسے بار بار دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

طلاق حسن یا سنت: فقہاء حنفیہ نے طلاق کے تین طریقے بتائے ہیں، پہلا طریقہ جو اوپر گزر چکا ہے طلاقِ احسن کہلاتا ہے، دوسرا طریقہ طلاقِ حسن یا طلاقِ سنت کہلاتا ہے، صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں (ہدایہ ۲/۳۵۴۔ مطبوعہ کلام کمپنی کراچی):

"اور طلاقِ حسن، کہ طلاقِ سنت بھی ہے، یہ ہے کہ اس بیوی کو جس سے شوہر جنسی اختلاط کر چکا ہو تین طلاقیں تین طہروں میں دی جائیں، لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ طلاق بدعت ہے اور مباح (جائز) نہیں ہے بجز اس کے کہ صرف ایک طلاق دی جائے کیونکہ طلاق کے سلسلہ میں اصل حکم ممانعت اور ناجائز ہونے کا ہے، اس کی اباحت عورت کی جان چھڑانے کی ضرورت کے ماتحت وارد ہوئی ہے اور یہ ضرورت صرف ایک طلاق سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری ہو جاتی ہے، اور ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کہ سنت یہ ہے کہ تم بیوی کے
پاک ہونے (طہر) کا انتظار کرو، پھر اس کو ہر حیض کے بعد ایک
طلاق دے دو۔"

اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک امام مالکؒ کا مسلک قرآن کریم سے قریب تر ہونے کے علاوہ قرین عقل بھی ہے، کیونکہ تین طہروں میں یکے بعد دیگرے تین طلاقیں دینے پر اگر غور کیا جائے تو وہ خلاف عقل ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے کہ طلاق معاہدۂ نکاح کے فسخ کا اعلان ہے، پہلے طہر میں جو پہلی طلاق دی جاتی ہے اس سے معاہدۂ نکاح کے فسخ کا اعلان ہو جاتا ہے۔ شوہر کو یہ اختیار رہتا ہے کہ وہ عدت کے دوران اگر رجوع کرنا چاہے تو کر لے، نہ رجوع کرنا چاہے تو عدت پوری ہو جانے پر بیوی لازماً اس سے جدا ہو جائے گی۔ اب دوسرے طہر میں جو دوسری طلاق دی جاتی ہے تو اس سے کونسا نیا فائدہ حاصل ہوگا۔ جو پہلی طلاق سے نہیں ہوا تھا؟ اس سے کوئی بھی تو نیا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اب بھی صورت حال بعینہٖ وہی ہے جو پہلی طلاق کے بعد تھی، یعنی اب بھی شوہر کو عدت کے دوران رجوع کرنے کا اختیار ہے اور عدت گزر جانے کے بعد وہ اس سے لازماً علیحدہ ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ جس طرح عدت گزر جانے کے بعد ایک طلاق کی صورت میں میاں بیوی کو باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر لینے کا اختیار ہوتا ہے۔ دوسری طلاق کے بعد بھی یہ اختیار باقی رہتا ہے۔ نتیجہ اور اثر کے اعتبار سے پہلی طلاق اور دوسری طلاق میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس دوسری طلاق کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قطعاً بے اثر، بے نتیجہ بلکہ عبث ماننا پڑتا ہے، لے دے کر دوسری طلاق کا صرف ایک ہی مصرف نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بغیر تیسری طلاق تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ اگر دوسری طلاق نہ دی جائے تو تیسری طلاق، تیسری نہیں بن سکے گی۔ اور تیسری طلاق کا یہ فائدہ ہے کہ بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔ اس سے نہ رجوع ہو سکے گا۔ اور نہ تجدید نکاح ہو سکے گی۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح بیوی کو قطعی طور پر حرام کر لینا کس عقل کا تقاضا ہے۔ اس میں کونسا ثواب ہے، جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ بات خود قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے، چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴿۸۷﴾﴾ ''اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال فرمائی ہیں انہیں (اپنے اوپر) حرام نہ کرلو، اور حد سے تجاوز نہ کرو، یقیناً اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں کو حرام کر لینا قطعاً ممنوع اور ناپسندیدہ عمل ہے، اور تو اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام فرما لیں۔ چنانچہ سورۂ تحریم کی ابتداء ہی اس ممانعت سے ہوتی ہے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴿۱﴾﴾ ''اے پیغمبر اسلام! جن چیزوں کو آپ کے لیے اللہ نے حلال فرمایا ہے آپ ان سے کیوں باز رہتے ہیں، اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں؟''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ امام مالکؒ کا یہ مسلک کہ یہ طریقہ قطعاً بدعت اور ناجائز ہے نہ صرف یہ کہ قرین عقل ہے بلکہ قرآن کے عین مطابق بھی ہے، چنانچہ ہم اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ رہ گئی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کا صاحب ہدایہ نے حوالہ دیا ہے اور جسے دارقطنی نے معلّٰی بن منصور کی سند سے نقل کیا ہے، امام مالکؒ کے نزدیک یقیناً ثابت نہیں ہو سکی جب کہ امام مالکؒ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی احادیث کے بہت بڑے راوی ہیں، چنانچہ ان کی سند۔

مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ.

محدثین کے نزدیک عمدۃ ترین سند یعنی ''سِلْسِلَةُ الذَّهَبِ'' (سونے کی لڑی) مانی جاتی ہے، احناف کی پیش کردہ دارقطنی کی روایت کے یہ الفاظ معتبر نہیں، کیونکہ تمام صحاح ستہ میں یہی روایت موجود ہے لیکن کسی نے بھی یہ الفاظ نقل نہیں کیے، امام بیہقی نے تو تصریح ہی فرما دی ہے کہ عطاء خُراسانی نے اس حدیث میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں جن کی کسی نے بھی تائید نہیں کی اور عطاء خراسانی ایک ضعیف راوی ہیں۔ (الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ لابن حجر علی ہامش الہدایہ ۲/ ۳۵۵)

لہٰذا اس ضعیف روایت کی بنیاد پر ایسی طلاق کو جو خلاف عقل وشعور ہونے کے ساتھ خلاف قرآن بھی ہے، ''طلاقِ حَسن'' اور ''طلاقِ سنت'' کے لقب سے یاد کرنا انتہائی زیادتی ہے۔ واللہ اعلم۔ امام مالکؒ کا یہ مسلک ہمارے نقطۂ نظر سے جو ہم نے ''طریقۂ طلاق'' کے عنوان کے تحت پیش کیا ہے، مکمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تائید ہے۔ (فقہ القرآن ۲/ ۱۹۸)

حکم الٰہی کی خلاف ورزی: رجوع کئے بغیر ہر طہر میں ایک ایک طلاق دیے جانا، اس خاص طریقہ کی خلاف ورزی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، طلاق کی اصل کا جہاں تک تعلق ہے، وہ ممنوع ہے، صرف خاص خاص حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے، یعنی ایک خاص وقت میں، ایک خاص تعداد میں طلاق دی جا سکتی ہے۔

لہٰذا طلاق مشروع وہ ہے جو قرآن کی بیان کردہ طرز پر دی جائے، اور جو طرز مشروع سے ہٹ کر دی جائے وہ دائرہ ممنوع میں داخل ہوگی اور جس چیز سے منع کیا گیا ہو، اس کا کرنا باطل ہے۔ اور ان سب باتوں سے بالا یہ بات ہے کہ شارع علیہ السلام نے جب کسی عقد یا تصرف کو کسی خاص طرز ہی سے مباح قرار دیا ہے، تو اس کے علاوہ جو صورت ہوگی وہ غیر مباح ہوگی اور جو چیز غیر مباح ہے، وہ باطل ہے، اس کو حُسن یا سُنّت کہنا غلط ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حلت وحرمت کے سلسلہ میں شریعت اسلامیہ کا ایک ضابطہ وکلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، اور جسے بعض احوال میں حرام اور بعض میں حلال قرار دیا ہے اس کا وہ پہلو جو حرام ہے، نہ صحیح ہے نہ حلال کی طرح نافذ کیا جا سکتا ہے، نہ اس پر وہ حکم مترتب ہوگا جو حلال پر مترتب ہوتا ہے، صحابہ وتابعین اور ائمہ مسلمین اور جمہور کا مسلک یہی ہے''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(رسالہ العقود المحرمہ فی ضمن مجموعۃ رسائل صغریٰ ص ۱۰۶)

یعنی امام تیمیہؒ کے نزدیک یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ شارع علیہ السلام ایک بات سے منع فرمائیں، لیکن اس کو نافذ بھی کریں اور لازم گردانیں، بنابریں ممنوع طلاق کی سب ہی صورتوں میں ان کے نفاذ کو وہ جائز نہیں سمجھتے۔

ایک وجہ اور بھی ہے، یہ مسلّم ہے کہ طلاق بجائے خود ایک اچھا کام نہیں، شریعت میں ضرورت کی بنا پر اس کو مباح تو کیا گیا، لیکن بہت سی قیود سے مقید کر دیا گیا، پس جو طلاق ان قیود کے دائرہ کے اندر نہیں ہوگی، اسے باطل اور لغو ہونا چاہیے۔

شیخ الاسلام ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں زاد المعاد میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے یہ رائے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

- ''طلاقِ مُحرَّم، مَنْہی عنہ (ممنوع) ہے، اور نہی مقتضی بُطلان وفساد ہوتی ہے، پس اگر ہم ایسی طلاق کو صحیح قرار دیں تو پھر صحت وبطلان کے اعتبار سے منہی عنہ (ممنوع) مَاذُون فیہ (جس کا حکم دیا گیا ہو) میں فرق کیا رہ جاتا ہے، یعنی اجازت یافتہ بھی صحیح اور ممنوع بھی صحیح''۔

جس طرح مَنْہی عنہ (ممنوع) نکاح کو صحیح اور درست نہی کی وجہ سے نہیں مانا جائے گا، اسی طرح طلاق محرم بھی درست اور صحیح نہیں مانی جاسکتی، یہ کیونکر ممکن ہے کہ جس نکاح سے شریعت نے منع کیا ہے اسے تو تم نہی کی وجہ سے باطل قرار دے دو، اور جس طلاق کو حرام قرار دیا ہے، اسے بجا اور درست مان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لو؟ حالانکہ دونوں (نکاح وطلاق) صورتوں میں نہی کا اقتضاء ایسے نکاح اور طلاق کا بطلان ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَوْلُهٗ «طَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ» يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ اِرْدَافُ الطَّلَاقِ لِلطَّلَاقِ حَتّٰى تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ اَوْ يُرَاجِعُهَا لِاَنَّهٗ اِنَّمَا اَبَاحَ الطَّلَاقَ لِلْعِدَّةِ اَیْ لِاسْتِقْبَالِ الْعِدَّةِ فَمَتٰى طَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ وَالثَّالِثَةَ قَبْلَ الرَّجْعَةِ بَنَتْ عَلَى الْعِدَّةِ وَلَمْ تَسْتَاْنِفُهَا بِاتِّفَاقِ جَمَاهِيْرِ الْمُسْلِمِيْنَ. (فتاویٰ ابن تیمیہؒ ۳۳/۷۹)

''اللہ تعالیٰ کا قول "طَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" دلالت کرتا ہے کہ پہلی طلاق کے بعد جب تک عدت نہ گزر جائے، یا رجوع نہ کر لیا جائے، اس وقت تک طلاق پر طلاق دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ طلاق دراصل استقبالِ عدت کے لیے ہی مشروع ہوئی ہے، لہٰذا جب کوئی شخص رجوع کرنے سے قبل دوسری اور تیسری طلاق دے ڈالے گا، تو اس کی یہ دونوں طلاقیں عدت کا آغاز کرنے کے لیے نہ ہوں گی اس لیے کہ عدت کا آغاز تو پہلی طلاق کے بعد شروع ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان طلاقوں کی بنا پر نہ ہوگی، اور تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت دوسری یا تیسری طلاق کے بعد عدت کا آغاز نہیں کر سکتی۔''

شیخ الاسلام کے ظاہر کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزدیک طلاق ثانی کے لیے ضروری ہے کہ رجعت کا وقفہ بیچ میں حائل ہو، ورنہ وہ واقع نہیں ہوگی، اور تیسری طلاق اس وقت مانی جائے گی، جب کہ درمیان میں دو۲ رجعتوں کا وقفہ ہو۔

پھر آگے چل کر شیخ الاسلامؒ مزید لکھتے ہیں:

«وَاَمَّا مَنْ اَخَذَ بِمُقْتَضَى الْقُرآن وَمَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الآثَارُ فَإِنَّهُ يَقُوْلُ: اِنَّ الطَّلَاقَ الَّذِیْ شَرَعَهُ اللهُ هُوَ مَا يَتَعَقَّبُهُ الْعِدَّةُ، وَمَا كَانَ صَاحِبُهُ مُخَيَّرًا فِيْهَا بَيْنَ الْاِمْسَاكِ بِمَعْرُوْفٍ وَالتَّسْرِيْحِ بِاِحْسَانٍ وَهٰذَا مُنْتَفٍ فِيْ اِيْقَاعِ الثَّلَاثِ فِی الْعِدَّةِ قَبْلَ الرَّجْعَةِ، فَلَا يَكُوْنُ جَائِزًا فَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ طَلَاقًا لِلْعِدَّةِ».

(مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ۳۲/۷۹)

جو شخص قرآن وسنت پر عمل کرتا ہے، وہ تو یہی کہے گا کہ جس طلاق کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے اور جس میں آدمی کو چھوڑنے یا رکھنے کا اختیار رہتا ہے وہ طلاق ہے جس کے بعد عدت کا آغاز ہو سکے، اگر رجوع کیے بغیر ہی تین طلاقیں دے دی جائیں، تو یہ غیر مشروع ہوگی، کیونکہ عدت کا آغاز تو پہلی طلاق کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دوسری اور تیسری طلاق عدت کے لیے نہ ہوگی۔

سورۂ طلاق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ ”پھر جب وہ اپنی (عدت کی) مدت کے خاتمہ پر پہنچیں تو یا انہیں بھلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقے سے (اپنے نکاح میں) روک رکھو یا بھلے طریقے پر اُن سے جدا ہو جاؤ۔''

اس آیت میں دو باتوں کا اختیار دیا گیا ہے، عورت کو اپنی زوجیت میں رکھنا ہے تو دُستور کے موافق رُجوع کر لیا جائے۔ اگر چھوڑنا ہے تو مزید طلاق کی بجائے پہلی طلاق کے ساتھ ہی چھوڑ دیا جائے، عورت عدت گزار کر آزاد ہو جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس اگر کوئی شخص دوسری اور تیسری طلاق بھی دے دیتا ہے تو اس نے اس قرآنی ہدایت کے خلاف عمل کیا کیونکہ نہ اس نے عورت کو دُستور کے مطابق رکھا اور نہ دُستُور کے مطابق چھوڑا۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ......﴾ (۲۲۹) (البقرة)

''طلاقِ رجعی دو مرتبہ ہے، پھر یا تو دستور کے موافق رکھنا ہے، یا دستور کے موافق چھوڑ دینا ہے۔''

گویا قرآن آدمی کے سامنے دو راستے پیش کرتا ہے، یا اِمساک بمعروف، اس صورت میں پہلی طلاق کے بعد دوسری طلاق نہیں دے سکتا۔

اور یا تسریح باحسان اس صورت میں پہلی طلاق کے بعد دوسری طلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ نبی ﷺ کی ہدایت کے مطابق ''تسریح'' یہ ہے کہ عدت پوری ہونے دی جائے، پہلی طلاق کے بعد دوسری طلاق سے کوئی فائدہ نہیں، سوائے مضرّت اور فریب کے اور ایسا کرنا تسریح باحسان بھی نہیں ہو سکتا۔

علماءِ احناف کا استدلال: علماءِ احناف نے ہر طہر میں بغیر رجوع ایک ایک طلاق دینے کے جواز پر مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

رُوِیَ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ طَلَّقَ — حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حیض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امْرَاَتَهُ حَالَ الْحَيْضِ فَسَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: «اَخْطَاْتَ السُّنَّةَ، مَا هٰكَذَا اَمَرَكَ رَبُّكَ، اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ اسْتِقْبَالًا فَتُطَلِّقَهَا لِكُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيْقَةً».
(المبسوط ۶/۴، دار قطنی ص ۴۳۸)

کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے تیرے رب نے تجھے اس طرح حکم نہیں دیا تھا، طلاق دینے کا سنت طریق یہ ہے کہ حیض سے پہلے ہر تین طہر میں تین طلاق دی جائیں۔''

اس کے متعلق گزارش ہے کہ یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے چنانچہ ملاحظہ ہو حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

فَهُوَ حَدِيْثٌ قَدْ تَكَلَّمَ النَّاسُ فِيْهِ وَاَنْكَرُوْهُ عَلٰى عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ فَاِنَّهُ انْفَرَدَ بِهٰذِهِ اللَّفْظَةِ دُوْنَ سَائِرِ الرُّوَاةِ. قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: وَاَمَّا الْحَدِيْثُ الَّذِيْ رَوَاهُ عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «اَلسُّنَّةُ اَنْ يَّسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ فَيُطَلِّقَ لِكُلِّ قَرْءٍ فَاِنَّهُ اَتٰى فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ بِزِيَادَاتٍ لَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهَا وَهُوَ ضَعِيْفٌ فِي الْحَدِيْثِ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ مَا يَنْفَرِدُ. (تہذیب السنن ۱۱۰/۹)

علماء نے اس حدیث پر تنقید کی ہے، اور عطاء خراسانی کی وجہ سے اسے منکر کہا ہے، کیونکہ باقی رُواۃ کے سوا صرف عطاء خراسانی ہی یہ الفاظ (لِكُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيْقَة) نقل کرتے ہیں، امام بیہقیؒ فرماتے ہیں وہ حدیث جسے عطاء خُراسانی اس بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان فرماتے ہیں، ''اَلسُّنَّةُ اَنْ يَّسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ فَيُطَلِّقَ لِكُلِّ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُرُوءٍ"، عطاء خراسانی نے اس حدیث میں کئی زائد چیزیں بیان کی ہیں جس کی متابعت کسی راوی نے نہیں کی، بایں ہمہ عطاء خراسانی خود ضعیف فی الحدیث بھی ہیں، جس حدیث کے ساتھ وہ منفرد ہوتے ہیں وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔

تعلیقات سلفیہ میں ہے:

فَهُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيفٌ لَا يَنْتَهِضُ لِلْاِحْتِجَاجِ. یہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابلِ احتجاج نہیں۔

علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:

وَذَكَرَهُ عَبْدُالْحَقِّ فِي اَحْكَامِهِ مِنْ جِهَةِ الدَّارَقُطْنِيِّ وَاَعَلَّهُ بِمُعَلَّى بْنِ مَنْصُوْرٍ وَقَالَ: رَمَاهُ اَحْمَدُ بِالْكِذْبِ، انتهى. قُلْتُ: لَمْ يُعِلَّهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ اِلَّا بِعَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ وَقَالَ اِنَّهُ اَتٰى فِي هٰذَا الْحَدِيْثِ بِزِيَادَاتٍ لَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهَا وَهُوَ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيْثِ لَا يُقْبَلُ مَا تَفَرَّدَ بِهِ. وَقَالَ صَاحِبُ التَّنْقِيحِ: عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ، قَالَ ابْنُ حِبَّانَ: كَانَ صَالِحًا غَيْرَ اَنَّهُ كَانَ رَدِيْءَ الْحِفْظِ كَثِيرَ الْوَهْمِ. فَبَطَلَ الْاِحْتِجَاجُ بِهِ.

(نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ ۳/۲۲۰، التعلیق المغنی ص۴۳۸)

اس حدیث کو عبدالحق نے اپنی کتاب الاحکام میں دارقطنی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور معلّٰی بن منصور راوی کی وجہ سے اس کو معلول قرار دیا ہے اور فرمایا کہ امام احمدؒ بن حنبل نے اس راوی کو جھوٹا کہا ہے، میں بھی کہتا ہوں کہ امام بیہقیؒ نے کتاب المعرفۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس حدیث کو عطاء خراسانی کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ عطاء خراسانی اس حدیث میں ایسی زیادات بیان کرتا ہے جن پر کسی نے اس کی متابعت نہیں کی اور بایں ہمہ یہ بذات خود ضعیف بھی ہے۔ جس حدیث میں یہ متفرد ہو وہ قابل قبول نہیں۔ تنقیح میں عطاء خراسانی کے متعلق ابن حبان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ راوی فی نفسہٖ صالح ہے، مگر اتنی بات ہے کہ اس کا حافظہ بالکل ردّی ہے اور کثیر الوہم بھی ہے، لہٰذا اس حدیث سے اِستدلال کرنا غلط ہوگیا۔

علماءِ اَحناف کا دوسرا اِستدلال اس حدیث سے ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّهُ قَالَ:طَلَاقُ السُّنَّةِ تَطْلِيْقَةٌ وَّهِيَ طَاهِرٌ فِيْ غَيْرِ جِمَاعٍ،فَإِذَا حَاضَتْ وَطَهُرَتْ طَلَّقَهَا أُخْرٰى،فَإِذَا حَاضَتْ وَطَهُرَتْ طَلَّقَهَا أُخْرٰى ثُمَّ تَعْتَدُّ بَعْدَ ذٰلِكَ بِحَيْضَةٍ. (نسائی مع التعلیقات السلفیۃ ۲/۸۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ طُہر کی حالت میں مُباشَرت کئے بغیر ایک طلاق دی جائے، اسی طرح دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے میں تیسری طلاق دی جائے، ازاں بعد عورت ایک حیض عدت گزارے۔

علماء احناف کا اس حدیث سے بھی استدلال کئی وجوہ سے مخدوش ہے:

اولاً: یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنا قول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جس کی مخالفت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ اَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ قَالَ: لَوْ اَنَّ النَّاسَ اَخَذُوْا بِمَا اَمَرَ اللّٰهُ مِنَ الطَّلَاقِ مَا يَتْبَعُ رَجُلٌ نَفْسَهُ امْرَأَةً اَبَدًا يُطَلِّقُهَا تَطْلِيْقَةً ثُمَّ يَدَعُهَا مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ اَنْ تَحِيْضَ ثَلَاثًا فَمَتٰى شَاءَ رَاجَعَهَا. (المغنی لابن قدامۃ ۸/ ۲۳۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طلاق کے معاملہ میں لوگ اگر اللہ کی ہدایت کے مطابق چلیں تو کوئی آدمی بھی طلاق دے کر افسوس کے ساتھ کفِ دست نہ ملے اللہ کی ہدایت یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر عورت کو چھوڑ دے یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں اس ہدایت پر عمل کرنے سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جب چاہے نکاحِ جدید سے دوبارہ رجوع کر سکتا ہے۔ ہمیشہ کے لیے عورت ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس نہیں ہوتا۔

ثانیاً: خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی اس کے خلاف ان کا دوسرا قول بھی منقول ہے، چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

طَلَاقُ السُّنَّةِ اَنْ يُّطَلِّقَهَا وَهِيَ طَاهِرٌ، ثُمَّ يَدَعُهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا اَوْ يُرَاجِعُهَا اِنْ شَآءَ. (المغنی لابن قدامۃ ۸/ ۲۳۷)

طلاق دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ طہر کی حالت میں ایک ہی طلاق دے کر عورت کو چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ عدت گزر جائے یا پھر رجوع کر لیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الغرض، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ دوسرا قول ہی اقرب اِلی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی مخالفت کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ جبکہ پہلے قول کی مخالفت جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔

ثالثاً: اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول درست ہے، تب بھی اس سے احناف کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ تین طہر میں تین طلاقیں بغیر رجوع کے سنت ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس صورت کو سنت کہتے ہوں کہ ہر طلاق کے بعد رجوع ہو۔ اس طرح اگر کوئی شخص تین طہر میں تین طلاق دے دے گا، تو بہر حال طلاق بدعی نہیں ہو گی۔ مُغنِی ابن قُدامہ میں ہے:

فَيَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ بَعْدَ ارْتِجَاعِهَا وَمَتٰى ارْتَجَعَ بَعْدَ الطَّلْقَةِ ثُمَّ طَلَّقَهَا كَانَ لِلسُّنَّةِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، حَتّٰى قَدْ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ: «لَوْ اَمْسَكَهَا بِيَدِهٖ لِشَهْوَةٍ ثُمَّ وَالٰى بَيْنَ الثَّلَاثِ كَانَ مُصِيْبًا لِلسُّنَّةِ لِاَنَّهٗ يَكُوْنُ مُرْتَجِعًا لَهَا. وَالْمَعْنٰى فِيْهِ اَنَّهٗ اِذَا ارْتَجَعَهَا سَقَطَ حُكْمُ الْاُوْلٰى فَصَارَتْ كَاَنَّهَا لَمْ تُوْجَدْ».

(مغنی ابن قدامہ ۸/ ۲۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ ہر طلاق رجوع کرنے کے بعد دی جائے۔ اس طریقہ پر تین طہروں میں تین طلاقیں دینا بہر حال سنت ہی کہلائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رجوع کے سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کو پکڑ لے اور پھر یکے بعد دیگرے تین طلاق دے ڈالے تو پھر یہ طلاقیں سنت کے مطابق ہی ہوں گی۔ کیونکہ اس کا اپنی بیوی کو پکڑے رکھنا رجوع کا حکم رکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص پہلی طلاق دے کر رجوع کرے، تو پہلی طلاق کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ احناف کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول سے تین طہروں میں بلا رجوع تین طلاق دینے پر استدلال کرنا غلط ہے، کیونکہ یہ قول جب دوسرے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے تو احناف کا اس کے صرف ایک معنی کو متعین کر کے استدلال کرنا کیسے صحیح ہوگا، اور مشہور قاعدہ ہے، ''اِذَا جَآءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ''۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی تین طلاق دینے کو پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:

اَمَّا الطَّلَقَاتُ الثَّلَاثُ فِیْ ثَلَاثَةِ اَطْهَارٍ فَاَیْضًا تَضْیِیْقٌ وَمَظِنَّةٌ وَّنَدَامَةٌ. (حجۃ اللہ ۲/۱۴۰)

تین طہر میں طلاق دے ڈالنا خواہ مخواہ کی ندامت اور اپنے اوپر تنگی ڈالنا ہے۔

استاذ العلماء، رئیس المحققین، حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف مسئلہ زیر بحث کی تحقیق کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِذَا عَلِمْتَ هٰذَا فَاعْلَمْ اَنَّ تَقْسِيْمَ الْحَنَفِيَّةِ لِطَلَاقِ السُّنَّةِ إِلَى الْاَحْسَنِ وَالْحَسَنِ، لَيْسَ كَمَا يَنْبَغِي، وَالتَّحْقِيْقُ تَقْسِيْمُ الطَّلَاقِ سُنِّيٌّ وَّبِدْعِيٌّ وَّهُوَ مَا لَيْسَ عَلٰى وَفْقِ السُّنَّةِ. وَالْبِدْعِيُّ إِلَى الْبِدْعِيِّ الْحَرَامِ وَالْمَكْرُوْهِ وَإِرْدَافُ الطَّلَاقِ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ مِنْ قَبِيْلِ الثَّانِيْ كَمَا هُوَ قَوْلُ الْإِمَامِ مَالِكٍ. (سنن نسائی مع التعلیقات السلفیہ ۲/۸۸)

طلاقِ سنت کی احناف نے جو دو قسمیں طلاقِ احسن، طلاق حسن اسی طرح بدعی کی بھی دو قسمیں بدعی حرام، بدعی مکروہ بنائی ہیں، تو یہ تقسیم صحیح نہیں ہے، تحقیقی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ طلاق کی دو ہی قسمیں ہیں، سُنّی اور بدعی، جو سنت کے مطابق طلاق نہ ہو وہ بدعی ہے، رجوع کئے بغیر دورانِ عدت طلاق پر طلاق دینا بدعت ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے۔

مصر کے مشہور محقق ڈاکٹر احمد الغندور لکھتے ہیں:

وَلٰكِنَّنِيْ اَرٰى مِنَ الْخَيْرِ اَنْ تُعْمَلَ بِرَأْيِ الْإِمَامِ مَالِكٍ فَبِالطَّلْقَةِ الْوَاحِدَةِ يَتَحَقَّقُ لِلرَّجُلِ مَا يُرِيْدُ فَإِمَّا اَنْ يُّرَاجِعَهَا إِنْ اَرَادَ قَبْلَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا وَإِمَّا اَنْ يَّتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا فَتَنْدَفِعُ الْحَاجَةُ بِبَيْنُوْنَتِهَا مِنْهُ وَاِنَّنِيْ لَا اَسْتَسِيْغُ آرَاءَ فُقَهَاءِ الَّذِيْنَ يَسُوْغُوْنَ إِيْقَاعَ الطَّلَاقِ عَلَى الْمُعْتَدَّةِ مَهْمَا كَانَ نَوْعُ الْعِدَّةِ وَكَانَ مِنَ الْاَصْلَحِ عَدَمُ تَرَتُّبِ اَيِّ اَثَرٍ عَلَيْهَا.

(الطلاق فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون ص ٤٦)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرے نزدیک حضرت امام مالکؒ کی رائے اور تحقیق پر عمل کرنا بہتر ہے، کیونکہ ایک طلاق دینے پر اکتفا کرنے سے آدمی کے لیے گنجائش باقی رہتی ہے، اگر اس کا ارادہ رجوع کرنے کا ہے تو عدت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کر سکتا ہے، اور اگر رجوع کا ارادہ نہیں ہے تو عدت گزر جانے کے بعد عورت آزاد ہو جائے گی، اور اس کا مقصد بھی ایک طلاق سے پورا ہو جاتا ہے۔ اور میں اُن فقہاءِ کرام کی آراء سے متفق نہیں ہوں جو مُعْتَدَّہ پر طلاق دینے کو جائز سمجھتے ہیں، اس سلسلہ میں بہتر یہی ہے کہ ایک طلاق کے بعد زمانۂ عدت میں دوسری طلاق نہ دی جائے۔

ہماری ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق کی دو ہی قسمیں ہیں سُنّی اور بِدعی، علمائے احناف نے طلاقِ حَسن کے نام پر جو تیسری قِسم نکالی ہے وہ دراصل طلاقِ بِدعی کے اقسام میں سے ہے اس کو سنت یا حسن کا نام دینا صحیح نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ!

ایک طلاق کے بعد دوسری اور تیسری طلاق کب دی جاتی ہے؟! مولانا عمر احمد عثمانی لکھتے ہیں جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی، تو اسے اسی لمحہ طلاق ہوگئی وہ اب اس کی بیوی نہیں رہی، بقول ہمارے ایک فاضل عزیز نے بھی:

''طلاق کے دو اثر ہوتے ہیں، ایک تو طلاق دینے والے کے نکاح سے نکل جانا، اور دوسرے کسی اور مرد سے نکاح کا جائز ہونا، ان میں سے پہلا اثر تو طلاق دیتے ہی مرتب ہو جاتا ہے......اسی اثر کی وجہ سے جس لمحہ مرد نے طلاق کے الفاظ زبان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ادا کئے اسی لمحے سے عورت کو مطلقہ کہا جاتا ہے...... ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ طلاق کا پہلا اثر (بیوی کا شوہر کے نکاح سے الگ ہو جانا) طلاق کے الفاظ زبان سے نکلتے ہیں شروع ہو جاتا ہے۔ (ہمارے عائلی مسائل ص ۱۶۵-۱۶۶)

لہٰذا سوال یہ ہے کہ ایک طلاق دینے کے بعد دوسری اور تیسری طلاق آخر کس کو دی جا رہی ہے؟ کیا اس عورت کو دی جا رہی ہے جو اس کی بیوی نہیں رہی، جو اس سے الگ ہو چکی ہے؟ ظاہر ہے کہ پہلی طلاق کے بعد آپ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ قطعاً لغو اور بے محل ہے، آپ اسے طلاق دے رہے ہیں جو اب آپ کی بیوی ہی نہیں رہی، آپ کے لیے وہ قطعاً اجنبی ہو چکی ہے۔

حلال کو حرام کرنا: ظاہر ہے کہ اب اس کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ طلاق دینے والا شخص اپنی نظر میں یہ چاہتا ہے کہ اس طرح وہ بیوی کو اپنے اوپر بالکل ہی حرام کر لے، لیکن اس سے اس کا یہ مقصد تو حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو طلاقیں وہ اب دے رہا ہے وہ غیر محل میں ہیں اور لغو ہیں۔ ان کا کوئی اثر مرتب نہیں ہو سکتا البتہ وہ اپنی اس غلط خواہش سے عذابِ الٰہی کو اپنے لیے دعوت دے رہا ہے کیونکہ ایک حلال چیز کو اپنے لیے حرام کر لینا چاہتا ہے۔ جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔ اس بدنیتی کا اثر طلاق کی صورت میں تو نہیں البتہ مَعصیت ہونے کی وجہ سے عذابِ آخرت کی صورت میں ضرور ظاہر ہوگا۔

حیرت ہے کہ سوائے امام مالکؒ کے ہمارے اکثر فُقہاء نے اسے جائز قرار دے لیا ہے، بلکہ ہر طُہر میں ایک ایک طلاق دیتے چلے جانے کو طلاقِ سنت اور طلاقِ حَسَن سے تعبیر فرمایا ہے، جو قطعاً غلط اور حرام ہونا چاہیئے، سورہ مائدہ میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾

''اے پیروانِ دعوتِ ایمان! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال فرمائی ہیں انہیں حرام نہ کرلو، حد سے نہ بڑھو، بلا شبہ حق تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔''

اور اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے کہ بیویاں بھی طیبات میں داخل ہیں، چنانچہ سورۂ نساء میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴿٣﴾﴾

''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کے ساتھ انصاف کا سلوک نہیں کرسکو گے تو ان میں سے جو عورتیں تمہارے لیے طیب، پاکیزہ اور پسندیدہ ہوں، ان سے دو دو کر کے تین تین کر کے چار چار کر کے نکاح کرلو۔''

لہٰذا قرآن کی رو سے بیویاں طیبات میں سے ہیں اور جو طیبات اللہ نے حلال فرمائی ہیں ان کو حرام کر لینا خود ناجائز اور حرام ہے لہٰذا وہ طریقہ جسے ہمارے فقہاء نے حسن فرمایا ہے وہ ہرگز حسن نہیں ہے بلکہ وہ قرآن کریم کی نص صریح سے حرام ہے۔ ایک مرتبہ ایک ہی طلاق دی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد عدت گزار کر اسے بالکل الگ ہو جانا چاہیے۔ دوسری طلاق کی نوبت رجوع کر لینے یا دوسری مرتبہ نکاح کر لینے کے بعد آئے گی۔ اور تیسری طلاق کی نوبت تو آئے گی ہی نہیں۔

ہر طلاق عدت کی ابتداء پر: علاوہ ازیں سورۂ الطلاق میں اس بات کو اور بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح فرما دیا گیا ہے کہ ایک عدت میں ایک ہی طلاق ہو سکتی ہے، دو طلاقیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں، پہلے سورۃ الطلاق کی اس آیت کو ملا کر پڑھئے۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ......(۱)﴾

''اے پیغمبر اسلام! (آپ مسلمانوں کو ہدایت کر دیجئے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں عدت کے وقت طلاق دو۔ اور عدت کو شمار کرتے رہو اور اپنے پروردگار یعنی اللہ سے ڈرتے رہو اور انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود اپنے گھروں سے نکلیں سوائے اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہو چکی ہوں۔''

اس آیت کریمہ میں ''لِعِدَّتِهِنَّ'' میں ''لام'' وقت کے بیان کے لیے ہے یعنی ''حِينَ عِدَّتِهِنَّ'' یہ ایسے ہی ہے جیسے نماز کے سلسلہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ (۷۸)﴾ (بنی اسرائیل)

''(اے پیغمبر اسلام!) آپ آفتاب کے ہر انتقال کے وقت نماز قائم کیجئے۔''

آفتاب کے ایک انتقال کے وقت (مثلاً زوال آفتاب کے وقت) ایک ہی نماز (یعنی ظہر کی نماز) پڑھی جا سکتی ہے پھر دوسرے انتقال پر (کہ آفتاب کی حدّت ختم ہو جائے اور وہ آنکھ کے سامنے آجائے) بھی ایک ہی نماز (یعنی عصر کی نماز) پڑھی جا سکتی ہے، پھر تیسرے انتقال پر (کہ آفتاب غروب ہو جائے) ایک ہی نماز (یعنی مغرب کی نماز) پڑھی جا سکتی ہے۔ کسی ایک انتقال پر دو نمازیں نہیں پڑھی جا سکتیں۔ بعینہٖ اسی طرح طلاقیں دو مرتبہ کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دی جا سکتی ہیں اور ہر طلاق عدت کے وقت دی جا سکتی ہے۔ یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اب عدت کا وقت شروع ہو گیا۔ اس وقت طلاق دی جا سکتی ہے۔ اور یہ عدت کا وقت تیسرے ماہواری ایام تک پر محیط ہے۔ اگر عورت کو ماہواری آتی ہو، یا اب سے پورے تین ماہ تک کو محیط ہے اگر عورت کو ماہواری ایام نہ آتے ہوں۔ سورۂ نساء کی آیت نے یہ بتلا دیا تھا کہ طلاق دو مرتبہ کر کے دی جائے گی ایک ساتھ نہیں دی جا سکتی اور سورۂ الطلاق کی اس آیت نے اس ایک بار کی طلاق کا وقت عدت بتایا ہے۔ اور عدت پورے تین مہینے یا تین ماہواری ایام ہوتی ہے۔ ایک طہر نہیں۔

لہٰذا دونوں میں سے ہر بار کی طلاق کا وقت عدت یعنی پورے تین مہینے یا تین ماہواری ایام ہونے چاہئیں، جو کام مؤقّت ہوتے ہیں یعنی جو وقت مقررہ پر کیے جانے چاہئیں اس میں وہی کام کیا جا سکتا ہے جو اس وقت کے لیے متعین کیا گیا ہے، جیسے ظہر کے وقت میں آپ ایک ظہر کی نماز ہی پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح پہلی مرتبہ کی طلاق کے وقت آپ پہلی مرتبہ کی طلاق ہی دے سکتے ہیں۔ اسی وقت میں آپ دوسری مرتبہ کی طلاق بھی پہلی کے ساتھ نہیں دے سکتے۔ جیسا کہ ظہر کے وقت میں آپ ظہر کے ساتھ عصر اور مغرب کی نماز نہیں پڑھ سکتے۔ ویسے بھی ہر مرتبہ کی طلاق کے بعد رجوع کر لینا یا عدت پوری کرا کے عورت کو رخصت کر دینا ضروری تھا۔ جیسا کہ سورۂ نساء کی محولہ بالا آیت میں صراحۃً، فرمایا گیا تھا، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر مرتبہ کی طلاق ختم ہی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے انجام کو پہنچ جائے، یعنی شوہر رجوع کر لے یا عدت پوری کر کے عورت رخصت ہو جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ساری تفصیل سے ظاہر ہے کہ ایک طلاق کے وقت میں ایک مرتبہ ہی طلاق دی جا سکتی ہے، جسے ہمارے فقہاء طلاق احسن کہتے ہیں، دو تین مرتبہ طلاق نہیں دی جا سکتی۔ طلاق دراصل نہ کوئی گالی ہے، نہ کوئی وظیفہ ہے کہ اسے ایک دو تین دفعہ دہرایا جائے، تو مخاطب کی زیادہ دل آزاری ہو گی یا زیادہ ثواب ملے گا۔ یہ تو معاہدۂ نکاح کے فسخ کا اعلان ہے۔ معاہدہ اگر کسی نے ایک مرتبہ کر لیا ہے اور وہ اسے فسخ کرنے کا اعلان چاہتا ہے تو اپنے فسخ کے اعلان کا لفظ زبان سے ایک مرتبہ ادا کرلے یا دس مرتبہ، چونکہ معاہدہ ایک ہے اس لیے اس کے فسخ کرنے کا جب اعلان کیا جائے گا تو وہ فسخ بھی ایک ہی ہو گا۔ البتہ اگر اس نے معاہدہ کے فسخ کا اعلان کئی مرتبہ کر دیا ہے تو اسے پہلے اعلان کی تاکید کہا جا سکتا ہے، نیا فسخ نہیں کہا جا سکتا۔

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اگر عورت مدخول بہا ہے تو اسے شروع عدت میں طلاق دی جائے گی، تو جب کسی نے طلاق کا ارادہ کر کے اس سے کہا کہ: ''تمہیں طلاق'' تو ان الفاظ کے ادا کرتے ہی جو اس کے عزم پر دلالت کرتے ہیں، بلا کسی ادنیٰ تقدیم و تاخیر کے معاً طلاق پڑ گئی۔ اب جب کہ ان دونوں کے درمیان رشتۂ ازدواج ٹوٹ گیا اور قطع تعلق ہو گیا تو دوسری بار اور تیسری بار اس کو توڑنے اور کاٹنے کا حق اس کو کہاں رہا؟

کیا شریعت مطہرہ یا دیگر قوانین و شرائع میں اس کی کوئی نظیر پیش کی جا سکتی ہے کہ ایک ہی عقد و معاہدہ کو ایک مرتبہ کاٹ دینے اور توڑ دینے کے بعد اسے دوبارہ، اور سہ بارہ توڑا جائے؟ یہ تو اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کی دوبارہ، سہ بارہ تجدید کر لی جائے اس کے بعد ہی اس کے فسخ کی تجدید ممکن ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی اور یہ نئے عقد کا فسخ اور توڑنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے نکاح کو بندھن اور معاہدہ قرار دیا ہے، یہ دنیوی اور دینی مقدس معاہدہ ہے، حق تعالیٰ نے اسے احکام عقل سے کہیں مستثنیٰ قرار نہیں دیا، یہ بھی دوسرے فسوخ کی طرح ایک فسخ ہے۔ ایک عقد کو ایک ہی بار توڑا جا سکتا ہے۔ اگر مرد اپنی مطلقہ سے عدت کے اندر رجوع کرے، یا عدت کے بعد از سرنو نکاح کر لے تو ان کے درمیان عقد کی تجدید ہوگئی۔ گویا اس نے ایک مرتبہ توڑ دینے کے بعد اسے جوڑ لیا۔ اب دوبارہ اس کا قطع کرنا ممکن ہوگا۔ اسی طرح تیسری بار بھی۔ رہا یہ کہ وہ عقد منقطع ہو چکا ہو اور اس کے بعد بھی اسے کاٹنا ممکن ہو تو اس کو نہ تو عقل ہی باور کرتی ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل نقلی ہی موجود ہے، بلکہ کتاب وسنت کی نص کے بھی مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کو ''مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ'' دینے کا حکم دیا ہے نہ کہ اکٹھا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد چونکہ رجوع کا حق باقی رہتا ہے اس لیے کہا جائے گا کہ طلاق مکمل نہیں ہوئی، اس لیے وہ شخص دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ کہتا ہے تاکہ طلاق پختہ ہو جائے، لیکن یہ کہنا بداہت کا انکار ہے۔ رجوع کا حق ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ طلاق واقع ہوگئی، اگر طلاق واقع نہیں ہوئی تو وہ رجوع کس بات سے کر رہا ہے؟ کیا ایک طلاق کے بعد عدت گزر جانے پر عورت کسی دوسرے آدمی سے عقد ثانی نہیں کر سکتی؟

ایک موٹی سی بات ہے کہ مسلمان آپس میں روزانہ ہزارہا باہمی معاہدے کرتے ہیں اور انہیں توڑتے ہیں، جو معاہدہ ہو چکا ہے اسے توڑنے کا اعلان آپ ایک وقت میں ایک لفظ سے کریں یا اس لفظ کو ہزار مرتبہ دہرائیں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اپنا معاہدہ توڑ دیا۔ البتہ اگر معاہدہ ایک مرتبہ توڑ دینے کے بعد از سرنو دوبارہ معاہدہ کرلیا گیا ہے اور اس کے بعد پھر توڑا گیا ہے تب یہ کہا جائے گا کہ فلاں شخص نے اپنا معاہدہ دوسری مرتبہ بھی توڑ دیا، اگر دوسری مرتبہ توڑنے کے بعد پھر از سرنو تیسری مرتبہ معاہدہ کر کے پھر بھی توڑ دیا گیا ہے تو اب یہ کہا جائے گا کہ اس شخص نے تیسری مرتبہ بھی معاہدہ کو توڑ دیا ہے، لیکن اگر معاہدہ پہلی مرتبہ توڑا گیا ہے، لیکن معاہدہ توڑنے والے نے تین مرتبہ کہا ہے کہ میں نے معاہدہ توڑ دیا، میں نے معاہدہ توڑ دیا۔ میں نے معاہدہ توڑ دیا، تو اسے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے تین مرتبہ معاہدہ کو توڑ دیا ہے۔ جب تک ایک معاہدہ توڑنے کے بعد از سرنو دوسرا معاہدہ نہ کیا جائے اسے دوسری مرتبہ معاہدہ توڑنا نہیں کہا جا سکتا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں تمہارے ہاں دو مرتبہ گیا اور تم نہیں ملے حالانکہ وہ صرف ایک مرتبہ گیا تھا اور کھڑے کھڑے اس نے دو تین، آوازیں دیں اور واپس چلا گیا تو یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص صراحتہً جھوٹ بول رہا ہے، وہ صرف ایک مرتبہ آیا تھا۔ (فقہ القرآن ۲/ ۲۲۰)

طلاقِ بدعت: طلاق کی تیسری قسم، طلاق بدعت ہے، علماء احناف طلاق بدعت اسے کہتے ہیں کہ آدمی بیک وقت ایک ہی طہر میں بیوی کو ایک ہی لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دیدے، یعنی یہ کہے، میں نے تجھے تین طلاقیں دیدیں، یا یوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دیدی، میں نے تجھے طلاق دیدی، میں نے تجھے طلاق دیدی، یا یوں کہے، تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے۔ ایسی صورت میں حنفیہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ اس طرح طلاق دینا ناجائز اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدعت ہے لیکن تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور بیوی اپنے شوہر پر بالکل حرام ہو جائے گی، نہ وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے نہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ تا آنکہ کوئی دوسرا آدمی اس سے نکاح کرے اور پھر وہ مر جائے یا طلاق دیدے۔ اب عدت گزارنے کے بعد وہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے' امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح طلاق دینے سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے نہ یہ ناجائز ہے نہ بدعت ہے۔ یہ شوہر کا ایک جائز تصرف ہے۔ جائز تصرف کو ممنوع نہیں کہا جا سکتا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے عام طور سے وہی کچھ نقل کیا گیا ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر صحابہ وفقہاء.. لیکن امام ابن تیمیہؒ نے ثابت کیا ہے کہ امام احمدؒ نے اپنے قول سے رجوع فرما لیا تھا اور آخر میں وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن کریم پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ قرآن نے جس طلاق کا ذکر کیا ہے وہ صرف رجعی طلاق ہی ہے۔ چنانچہ ان کا مذہب یہی ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت نہیں دی جا سکتیں۔ اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاقیں دے دے تو ایک طلاق ہی واقع ہو گی۔ امام احمدؒ کے تمام اصحاب کا یہی مذہب ہے۔ (فتاوٰی ابن تیمیہ ۲۲/۳، طبع مصر)

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

"اہلِ علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق، طلاق کے پیچھے نہیں واقع ہوتی اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے۔ صاحبِ بحر نے اس کو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اور ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام طاؤسؒ، امام عطاءؒ، جابر بن یزیدؒ، ہادیؒ، قاسمؒ، ناصرؒ، احمد بن عیسیٰؒ، عبداللہ بن عیسیٰ بن عبداللہؒ اور ایک روایت زید بن علیؒ سے نقل کی ہے۔ اسی طرف متاخرین کی بھی ایک جماعت گئی ہے جس میں ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے اور ابن المنذر نے اس کو اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ، عمرو بن دینارؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے، اور ابن مُغیث نے اسی کو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ نیز ابن مغیث نے اپنی کتاب ''الوثائق'' میں اسی کو محمد بن وضاحؒ سے بھی نقل کیا ہے۔ اور مشائخِ قُرطبہ میں سے محمد بن تقیؒ، محمد بن عبدالسلامؒ وغیرہ کی ایک جماعت کا بھی فتوی اس قول پر نقل کیا ہے۔'' (الجواہر الغالیہ، از مولانا ابوعبیدہ اعظمی۔ بحوالہ نیل الاوطار ۲/ ۲۴۵)

اہل حدیث کا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔ علاوہ ازیں اثنا عشریوں کا بھی یہی مسلک ہے اور امامیہ کے یہاں تو تین یکجائی طلاقیں دینے سے طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔ حجاج بن ارطاۃؒ اور محمد بن مقاتلؒ (حنفی) بھی اس کے قائل ہیں کہ اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (ملاحظہ ہو شرح مسلم للنووی ۱/ ۴۷۸)

مشہور فقیہ ماذریؒ نے اپنی کتاب ''مُعلم'' میں امام محمد بن مقاتلؒ حنفی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ (محمد بن مقاتل فقہاء حنفیہ میں طبقہ ثالثہ کے اجل اصحاب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شمار ہوتے ہیں):

''طلاق ثلاثہ جو ایک ساتھ ہوں وہ ایک رجعی کے حکم میں ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔''

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی ایک ایک روایت: محمد بن مقاتل کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے کہ ایک ہی طلاق پڑے گی۔

نیز امام تلمانیؒ نے ''شرح التفریع فی مذہب مالک'' میں امام مالکؒ کا مذہب بیان کرتے ہوئے ایک قول بلکہ ایک روایت اسی کے مطابق نقل کی ہے۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ اور شیخ الاسلام نے امام احمدؒ کا مختار قول اسی کے مطابق نقل کیا ہے۔ (اغاثۃ اللہفان عن مصائد الشیطان ۱/ ۳۰)

نیز امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے کہ بیک وقت دی ہوئیں تین طلاقیں ایک طلاق رجعی شمار ہوگی۔ بعض اصحاب احمد اور داود ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عمدۃ الرعایہ ۲/ ۶۷-۷۱)

حافظ ابنِ حجرؒ نے بھی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ان میں سے اکثر اصحاب کا جن کا تذکرہ ہم نے امام شوکانیؒ کے حوالہ سے کیا ہے یہی مذہب نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری ۹/ ۲۸۹-۲۹۰)

علمائے متأخرین: مصر، جامعۃ الازہر کی وجہ سے علوم دینیہ واسلامیہ کا مرکز ہے اور جہاں علماء و محققین اسلام ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں اس کے اجلۂ علماء نے اس خاص مسئلہ پر بھی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الازہر علامہ شیخ شلتوت اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جو تین طلاقیں ایک مرتبہ دی جائیں ان سے ایک طلاق رجعی ہی واقع ہوگی اور مرد کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو واپسی کے لفظ سے یا مخالطتِ مخصوصہ کے ذریعے واپس لے لے۔'' (الفتاوی ص ٣٠٦)

نیز علامہ سید رشید رضا نے بھی اپنی تفسیر (المنار ٦٨٣/٩) میں اسی رائے کا اظہار فرمایا ہے، عہد حاضر کے ایک اور جلیل القدر عرب عالم اور مفسر شیخ جمال الدین القاسمی نے بھی اپنی کتاب (الاستيناس لتصحيح انكِحَة الناس) میں نہایت مفصل اور مبسوط گفتگو فرماتے ہوئے اسی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ (بحوالہ حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ٥٧، ترجمہ اُردو مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور)

ہمارے نزدیک امام احمد بن حنبلؒ کا آخری قول جو امام ابن تیمیہؒ نے نقل کیا ہے نیز امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی وہ روایت جو محمد بن مقاتل اور عُمدۃ الرعایہ نے نقل فرمائی ہے نیز دیگر صحابہؓ، تابعین اور فقہاء کے وہ اقوال جو اوپر نقل کئے گئے ہیں قرآن سے مطابقت رکھتے ہیں اس لیے ہم انہی کو ترجیح دیں گے۔

امام شافعیؒ نے چونکہ بیک وقت تین طلاقیں دینے میں کوئی قباحت نہیں سمجھی، بلکہ اسے شوہر کا جائز تصرف تسلیم فرمایا ہے اس لیے فقہاء حنفیہ کی طرف سے ان کے خلاف دلائل بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ بہرحال ایک وقت میں اکٹھی تین طلاق دینا قرآن کریم کے منشأ کے خلاف ہے اس لیے ممنوع اور ناجائز ہے۔ اس کے بعد اختلاف اس امر میں ہے کہ اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کے منشأ کے خلاف ایک ممنوع اور ناجائز فعل کا ارتکاب کر کے بیک وقت تین طلاقیں دیدے تو کیا تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ اور بیوی مطلقاً حرام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے گی۔ کہ اس کے بعد نہ شوہر کو رجوع کا حق حاصل رہے گا اور نہ وہ اس سے از سر نو نکاح کر سکے گا تا آنکہ اس عورت کا نکاح کسی دوسرے مرد سے ہو جائے اور وہ بھی اسے طلاق دے دے۔ یا صرف ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور بیوی مطلقاً حرام ہو جائے گی، اب وہ کسی دوسرے مرد ہی سے شادی کر سکتی ہے۔ لیکن امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہو سکتیں، صرف ایک رجعی طلاق واقع ہو گی، شوہر کو حق ہے کہ عدت کے دوران طلاق سے رجوع کر لے اور اگر عدت گزر چکی ہے تو وہ اس سے از سر نو نکاح کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی ایک ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

ہمارے نزدیک امام احمد بن حنبلؒ کا قول اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی ایک ایک روایت نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کے عین مطابق ہے بلکہ عقل وبصیرت کے بھی مطابق ہے۔ (فقہ القرآن ۲/ ۲۰۷)

جہالتِ عامہ میں علماء کا ساتھ: دفعۃً تین طلاق دینا جہالت کی بات ہے، لیکن ان علماءِ کرام کا رویہ افسوس ناک ہے جو اس جہالتِ عامہ میں ان کا ساتھ دے رہے ہیں، بجائے اس کے کہ انہیں یہ سمجھایا جائے کہ تم جس مقصد کے لیے تین طلاقیں دیتے ہو وہ ایک سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور یہ کلامِ الٰہی سے بہت بڑا مذاق بھی ہے۔ تین طلاقوں کو باصرار طلاق برقرار رکھنے کا فتوٰی دے کر لاتعداد نتائجِ بد کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اگر یہ تقلید کی وجہ سے ہے تو اس پر غور ہونا چاہئے اور اگر سیاسۃً مقلدین کی ہمدردیاں حاصل کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقصود ہے تو پھر یہ کوئی دینی خدمت نہیں۔

طلاق میں اختیار محدود ہے: زمانۂ جہالت میں صنفِ نازک پر ہر طرح کا ظلم وستم ڈھانا روا تھا مرد اگر خود راضی نہ رکھ سکتے تو ان کی مصنوعی غیرت یہ بھی گوارا نہ کرتی کہ وہ کسی اور کی بیوی بن کر زندگی کے دن پورے کر سکے وہ اپنے آپ کو ان گنت طلاقوں کا مالک سمجھتے تھے، طلاق دے کر جب عدت ختم ہونے پر آتی تو فوراً رجوع کر کے پھر از سرِ نو طلاق نافذ کر دیتے اس طرح یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا اور عورت بے چاری سدا معلق رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف دو مرتبہ حقِ رجوع دے کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا تین طلاقیں پوری ہو جانے کے بعد عورت شوہر کے لیے مُغلّظہ ہو جاتی ہے۔

دفعۃً تین طلاقیں دینا: بیک وقت تین طلاقیں دینا باوجودیکہ غیر مباح، ناجائز اور خلافِ قرآن وحدیث ہیں لیکن اگر کوئی یہ حماقت کر بیٹھے تو کیا تین طلاقیں نافذ ہوں گی اگر نافذ ہوں گی تو کیوں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے صاحبزادے مولانا عمر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

> ''نکاح قرآن کریم کی رو سے ایک شرعی معاہدہ ہے اس نے اسے عُقْدَةُ النِّكَاحِ (نکاح کا بندھن) اور مِيثَاقًا غَلِيظًا (مضبوط معاہدہ) قرار دیا ہے۔ قرآن کریم نے اس کی غرض وغایت اور مقصد نیز اس کا طریقہ بھی خود ہی متعین فرما دیا ہے۔ اس نے اسے بندوں کی صواب دید پر نہیں چھوڑا۔ ساتھ ہی اس نے اس بندھن کو کھول دینے، اس میثاق غلیظ کو فسخ کر دینے کا طریقہ بھی خود ہی متعین فرما دیا ہے۔ لہٰذا نہ یہ معاہدہ قرآن کریم کے مقرر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردہ طریقہ سے ہٹ کر ہوسکتا ہے، نہ اس کا فسخ قرآن کریم کے مقرر فرمودہ طریقہ سے ہٹ کر ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم نے نکاح کی غرض و غایت مرد و عورت کی عفت و عصمت کی حفاظت اور افزائش نسل قرار دیا ہے، اور اس کا طریقہ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے کم از کم دو گواہوں کے سامنے (اصالۃً یا وکالۃً) ایجاب وقبول مقرر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ یہ معاہدہ کن مردوں اور کن عورتوں میں ہوسکتا ہے اور کن کن میں نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے کسی ایک بات کی بھی خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔ کسی ایک بات کی بھی خلاف ورزی کی گئی تو وہ معاہدۂ نکاح نہیں ہوگا۔ اسے زنا کاری کہا جائے گا۔ نکاح نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح قرآن کریم نے اس کو فسخ کرنے کا طریقہ بھی خود ہی متعین فرما دیا ہے۔ اس نے فسخ معاہدہ سے پہلے تین مراحل سے گزرنا ضروری قرار دیا ہے۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد جو طریقہ قرآن کریم نے متعین فرمایا ہے، وہ یہی ہے کہ طلاق دو مرتبہ دی جاسکتی ہے اور ہر مرتبہ شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدت کے دوران رجوع کر کے یا عدت کے بعد از سر نو نکاح کر کے دستور کے مطابق چاہے تو بیوی کو روک لے اور چاہے تو نیک سلوک کے ساتھ رخصت کر دے۔ یہ دونوں طلاقیں رجعی ہی ہوسکتی ہیں۔ اگر دوسری مرتبہ طلاق دے کر بھی اس نے بیوی کو رجوع کر کے یا نکاح کر کے روک لیا تھا اور پھر تیسری مرتبہ اس نے طلاق دیدی ہے تو اب اسے رجوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر کے یا نکاح کر کے روک لینے کا حق نہیں رہا۔ اب بیوی کو حسن سلوک کے ساتھ رخصت ہی کر دینا ہوگا۔ نکاح کے معاہدہ کو ختم کرنے کا طریقہ قرآن کریم نے یہی بتایا ہے، اس معاہدہ کو اسی طرح ختم کرنا ہوگا۔"

قرآن کریم کے حکم پر ایک مرتبہ امام مالکؒ کی اس روایت کی روشنی میں دوبارہ غور فرمایئے۔

"مالک عن ہشام بن عروۃ عن عروۃ کی سند سے بیان کیا گیا ہے کہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ مرد جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا تو عدت ختم ہونے سے پہلے اس کو رجوع کر لینے کا حق ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ ایک ہزار بار طلاق دے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ یہاں تک کہ جب اس عورت کی عدت ختم ہونے کا وقت قریب آیا تو اس نے رجوع کر لیا اور پھر طلاق دیدی۔ پھر اس نے کہا بخدا میں تجھے نہ اپنے پاس آنے دوں گا اور نہ تُو کبھی میرے لیے حلال ہوگی تو اللہ نے یہ آیت نازل کی کہ طلاق (رجعی) دوبار ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد یا تو دستور کے موافق روک لو یا خوش اُسلوبی سے رخصت کر دو۔" (موطأ امام مالک باب الطلاق مرتان جلد۲)

اب آپ غور فرمائیں کہ حق تعالیٰ نے طلاق کے احکام دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (طلاق یعنی رجعی صرف دو مرتبہ ہو سکتی ہے) اور عرب میں جو یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ بے شمار مرتبہ طلاق دیتے جاؤ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رجوع کرتے جاؤ یہ طریقہ غلط ہے۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ کہ طلاق رجعی دینے کے بعد دو صورتیں ممکن ہیں، یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا خوش اُسلوبی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے، تیسری کوئی صورت جائز نہیں۔ دستور کے مطابق روک لینا تو یہ ہے کہ طلاق سے رجوع کرلو اگر طلاق سے رجوع نہیں کرتے تو ان کی عدت پوری ہو لینے دو تا کہ اس کے بعد وہ خوش اُسلوبی کے ساتھ رخصت ہو جائیں۔ (فقہ القرآن ۲/۲۱۴)

کیا قرآن نے دفعۃً کی تین طلاقوں کو تین قرار دیا ہے؟ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ کہیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ آن واحد کی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی جن آیات سے مجلس واحد کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ ط فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾ فَإِنْ

''طلاق دو بار ہے۔ تو معروف طریقہ پر روک لینا ہے یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دینا اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو، اِلَّا یہ کہ دونوں (مرد و عورت) کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو اگر (اے معاشرہ کے لوگو!) تمہیں ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ (البقرة)

گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں کہ عورت فِدیہ دیکر خُلع کرا لے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوُز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوُز کریں وہ ظالم ہیں۔ تو اگر اس نے دوبار کے بعد پھر طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔ تو اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کے لیے کوئی گناہ نہیں کہ وہ پھر سے نکاح کر لیں، اگر انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں جنہیں وہ علم رکھنے والوں کے لیے بیان فرماتا ہے۔"

دفعۃً تین طلاق کے وقوع پر استدلال کرتے ہوئے بعض مقلدین حضرات آیت کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:

> "اگر دو مرتبہ طلاق دے چکنے کے بعد فوری طور پر تیسری طلاق دے دے تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک ہی مجلس اور ایک ہی جگہ تین طلاقیں دی جائیں۔"

(عمدۃ الاثاث فی حکم الطلقات الثلاث صفحہ ۴۶)

بعض نے "مرتان" کے لفظ سے طلاق کا لفظ دہرانا یا عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دینا مراد لیا ہے اسی بنا پر طلاق، طلاق، طلاق یا تین طلاقیں کہہ دینے پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا ہے۔ (ایضاً)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم کہتے ہیں کہ "مَرَّتَانِ" کا مذکورہ مفہوم مراد لینا بالکل غلط ہے۔ اور یہ مفہوم تمام ائمۂ لغت اور تمام مفسرین کی تحقیق کے خلاف ہے۔ کیونکہ "مَرَّتَان" کا مطلب لفظ طلاق کو دہرانا نہیں بلکہ دوٌ دفعہ طلاق دینا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوٌ دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ لیکن تیسری دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ اس کا یہ مطلب کس طرح صحیح ہوگا کہ اگر کسی نے بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا تو رجوع کا حق باقی نہیں رہا۔ اور طلاق مغلّظہ ہوگئی، حالانکہ اس شخص نے ایک ہی دفعہ طلاق دی ہے۔ لفظ "مَرَّتَانِ" کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ درج ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

اوّلاً: لغتِ عرب میں "مَـرَّتَان" کا مطلب "**مَـرَّةً بَعْـدَ مَـرَّةٍ**" ہے، یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دُفعہ، نہ کہ محض لفظی تکرار۔ اور اس کی نظیریں قرآن میں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا:

﴿اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ﴾ (التوبة ۱۲۶)

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ انہیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔"

اور دوسری جگہ فرمایا گیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ (النور ۵۸)

"اے ایمان والو! تمہارے مملوک اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آیت کے بعد تین اوقات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں "ثَلَاثَ مَرَّاتٍ" (تین اوقات میں) کا مطلب الگ الگ تین اوقات ہیں، نہ کہ زمانۂ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اس سے واضح ہوا کہ "مَرَّتَانِ" میں تفریق کا مفہوم شامل ہے۔ اگر کوئی مثال اجتماع کی پیش کی جاسکتی ہے تو وہ اَعیان کی ہوگی، نہ کہ اَفعال کی۔ کیونکہ فعل میں زمانۂ واحد میں "مَرَّتَانِ" کا اجتماع ممکن نہیں۔

ثانیاً: رمی جمار کی مثال ہے۔ سات کنکریاں مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص سات مرتبہ ایک ایک کنکری مارنے کے بجائے ایک ساتھ سات کنکریاں مارے گا تو حکم کی تعمیل نہیں ہوگی۔ اور جُمہور علماء کے نزدیک ایک ہی رمی شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کہ: "میں تینتیس ۳۳ بار سُبْحَانَ اللہ کہتا ہوں۔" تو ایک ہی تسبیح شمار ہوگی، نہ کہ تینتیس ۳۳۔

ثالثاً: چار قسموں کی مثال ہے جس کا حکم لِعان کے سلسلہ میں دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص الگ الگ چار قَسمیں کھانے کے بجائے ایک ساتھ کہہ دے کہ: "میں چار قسمیں کھا کر کہتا ہوں۔" تو اس کی ایک ہی قسم شمار ہوگی، نہ کہ چار۔ ("مَرَّتَانِ" کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو علامہ ابن قیمؒ کی کتاب زاد المعاد ۴/ ۵۹)

اگر مذکورہ آیت میں مراد طلاق کا عدد ہوتا تو "مَرَّتَانِ" کی جگہ لفظ "اِثْنَتَانِ" استعمال کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ "مَرَّتَانِ" سے مراد لفظ طلاق کی تکرار یا عدد نہیں ہے بلکہ الگ الگ دو۲ دفعہ طلاق دینا ہے۔ چنانچہ امام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رازی لکھتے ہیں: «طَلِّقُوا مَرَّتَيْنِ يَعْنِي دَفْعَتَيْنِ»۔ دو مرتبہ طلاق دو، یعنی دو دفعہ طلاق دو۔ (التفسیر الکبیر ۲/۲۶۰)

اِنَّ الطَّلَاقَ الْمَشْرُوْعَ مُتَفَرِّقٌ لِاَنَّ الْمَرَّاتِ لَا تَكُوْنُ اِلَّا بَعْدَ تَفَرُّقٍ بِالْاِجْمَاعِ. (ایضًا)	مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے، کیونکہ بالاجماع ''مرات'' تفرق کے بعد ہی ممکن ہے۔

لہٰذا جب دو طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں، دو شمار نہیں ہوں گی تو تین طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں، کس طرح تین شمار ہوں گی۔

پھر جس پس منظر میں تین طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کو بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، زمانۂ جاہلیت میں بیک وقت کئی طلاقیں دینے کا رواج نہیں تھا، بلکہ بار بار طلاقیں دی جاتی تھیں اور بار بار رجوع کیا جاتا تھا۔ اس لیے ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ'' کا معہود یہی بار بار کی طلاقیں ہوگا، نہ کہ بیک وقت دی جانے والی متعدد طلاقیں۔

سورۂ طلاق میں ہدایت کی گئی ہے کہ جب طلاق دی جائے تو عدت کے لیے دی جائے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (الطلاق: ۱)	''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت کو [illegible]

لِعِدَّتِهِنَّ عدت کے لیے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دی جائے جبکہ عدت کا آغاز ہو سکے۔ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے، وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدت کا لحاظ نہیں کرتا، کیونکہ پہلی طلاق دیتے ہی عدت شروع ہو گئی، لیکن دوسری اور تیسری طلاق میں عدت کا لحاظ نہیں رہا۔ حالانکہ ہر طلاق کے لیے عدت کا لحاظ ضروری ہے۔ قرآن نے نہ صرف یہ حکم دیا ہے کہ عدت کا لحاظ کر کے طلاق دی جائے بلکہ عدت کے اندر رجوع کرنے کا بھی حق دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (البقرة)

''جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آ جائے تو بھلے طریقہ سے انہیں روک لو یا بھلے طریقہ سے رخصت کرو۔''

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدت پوری ہو رہی ہو تو بھلے طریقہ پر روکا جا سکتا ہے، یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، کس نے ساقط کیا؟ اگر کوئی نص موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ تیسری دفعہ کی طلاق سے پہلے عدت کے اندر مرد کو رجوع کا حق ہے۔ لہٰذا بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر تیسری دفعہ کی طلاق دو دفعہ دی ہوئی طلاق رجعی کے بعد ہی واقع ہوتی ہے، نہ کہ بیک وقت۔ اللہ نے الگ الگ طلاقیں دینے ہی کا اختیار مرد کو دیا ہے، جیسا کہ ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ'' سے ظاہر ہے۔ لہٰذا جب جمع کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا تو آنِ واحد میں دی جانے والی تین طلاقیں کس طرح تین واقع ہوں گی؟

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ''اِیْلَاءَ'' (بیوی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیحدہ رہنے کی قسم کھانا) کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ؕ﴾ (البقرة ۲۲۸) ''مطلقہ عورتیں اپنے کو تین حیض تک روکے رکھیں۔''

اور اسی سیاق میں فرمایا:

﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا ؕ﴾ (البقرة ۲۲۸) ''ان کے شوہر تعلقات درست کرنے پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدت کے دوران انہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لینے کے حقدار ہیں۔''

معلوم ہوا کہ اِیلاء میں بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

دوسری مثال ظِہار کی ہے۔ یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا، زمانۂ جاہلیت میں اسے طلاق بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قطع تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ظہار کے بعد رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ﴾ (المجادلة ۲) ''یہ لوگ ایک منکر اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔''

ظہار کو منکر اور زُور قرار دینے کے باوجود اس کا صرف کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی ظہار کو طلاق نہیں ٹھہرایا اور جاہلیت کے اس رواج کو کہ بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کی صورت میں وہ ابدی طور پر شوہر کے لیے حرام ہو جاتی ہے، باطل قرار دیا۔

اب زیر بحث مسئلہ کو لیجئے، کیا بیک وقت تین طلاق کے الفاظ ادا کرنے پر طلاق مغلّظہ کا حکم لگانا، ایلاء اور ظہار سے بھی شدید قرار دینے کے مترادف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے؟ دراں حالیکہ اس شدت کے لیے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

الغرض مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا تین واقع ہونا قرآن کی کسی نص سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ صریح طور سے قرآں میں کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ آنِ واحد کی تین طلاقیں تین واقع ہوں گی۔ رہا نصوص قرآن کی تعبیر کا مسئلہ تو دلائل مذکورہ کی بنا پر یکجا طور پر دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا ہی قرآں سے زیادہ مناسب رکھنے والی بات ہے۔

علامہ سندھی حنفی فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ تَعَالٰی: «اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ» اِلٰی قَوْلِهٖ «وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا» فَاِنَّ مَعْنَاهُ التَّطْلِیْقُ الشَّرْعِیُّ تَطْلِیْقَةً بَعْدَ تَطْلِیْقَةٍ عَلَی التَّفْرِیْقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَّلَمْ یُرِدْ بِالْمَرَّتَیْنِ التَّثْنِیَةَ وَمِثْلُهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰی: «ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ». اَیْ کَرَّةً بَعْدَ کَرَّةٍ لَا کَرَّتَیْنِ اِثْنَتَیْنِ.

یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طلاق متفرق طور پر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہونی چاہیے، نہ کہ ایک ہی بار اکٹھا۔ "مَرَّتَیْنِ" سے مراد تثنیہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت "ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ" میں ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ نظر اٹھا کر دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(حاشیة سنن النسائی ۲ / ۸۱، مطبع انصاری دهلی)

مولانا شیخ محمد تھانویؒ، مولانا اشرف علیؒ صاحب کے استاذ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں تقریباً یہی لکھا ہے اور اسی معنی کی تعیین و تائید کی ہے۔ فرماتے ہیں:

اِنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰی: «اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ»، مَعْنَاهُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ فَالتَّطْلِیْقُ الشَّرْعِیُّ عَلَی التَّفْرِیْقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز لغتِ عرب بلکہ تمام زبانوں میں ''مرتان'' (دو بار) کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسی شئ کا وقوع ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ ہو، نہ کہ ایک ہی آن اور وقت میں دو بار۔ اب اگر کوئی اپنی منکوحہ کو بیک وقت کہہ دے ''تم کو طلاق، طلاق، طلاق'' یا ''تم کو تین طلاق'' تو اس پر طلاق مغلظہ کا حکم لگا دینا اور یہ کہنا کہ اس کو رَجعت کا حق واختیار نہیں، کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ حالانکہ اس نے صرف لفظ طلاق کا اعادہ کیا ہے نہ کہ اِیقاعِ طلاق کا۔ کیونکہ کسی فعل کا ایک ہی آن اور وقت میں دو بار واقع کرنا محال ہے۔ پس جب دو بار طلاق کا ایک ہی آن میں واقع کرنا محال ہے اور ایک آن میں صرف ایک ہی واقع کی جاسکتی ہے تو تین تو بدرجۂ اَولیٰ محال ہوں گی۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی آیت ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ'' کے تحت لکھتے ہیں:

وَكَانَ الْقِيَاسُ اَن لَّا تَكُوْنَ الطَّلْقَتَانِ الْمُجْتَمِعَتَانِ مُعْتَبَرَةً شَرْعًا وَاِذَا لَمْ يَكُنِ الطَّلْقَتَانِ الْمُجْتَمِعَتَانِ مُعْتَبَرَةً لَمْ يَكُنِ الثَّلَاثُ الْمُجْتَمِعَةُ مُعْتَبَرَةً بِالطَّرِيقِ الْاَوْلٰى لِوُجُوْدِهِمَا فِيْهَا مَعَ زِيَادَةٍ. (تفسیر مظہری ۱/۳۰۰)

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مجموعی طور پر دی گئی دو طلاقیں معتبر نہ ہوں اور جب اکٹھا دو طلاقیں معتبر نہ ہوں گی تو تین اکٹھی کا تو بدرجۂ اَولیٰ اعتبار نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ وہ دونوں مع ایک زائد کے تین کے اندر موجود ہیں۔

آیتِ طلاق پر غور کرنے سے کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔ بلکہ اس کے برعکس اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق اکٹھا نہیں دینی چاہئے۔ اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدود اللہ کو توڑ کر حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔ جب تین طلاق کا اکٹھا دینا ہی نصِ قرآنی کے خلاف ہے تو اس کا اعتبار کرنے کے بجائے اسے قرآنی حکم کی طرف لوٹا کر ایک ہی مانا جائے گا۔

لفظ ''مرتان'' کی مذکورہ تفسیر علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی (مدارک التنزیل ۲/ ۱۷۷) مولانا عبدالحق صاحب اِکلیل (اکلیل علیٰ مدارک التنزیل کشوری ۲/ ۱۷۱) علامہ انور شاہ صاحب کشمیری (فیض الباری ۴/ ۳۱۱) وغیرہُم نے بھی کی ہے۔ جن کی عبارتیں اور ان کے ترجمے طوالت کے خوف سے حذف کئے جا رہے ہیں۔ البتہ آخر میں علامہ ابوبکر جصّاص رازی کی یہ تشریح ملاحظہ کے لیے نقل کی جاتی ہے، فرماتے ہیں:

إِنَّ الْأٰيَةَ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" تَضَمَّنَتِ الْأَمْرَ بِإِيْقَاعِ الْاِثْنَتَيْنِ فِيْ مَرَّتَيْنِ فَمَنْ أَوْقَعَ الْاِثْنَتَيْنِ فِيْ مَرَّةٍ فَهُوَ مُخَالِفٌ لِّحُكْمِهَا.

(احکام القرآن ۱/ ۳۸۰)

یعنی آیت ''الطلاق مرتان'' دو طلاق، دو بار، دو طہروں میں واقع کرنے کے امر کو شامل ہے، لہٰذا جو شخص دو طلاق بیک دفعہ یعنی ایک طُہر میں دیتا ہے وہ حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ''مرتان'' کہا، اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا۔ یعنی دو۲ رجعی طلاقوں کا ذکر پہلے کیا پھر تیسری بائنہ کا ذکر آخر میں۔ اس سے متفرق مدتوں میں طلاق دینے کے ساتھ پہلی دو۲ طلاقوں کے رجعی ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

نیز عربی زبان بلکہ دنیا کی کسی بھی زبان میں آپ اگر کہیں کہ ''میں نے یہ کام تین مرتبہ کیا''۔ تو اس سے تین مرتبہ الگ الگ کام کرنا مراد ہو گا۔ مثلاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اذان دیتے وقت ''اللہ اکبر'' چار مرتبہ دہرانے کے بجائے پہلی ہی بار کہہ دیں ''اللہ اکبر اربع مرات'' تو اس سے اذان پوری نہ ہوگی جب تک کہ چار مرتبہ اسی کلمہ کو نہ دہرائیں، یا مثلاً نماز کے بعد تسبیحات پڑھتے وقت اگر آپ کہیں ''سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ، اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ، تو اس سے تسبیحات کی تعداد سو پوری نہ ہوگی اور نہ حدیث پر عمل ہو سکے گا۔

یہ سب اعمال قولی تھے۔ جب یہ اپنی مطلوبہ تعداد پوری کیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے تو طلاق ولعان وغیرہ جو سراسر قولی ہیں، کیسے پورے ہو جائیں گے۔

لِعان اور طلاقِ زوجین کی تفریق کے اعتبار سے حکماً ایک ہی جیسے ہیں اور لعان والی آیت میں ﴿فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ⑦﴾ اس جگہ شہادت کا عمل پانچ بار کہے جانے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، تو پھر طلاق کو اس اصول سے کیسے الگ کیا جا سکتا ہے؟

حضرت مولانا خواجہ حافظ محمد قاسم رحمہ اللہ مندرجہ ذیل آیت تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ⑳﴾ (البقرة)

''اس میں صراحت ہے کہ تینوں طلاقیں قرآن کی رُو سے الگ الگ ہیں، ''فَإِنْ طَلَّقَهَا'' کی فاء سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ صرف ترتیب کے لیے ہے۔ اگر اسے تعقیب بلا مُہلہ یعنی فی الفور تیسری طلاق کے لیے سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص دیر بعد تیسری طلاق دے۔ اس کی طلاق، طلاقِ بتّہ نہ سمجھی جائے اور اسے تحلیل کی ضرورت بھی نہ ہو۔ نصوصِ صریحہ کے ہوتے ہوئے گرائمر کی شعبدہ بازیوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ عادتیں اہلسنت کو نہیں، منکرین حدیث کو زیب دیتی ہیں۔ لفظ مرہ کا اقتضاء یہی ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ایک ہی طلاق کا مالک ہو۔ کہنے کو تین کیوں نہ کہہ دے۔ شمار ایک ہی ہونا چاہیے۔ جیسے یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی کہے ''تجھے ہزار طلاق'' صرف اتنی واقع ہوں گی جتنی کا وہ مالک ہے باقی لغو ہوتی ہیں۔ اسی طرح بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ ایک وقت میں آدمی مالک ہی ایک کا ہے۔''

علامہ زمخشری فرماتے ہیں:

«وَلَمْ يُرِدْ بِالْمَرَّتَيْنِ التَّثْنِيَةَ وَلٰكِنَّ التَّكْرِيرَ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾. اَیْ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ. (کشاف ۱/۲۷۳)

کرّتین کی طرح مرتان کا معنی بھی دو عدد نہیں بلکہ دو بار یعنی ایک کے بعد دوسری مراد ہے۔

ابوبکر جصاص حنفیؒ فرماتے ہیں:

«اِنَّهٗ قَالَ: «اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ» وَذٰلِكَ يَقْتَضِي التَّفَرُّقَ لَا مَحَالَةَ فَاِنَّهٗ اِنْ طَلَّقَ اثْنَيْنِ مَعًا لَمَا جَازَ اَنْ يُّقَالَ اِنْ طَلَّقَهَا مَرَّتَيْنِ.

(احکام القرآن ۱/۳۷۸)

''فرمانِ الٰہی الطلاق مرتان ہے اور یہ لازماً الگ الگ کو چاہتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اگر کوئی شخص اکٹھی دو طلاقیں دے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے دو بار طلاق دی۔''

ابن حبان فرماتے ہیں:

فَإِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلاَثًا فَهٰذَا لَفْظٌ وَاحِدٌ وَمَدْلُوْلُهٗ وَاحِدٌ. وَالْوَاحِدُ يَسْتَحِيلُ أَنْ يَّكُوْنَ ثَلاَثًا أَوِ اثْنَيْنِ. (بحر المحیط ۲/۱۹۲)

''جب کوئی کہتا ہے کہ تجھے تین طلاق۔ تو یہ ایک لفظ ہے لہٰذا اس کا معنیٰ بھی ایک ہی ہے کیونکہ ایک کا تین یا دو ہونا محال ہے۔''

لفظ مرتان پر بعض نے اعتراض کیا ہے کہ اس کے لیے دو متفرق اوقات ہونا ضروری نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صٰلِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ (الاحزاب)

''اور جو کوئی تم (ازواج مطہرات) میں سے اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے ہم اسے دوگنا اجر دیں گے۔''

نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

«ثَلاَثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ». تین قسم کے لوگوں کو دوگنا ثواب ملے گا۔

ظاہر ہے ان مثالوں میں اجر کے متعلق مرتین کا اطلاق ایک وقت میں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ایک لفظ کے مفہوم میں استعمال کو بھی دخل ہوتا ہے۔ اسی طرح مرتین یا مرات کو لیجئے۔ اگر یہ صیغے کسی عینی چیز کے متعلق استعمال ہوں۔ تو ایک ہی زمانہ میں پایا جانا ممکن ہوتا ہے جیسے شق قمر کے بارے میں مروی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنْشَقَّ الْقَمَرُ بِمَكَّةَ مَرَّتَيْنِ. مکہ میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

(ترمذی تفسیر سورة قمر)

یہاں دو مرتبہ کا معنی غلط ہو گا۔ پیش کردہ دونوں حوالے بھی اسی قبیل سے ہیں، اور اگر ان صیغوں کا استعمال کسی فعل کے سرزد ہونے سے متعلق ہو تو اس کا ایک زمانہ میں واقع ہونا ناممکن ہوتا ہے۔

جیسے فرمایا:

﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ﴿١٠١﴾﴾ (التوبة) ''ہم انہیں دوبارہ عذاب کریں گے۔''

یا جیسے فرمایا:

﴿أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ﴿١٢٦﴾﴾ (التوبة) ''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ انہیں سال میں ایک بار یا دو بار آزمایا جاتا ہے۔

کیونکہ ایک وقت میں ایک ہی فعل پایا جا سکتا ہے۔ تو پھر ایک وقت میں متعدد طلاقیں کیسے ممکن ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا، قرآن وسنت میں جہاں کہیں بھی کسی کام کو چند بار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ایک ہی دفعہ کر دینے سے ادا ہو جائے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

لِعان: مثلاً لِعان کے متعلق حکم ہے جانبین سے چار چار دفعہ اپنی صفائی پر قسمیں لی جائیں۔ اب ان میں سے کوئی کہے میں چار دفعہ خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں۔ تو یہ گواہی بالاتفاق غیر معتبر ہو گی۔

اقرار کے متعلق حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

«قَوْلُهُ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ سَلَّمْتُ ثَلَاثًا أَوْ أَقْرَرْتُ ثَلَاثًا أَوْ نَحْوَهُ مِمَّا لَا يُعْقَلُ جَمْعُهُ». (زاد المعاد ٥٩/٤)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''کسی کا یہ کہنا کہ میں نے اسے تین طلاقیں دیں بالکل ایسے ہی ہے جیسے وہ کہے میں نے تین دفعہ سلام کہا یا تین دفعہ اقرار کیا وغیرہ کہ جن میں جمع عقلاً محال ہے۔''

بعض نے عُرفِ عام کے ساتھ اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کیونکہ عام لوگ کہا کرتے ہیں میں نے سو دفعہ اقرار کیا، یا فلاں کو لاکھوں سلام۔ نیز یہ کہا ہے اقرار بالزنا پر قیاس صحیح نہیں، اس لیے کہ وہ حدود کی مد میں داخل ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ جواب ہوا ہی نہیں۔ عُرفاً اگر ایک بات کو ایک بار کہہ کر جمع کا ہندسہ بول دیا جائے تو یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اتنی دفعہ کہا یا اتنی بار کیا اس مقام پر مرتین یا مرات کی بحث ہو رہی ہے۔ اقرار بالزنا کا جواب کسی صورت نہ بن سکا تو کہہ دیا یہ حدود کی مد میں داخل ہے اس لیے اس پر قیاس درست نہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ کیا طلاق کا معاملہ یوں ہی سمجھ رکھا ہے؟ اس کے متعلق بھی تو آتا ہے ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ (البقرہ) کیا یہ حدود ان حدود کی نسبت غیر اہم ہیں؟ یہاں احتیاط کی ضرورت نہیں؟ بلکہ اَحْلِفُ بِاللّٰهِ ثَلَاثًا کہنا خود حنفیہ کے نزدیک ایک قسم ہے جب کہ یہاں حدود کا بھی کوئی چکر نہیں۔

علامہ قُرطبیؒ اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کے حق میں دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَلَوْ قَالَ الْوَلِيُّ: اَنْكَحْتُكَ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَ فِيْ كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ انْعَقَدَ. كَمَا لَوْ قَالَ اَنْكَحْتُكَ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ وَهٰذِهٖ، وَكَذَا فِي

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْعِتْقِ وَالْإِقْرَارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَحْكَامِ. (فتح الباری ۲۹۲/۹)

''اگر ولی بیک کلمہ یہ کہے کہ میں نے ان تینوں لڑکیوں کا نکاح تجھ سے کر دیا تو یہ منعقد ہو جائے گا جیسے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے نکاح کر دیا تجھ سے اس کا اور اس کا اور اس کا، اسی طرح غلام آزاد کرنے اور اقرار وغیرہ کے مسائل کا حکم ہے۔''

یہ قیاس یا یہ دلیل تب صحیح ہوتی اگر مسئلہ زیر غور یہ ہوتا کہ آیا ایک کلمہ سے یا ایک مجلس میں تین عورتوں کو طلاق دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ اس کے بجائے مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ کیا ایک کلمہ سے ایک عورت کو تین طلاقیں دی جا سکتی ہیں یا نہیں۔

ایک تیر سے دو (یا تین) شکار کرنا اور ایک شکار پر دو (یا تین) تیر چلانا۔ ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔ متعدد میتوں پر ایک نماز جنازہ پڑھنا اور ایک میت پر متعدد نماز ہائے جنازہ پڑھنا...... **بَيْنَهُمَا بَوْنٌ بَعِيْدٌ**......

تسبیحات وغیرہ: ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«مَنْ قَالَ فِي يَوْمٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ».

جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہے گا اس کے کل گناہ مٹا دیے جائیں گے۔ خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

اب اگر وہ کہتا ہے ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ'' سب کے نزدیک ایک ہی تسبیح شمار ہوگی۔ نیز جیسے آپ ﷺ کا فرمان ہے: ہر نماز کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہا کرو۔ یہاں بھی اگر ہم شارٹ ہینڈ کا تجربہ شروع کر دیں تو نتیجہ ظاہر ہے۔ بلکہ نماز جس کے لیے پانچ مختلف اوقات مقرر ہیں اگر ہم ایک وقت میں پانچوں پڑھنے لگیں یا ایک نماز میں پانچوں کی نیت کرلیں تو کیا ادا ہو جائیں گی۔ ہرگز نہیں۔ مناسکِ حج کے سلسلہ میں امام مالکؒ اور جمہور علماء کے نزدیک بھی بیک وقت سات کنکریاں مارنا ایک جمرہ کے برابر ہے۔ اسی طرح طواف وسعی ایک بار سات شمار نہیں ہوں گے، ایک ہی طواف، ایک ہی سعی شمار ہوگی۔

آپ کسی کے مکان پر جا کر ایک دفعہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے بیس کا ہندسہ بولیں، تو کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے بیس دفعہ دروازہ کھٹکھٹایا ہے اور آیت:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۝﴾ (النور)

''اے ایمان والو! چاہئے کہ (گھر میں آنے کی) اجازت مانگیں تم سے تمہارے غلام اور تمہارے بچے (دن میں) تین بار۔''

میں مرات کے مفہوم کا مختلف اوقات میں پایا جانا بہت ہی عیاں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں طلاق جیسی مبغوض چیز کو ان احکام پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ اہل قیاس کی طرف سے قیاس کی مخالفت عجب شے ہے۔ کچھ بانٹنا چاہئے مگر ان کا اعتبار نہیں جہاں مقصد حل ہوتا نظر آتا ہے قیاس کر لیتے ہیں جہاں ذرا ضعف پہنچتا ہے، تاویل کر ڈالتے ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کی ایک تسبیح ''سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ''. (ترمذی) اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس کی مخلوق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی گنتی کے برابر) پر قیاس انہیں پسند آ گیا ہے جو ان گنت عدد پر محتوی ہے۔ حالانکہ دیکھا جائے تو یہ بھی ایک ہی تسبیح ہے گو اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ میرے بھائی جہاں تعداد شرعاً مقرر ہو وہاں اتنی ہی ادائیگی سے کام بنتا ہے کم پر ہرگز نہیں۔ نیز تفصیلی عمل اور ٹوٹل میں بھی فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔

بات درحقیقت اچھے یا برے ہونے کی نہیں، لفظ ''مرہ'' کے استعمال کی ہے۔ اور اگر اس بات کا احساس ہے کہ طلاق واقعی بہت بُری چیز ہے تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اسے کم از کم قبول کیا جائے نہ کہ زیادہ سے زیادہ۔ اور فقہ کا تقاضا یہ ہے کہ طلاقیں مختلف اوقات میں دی جائیں نہ کہ بیک وقت۔ یہاں نہ جانے ان فقہاء کی فقہ کو کیا ہو گیا ہے۔ جس طرح عیسائیوں نے ایک خدا کے تین خدا یا اہل تقلید نے ایک مذہب کے چار مذہب بنا دیے۔ انہوں نے ایک دفعہ کی طلاق کو طلاقہائے ثلاثہ میں تبدیل کر دیا۔

﴿لَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ اِنْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ﴾ (النساء)

اضافہ: پھر آگے فرمایا:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ اَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ (البقرۃ)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پس پہنچیں اپنی عدت کو تو انہیں اچھی طرح رکھ لو، یا عزت سے رخصت کر دو۔''

اذا کی عمومیت بتلا رہی ہے کہ تین مستثنیٰ شکلوں کے ماسوا جب تم طلاق دو تو صورت حال یہ ہو گی اس میں بیک وقت تین کی تخصیص ہماری طرف سے اضافہ ہو گا۔ (تین طلاقیں صفحہ ۱۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عمر احمد عثمانی ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ہم پہلے قرآن کریم کی آیتِ کریمہ پر غور کریں گے کیونکہ وہی اصل چیز ہے، آپ دیکھ چکے ہیں کہ ''مَرَّتَانِ'' کا لفظ (خود فقہائے حنفیہ کے اعتراف کے مطابق) فاصلہ اور وقفہ کا متقاضی ہے، ہر طلاق کے درمیان کافی فاصلہ اور مدت ہونی چاہئے۔ ''مَرَّتَانِ'' کا لفظ ''مَرَّۃ'' کا تثنیہ ہے جس کا ترجمہ دو بار۔ دو مرتبہ ہو، یہ لفظ ہمیشہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب آپ کوئی کام کریں، اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں، کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد دوسری مرتبہ آپ پھر وہی کام کریں اور پھر اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں۔ ہم روز مرہ یہ لفظ اپنی زبان میں بھی انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں۔ ''میں تمہارے ہاں دو مرتبہ گیا مگر تم نہیں ملے''۔

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ گیا، تم نہیں ملے۔ پھر واپس چلا آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ گیا مگر تم پھر بھی نہیں ملے اور مجھے ناکام واپس آنا پڑا۔ اس کا مادہ ہی مر ہے جس کے معنی گزر جانے، اور رفت وگزشت ہو جانے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ میں تمہارے ہاں گیا اور دو مرتبہ تمہیں پکار کر چلا آیا۔ ①

① ایک ہی بار ایجاب وقبول سے نکاح قائم ہو جاتا ہے اور ایک ہی طلاق سے نکاح ختم ہو جاتا ہے اگر کوئی کہے، میں نے قلم خریدا، میں نے قلم خریدا، میں نے قلم خریدا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس نے تین بار قلم خریدا، یا تین قلم خریدے، اگر کوئی تین بار اقرار کرے کہ میں نے قتل کر دیا۔ قتل کر دیا، قتل کر دیا، تو اس پر قتل کے تین مقدمے نہیں چلائے جاتے کہ اس نے تو تین قتل کیے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مَرَّتَانِ" کا لفظ قرآن کریم میں اور بھی کئی جگہوں پر آیا ہے، مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔"

﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآئِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿٤﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ...... ﴿٥﴾﴾

"اور (دیکھو) ہم نے کتاب میں (یعنی تورات میں) بنی اسرائیل کو اس فیصلہ کی خبر دیدی تھی کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فتنہ وفساد پھیلاؤ گے اور بڑی ہی سخت درجہ کی سرکشی کرو گے۔ پھر جب ان دو وقتوں میں سے پہلے وقت آ گیا تو (اے بنی اسرائیل!) ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیئے جو بڑے ہی قوت وسطوت والے تھے...... الخ۔"

محققین کا بیان ہے کہ یہاں کتاب سے مراد یسعیاہ، یرمیاہ اور حزقیل کے صحیفے ہیں جن میں بنی اسرائیل کے دو بڑے فسادوں اور دو بڑی بربادیوں کی خبر دے دی گئی تھی۔ پہلی بربادی بابل کے بادشاہ بنوکدنذر (بُخت نَصر) کے حملہ سے ہوئی اور دوسری رومیوں کے حملے سے جوٹیٹس کی زیر قیادت ہوئی تھی۔ (ترجمان القرآن مولانا آزاد۲/۳۴۶)

یہاں "مَرَّتَيْنِ" (دو مرتبہ) کے درمیان صدیوں کا وقفہ اور فاصلہ ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں جب انہیں نبوت عطا فرمائی گئی اور اللہ نے ان سے کلام فرمایا تو منجملہ دیگر باتوں کے یہ بھی فرمایا گیا تھا:

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىٓ ﴿٣٧﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰىٓ ﴿٣٨﴾﴾

"اور (اے موسیٰ!) ہم تجھ پر ایک مرتبہ اور بھی احسان فرما چکے ہیں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ہم نے تمہاری ماں کے دل میں بات ڈال دی تھی جو (اب) وحی کی جا رہی ہے۔"

اس کے بعد تفصیل سے وہ واقعہ بتایا گیا ہے کہ تمہاری ماں نے ہماری وحی کے مطابق تمہیں ایک صندوق میں ڈال کر دریائے نیل کے حوالہ کر دیا تھا۔ اور وہ صُندوق فرعون کے محل سے جا لگا۔ صُندوق نکالا گیا تو تم برآمد ہوئے اور کس طرح فرعون کے محل میں تمہاری پرورش کرائی گئی..... الخ۔ واقعہ مشہور ہے اس لیے ہم تفصیلات حذف کر رہے ہیں۔ بہرحال کوہِ طور پر مدین سے واپس آتے ہوئے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ ایک احسان تو یہ تھا اور دوسرا احسان اس سے بہت پہلے آپ کی پیدائش کے فوراً بعد ہو چکا تھا۔ جسے اس آیت میں "مَرَّةً اُخْرٰی" (دوسری مرتبہ کا احسان) فرمایا گیا ہے۔ ان دونوں احسانات میں کم از کم چالیس سال کا وقفہ اور عرصہ ہے۔

علاوہ ازیں سورۂ توبہ میں منافقین مدینہ کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ (۱۰۱)﴾

"اور مدینہ والوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو نفاق پر جمے ہوئے ہیں۔ (اے پیغمبر!) آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں ہم انہیں دومرتبہ عذاب دیں گے۔ پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔"

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ہمارے مفسرین نے بتایا ہے کہ ان منافقین کو ایک مرتبہ عذاب تو اسی دنیا میں ذلت و رسوائی کی صورت میں دیا جائے گا اور دوسری مرتبہ مرنے کے بعد قبر میں یا عالمِ برزخ میں عذاب دیا جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد جہنم میں بڑے عذاب کی طرف وہ لوٹا دیئے جائیں گے۔

یہاں مجھے اس تفسیر کی صحت اور سقم سے بحث نہیں بلکہ بتانا صرف یہ ہے کہ عام مفسرین کی تفسیر کے مطابق بھی ان دنوں عذابوں میں کافی وقفہ اور فاصلہ موجود ہے۔ منافقین ہی کے سلسلہ میں سورۂ توبہ ہی میں ذرا آگے چل کر فرمایا گیا ہے:

﴿اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿١٢٦﴾﴾

''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ انہیں ہر سال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈال دیا جاتا ہے لیکن پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ کے مطابق منافقین کو تنبیہ واعتبار کے لیے ہر سال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ جن مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا تھا ان میں لازماً ایک سال کا (سال میں ایک مرتبہ) یا چھ سات ماہ کا عرصہ (سال میں دو مرتبہ) ہوتا تھا۔ یہ وقفہ اور عرصہ بھی کافی ہوتا ہے۔ بہرحال مذکورہ بالا آیات سے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے ''مَرَّتَانِ'' (دو مرتبہ) کا مفہوم کیا ہوتا ہے؟ اور کیا ہونا چاہئے؟

مزید تسلی کے لیے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے استاذ مولانا شیخ محمد تھانویؒ کا ارشاد بر حاشیہ نسائی شریف ۲/۲۹ اور اسی صفحہ پر علامہ سندھی حنفیؒ کی تصریح۔ (نسائی شریف ۲/۲۹) علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفیؒ کی تصریح (مدارک التنزیل ۲/۱۷۷) اور مولانا عبدالحقؒ کی تصریح۔ (اِکلیل علیٰ مدارک التنزیل ۲/۱۷۱) اور علامہ انور شاہ کشمیری کی تصریح۔ (فیض الباری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح صحیح بخاری ۴/ ۳۸) ملاحظہ فرمائیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس موضوع پر ہمیں زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ "مَرَّتَانِ" کے سلسلہ میں ہمارے فقہاء نے (بجز امام شافعیؒ کے) وقفہ اور عرصہ کی ضرورت کو تسلیم فرمایا ہے۔ نیز سب نے یہ بھی تسلیم فرمایا ہے کہ بہ یک وقت تین طلاقیں دیدینا ناجائز، بدعت اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ آپ یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ صحابہؓ کرام میں ایک رجعی طلاق سے زیادہ طلاق دینے کا دستور نہیں تھا۔ وہ صرف ایک ہی طلاق دیا کرتے تھے۔ (ہدایہ ۱/ ۳۵۴۔ فقہ القرآن ۲/ ۲۱۰)

مولانا محمود الحسنؒ: مولانا محمود الحسنؒ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

> "طلاق رجعی ہے دو بار تک؛ اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح۔"

ترجمہ سے ثابت ہوا کہ مولانا کے نزدیک "مَرَّتَانِ" کا معنی د۲و طلاق نہیں بلکہ د۲و دفعہ الگ الگ اس کا مفہوم ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا ثبوت احادیث میں

اب وہ احادیث ملاحظ فرمائیں جن میں دفعتہً دی گئی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا گیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيْدَ أَخُوْ بَنِيْ مُطَّلِبٍ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِيْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيْدًا. قَالَ: فَسَأَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟» قَالَ: طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا. قَالَ: فَقَالَ فِيْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ. قَالَ فَرَاجَعَهَا. فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَرٰى أَنَّمَا الطَّلَاقُ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ.

(مسند احمد ۱/۲۶۵)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رُکانہ بن عبد یزید، بنی مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو بیوی کی جدائی کا ان کو بڑا غم ہوا تو اُن سے رسول ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کیسے طلاق دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں آپ ﷺ نے پوچھا ایک ہی مجلس میں؟ رُکانہ نے کہا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو یہ ایک ہی ہوئی تم اگر چاہو تو اسے لوٹا لو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ ... کہ رُکانہ نے اس کو لوٹا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلاق ہر طہر پر دینی چاہیے۔

یہ حدیث اپنے باب میں بالکل واضح ہے اور رسول اللہ ﷺ کا خود اپنا فیصلہ ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے۔ اور پھر آپ نے ان کو رجوع کرنیکا اختیار دے دیا اس لئے ان لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ دفعۃً تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں یہ حدیث صحیح ہے اور اپنے مفہوم میں بھی بالکل واضح ہے۔ لے دے کے اس پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ تو یہ کہ راوی محمد بن اسحاق کو تدلیس کی عادت ہے لیکن اسکا حدثنی کہنا اس وہم کو ختم کر دیتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے داؤد سے خود سن کر یہ حدیث بیان کی ہے حاکم نے مستدرک میں یہ روایت لا کر اس کی سند کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ نیل الاوطار (جلد۲) میں ہے:

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْيَعْلٰى وَصَحَّحَهُ. اسے روایت کیا احمدؒ نے اور ابویعلی نے اور صحیح کہا ہے۔

ترمذی میں جو روایت آئی ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی بیٹی زینبؓ، ابوالعاصؓ بن ربیع کو اسلام لانے کے چھ سال بعد بلا تجدید نکاح میں لوٹا دی تھی (بَابُ مَا جَآءَ فِي الزَّوْجَيْنِ الْمُشْرِكَيْنِ يُسْلِمُ اَحَدُهُمَا) اسی سند سے مروی ہے۔ اس سند کو ائمہ نے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذیؒ نے کہا ہے: ''لَيْسَ بِاِسْنَادِهٖ بَاْسٌ''. ابن کثیرؒ نے ''ارشاد'' میں کہا ہے: ''هُوَ حَدِيْثٌ جَيِّدٌ قَوِيٌّ''. مزید سنیے:

اِبْنُ اِسْحَاقَ اِنَّمَا يُتَّهَمُ بِالتَّدْلِيْسِ اِذَا عَنْعَنَ فَقَطْ وَاِلَّا فَهُوَ اِمَامٌ ثِقَةٌ. ابن اسحٰق جب روایت معنعن بیان کریں تو صرف اس وقت ان پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(تعلیقات بلوغ المرام از علامہ محمد الفقی ازہری رقم ۱۱۰۷ صفحہ ۲۱۵)

تدلیس کا الزام آتا ہے۔ ورنہ ویسے وہ ثقہ امام ہیں۔

علامہ احمد محمد شاکر نے بھی قصہ رُکانہ کے متعلق کہا ہے: "اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ"۔ (تعلیق مسند احمد ج ۴ صفحہ ۱۲۳)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيْثُ قَالَ فِيْهِ ابْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي دَاوُدُ، وَدَاوُدُ مِنْ شُيُوْخِ مَالِكٍ وَرِجَالِ الْبُخَارِيِّ، وَابْنُ إِسْحَاقَ إِذَا قَالَ: حَدَّثَنِي فَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ وَهٰذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ. (فتاوی ۳۳/۸۵)

اس حدیث میں ابن اسحٰق نے حدثنی داوٗد کہا ہے۔ داوٗد: امام مالک کے استاد اور بخاری کے راوی ہیں۔ ابن اسحٰق جب حدثنی کہے تو وہ اہلحدیث کے نزدیک ثقہ ہے اور یہ اِسناد عُمدہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَإِنَّ الْأَئِمَّةَ قَبِلُوْا حَدِيْثَهُ.

(القول المسدد، ص ۴۷)

ائمہ نے اس کی حدیث کو قبول کیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيْثُ نَصٌّ فِي الْمَسْأَلَةِ لَا يَقْبَلُ التَّأْوِيْلَ. (فتح الباری، ۹/۲۹۰)

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے اور یہاں تاویل کی گنجائش نہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابْنُ إِسْحَاقَ مِنَ الثِّقَاتِ الْكِبَارِ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ. (عُمدة القاری)

جُمہور کے نزدیک ابن اسحٰق: ثقہ راویوں میں سے ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَالَّذِیْ یَظْهَرُ لِیْ اَنَّ ابْنَ اِسْحَاقَ حَسَنُ الْحَدِیْثِ، صَالِحُ الْحَالِ، صَدُوْقٌ. (میزان الاعتدال ۳/۴۷۵)

مجھے تو یہی بات معلوم ہے کہ ابن اسحٰق حدیث کے معاملہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک اور راست باز ہے۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں:

اَمَّا ابْنُ اِسْحَاقَ فَثِقَةٌ، ثِقَةٌ، لَا شُبْهَةَ عِنْدَنَا. (فتح القدیر ۱/۱۸۱)

ابن اسحٰق بلا شبہ وہ ہمارے نزدیک ثقہ ہے، ثقہ ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْحَقُّ فِی ابْنِ اِسْحَاقَ هُوَ التَّوْثِیْقُ. (سعایة)

صحیح بات یہ کہ ابن اسحٰق ثقہ ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی جرح کے متعلق ابن ہمام لکھتے ہیں:

وَمَا نُقِلَ عَنْ مَالِكٍ لَا یَثْبُتُ وَلَوْ صَحَّ لَمْ یَقْبَلْهُ اَهْلُ الْعِلْمِ كَیْفَ وَقَدْ قَالَ شُعْبَةُ فِیْهِ: هُوَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الْحَدِیْثِ وَرَوٰی عَنْهُ مِثْلُ الثَّوْرِیِّ وَابْنُ اِدْرِیْسَ وَحَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ وَیَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ وَّابْنُ عُلَیَّةَ وَعَبْدُالْوَارِثِ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَاحْتَمَلَهٗ اَحْمَدُ وَابْنُ مَعِیْنٍ وَعَامَّةُ الْحَدِیْثِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُمْ.

امام مالک رحمہ اللہ سے جو جرح بیان کی جاتی ہے وہ ثابت نہیں اگر صحیح ہے تو اہل علم نے اسے قبول نہیں کیا۔کیونکہ شعبہ نے انہیں حدیث میں امیر المومنین مانا ہے اور حضرت سفیان ثوری، جیسے ائمہ حدیث نے ان سے روایت لی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

اِنَّ مَالِكًا رَجَعَ عَنِ الْكَلَامِ فِي ابْنِ اِسْحَاقَ وَاصْطَلَحَ مَعَهُ وَبَعَثَ اِلَيْهِ هَدِيَّةً. (فتح القدير)

امام مالکؒ نے ابن اسحاق پر کی ہوئی جرح سے رجوع فرما لیا اور ان سے صلح فرمالی اور ان کی طرف تحفہ ارسال فرمایا۔

ابوبکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ رَجُلٌ قَدْ اَجْمَعَ الْكُبَرَاءُ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى الْاَخْذِ مِنْهُ. (تاریخ بغداد ۱/۲۲۴)

محمد بن اسحاق وہ شخص ہیں جن کی روایت قبول کرنے پر اکابر اہل علم کا اجماع ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

قَدْ ذَكَرَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ اَنَّ مَالِكًا عَابَهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فِي زَمَانِهِ بِاِطْلَاقِ لِسَانِهِ فِي قَوْمٍ مَّعْرُوفِيْنَ بِالصَّلَاحِ وَالدِّيَانَةِ وَالثِّقَةِ وَالْاَمَانَةِ. (ایضا صفحہ ۲۲۳)

بعض علماء نے ذکر کیا ہے بہت سے اہل علم نے امام مالکؒ کی اس عادت کو معیوب جانا کہ وہ بسا اوقات ایسے لوگوں پر بھی جرح فرما دیتے ہیں جن میں ایک ثقہ راوی کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وَثَبَتَ اَيْضًا فِي مُسْنَدِ اَحْمَدَ اَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيْدَ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هِيَ وَاحِدَةٌ. وَلَمْ يَثْبُتْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافُ هٰذِهِ السُّنَّةِ

مسند احمد میں ثابت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی عورت کو مجلس واحد میں تین طلاقیں دیں جنہیں نبی علیہ السلام نے ایک قرار دیا۔ اس سنت کے خلاف آپ ﷺ سے کوئی بات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَلْ مَا يُخَالِفُهَا إِمَّا أَنَّهُ ضَعِيفٌ بَلْ مَرْجُوحٌ وَإِمَّا أَنَّهُ صَحِيحٌ لَا يَدُلُّ عَلَى خِلَافِ ذٰلِكَ. (فتاوی ابن تیمیہ ۲/۸۶)

ثابت نہیں۔ مخالف روایتیں یا تو ضعیف اور مرجوح ہیں۔ یا اگر صحیح ہیں تو ان سے اس کے خلاف استدلال درست نہیں۔ (تین طلاقیں ص ۳۵)

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ أَبُورُكَانَةَ وَنَكَحَ امْرَأَةً مِنْ مُزَيْنَةَ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ ﷺ. فَقَالَتْ: مَا يُغْنِي عَنِّي إِلَّا كَمَا تُغْنِي هٰذِهِ الشَّعْرَةُ أَخَذَتْهَا مِنْ رَأْسِهَا فَفَرِّقْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَبْدِ يَزِيدَ: طَلِّقْهَا، فَفَعَلَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: رَاجِعِ امْرَأَتَكَ أُمَّ رُكَانَةَ وَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: قَدْ عَلِمْتُ، رَاجِعْهَا وَتَلَا ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾. (ابوداود ا/۳۰۵)

ابو رکانہ نے اُمّ رکانہ کو طلاق دے کر مُزنی قبیلہ کی ایک عورت سے شادی کر لی وہ آ کر نبی علیہ السلام سے کہنے لگی مجھے اس کا فائدہ اس بال سے زیادہ نہیں ہے ہمارے درمیان تفریق کرا دیجیے آپ نے ابو رکانہ کو کہہ کر اسے طلاق دلوادی اور ابو رکانہ سے فرمایا تم ام رکانہ سے رجوع کر لو۔ انہوں نے عرض کیا میں اسے تین طلاقیں دے چکا ہوں فرمایا مجھے علم ہے تم رجوع کر لو اور یہ آیت تلاوت فرمائی اے نبی جب عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کیلئے طلاق دو۔

اس میں تین طلاقوں کا ذکر ہے جنہیں آپ ﷺ نے رجعی قرار دیا۔ سند میں اتنی بات ضرور ہے کہ ابن جُریج نے مَروی عنہ کا نام ذکر نہیں کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض بنی ابی رافع: ''بعض بنی رافع'' کہا ہے اس سے یہ وہم ہوتا ہے نامعلوم وہ مجہول راوی کیسا ہوگا لیکن تابعین ایسے لوگ نہیں تھے جن کے متعلق بدگمانی کی جا سکے بالخصوص ابو رافع کی اولاد میں کوئی بھی متہم بالکذب نہیں تھا پھر ابن جریج خود ثقہ اور عادل راوی ہے جن کے ہاں ایک شخص سے عادل کی روایت ہی اس کی تعدیل کر دیتی ہے ان کے نزدیک تو یہ حدیث واقعی حجت ہونا چاہیے کیونکہ ابن جُریج اس سے روایت کر رہا ہے پھر اس حدیث کی بنیاد صرف بعض بنی ابی رافع پر ہی نہیں' داؤد بن الحصین اس کا متابع موجود ہے اور وہ سند شک وشبہ سے ماوراء ہے۔

ترمذی میں اس طرح ہے: یہ حدیث ترمذی شریف میں اس سے مختلف طریق پر مروی ہے جس سے استدلال برعکس ہو جاتا ہے:

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ. ثَنَا قَبِيصَةُ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ، عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ. قَالَ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اِنِّي طَلَّقْتُ امْرَاَتِي اَلْبَتَّةَ. فَقَالَ: مَا اَرَدْتَّ بِهَا؟ قُلْتُ: وَاحِدَةً. قَالَ: وَاللّٰهِ؟ قُلْتُ: وَاللّٰهِ، قَالَ: فَهُوَ مَا اَرَدْتَّ بِهَا.

میں نے نبی ﷺ سے آ کر کہا یارسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتّہ دے دی ہے فرمایا تم نے بتّہ سے کیا مراد لیا تھا؟ میں نے کہا ''جی ایک'' فرمایا اللہ کی قسم؟ میں نے کہا اللہ کی قسم۔ فرمایا جیسا تم نے ارادہ کیا۔

نبی علیہ السلام کا اس سے یہ پوچھنا کہ تم نے کیا مراد لیا ہے؟ اس کا ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جواب دینا پھر آپ ﷺ کا اس سے حلفیہ تصدیق لینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر وہ معاً ایک سے زائد مراد لیتا تو اتنی واقع ہو جاتیں۔

ابوداؤد: ابوداؤد میں یہ روایت یوں ہے:

عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ اَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيْدَ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ، فَاَخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِذٰلِكَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَةً؟ فَقَالَ رُكَانَةُ: وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُّ اِلَّا وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِي زَمَنِ عُمَرَ وَالثَّالِثَةَ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ. (ص ۳۰۷/۱)

رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سُہیمہ کو تین طلاق دیں اور آپ ﷺ کو اس امر کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم تو نے ایک ہی مراد لی ہے؟ بولا بخدا میں نے ایک ہی مراد لی ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے اس عورت کا اس کی صرف رجوع کرا دیا۔ پھر اس نے دوسری طلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دی۔

ضعف اور ابوداؤد کی تصحیح: یہ روایتیں اگر صحیح ہوتیں تو بے شک ان سے استدلال درست ہوتا لیکن ان دونوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں پہلی سند میں زبیر بن سعد ضعیف اور متروک ہے اسے ذہبی نے میزان میں "لَيْسَ بِشَيْءٍ"۔ نسائی نے ضعیف، اور ابن حجرؒ نے تقریب میں لَيِّنُ الْحَدِيْثِ لکھا ہے۔

نیز عبداللہ بن یزید جو حقیقت میں عبداللہ بن علی بن یزید ہے اسے ابن حجرؒ نے تقریب میں لَيِّنُ الْحَدِيْثِ، ذہبیؒ نے میزان میں بحوالہ عُقیلی: اِسْنَادُهٗ مُضْطَرِبٌ وَّلَا يُتَابَعُ لکھا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ عن ابیہ یعنی علی بن یزید کے متعلق بھی امام بخاریؒ نے لکھا ہے: "لَمْ يَصِحَّ حَدِيثُهُ"

امام ترمذیؒ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: "لا نَعْرِفُهُ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ"، دوسری سند میں نافع بن عجیر راوی مجہول ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

نَافِعُ بْنُ عَجِيرٍ الْمَجْهُولُ الَّذِي لَا يُعْرَفُ حَالُهُ أَلْبَتَّةَ وَّلَا يُدْرٰى مَنْ هُوَ وَلَا مَا هُوَ. (زادالمعاد ۳۲۳/۵)

نافع بن عجیر مجہول ہے اس کا حال بالکل معلوم نہیں پتہ ہی نہیں یہ کون اور کیسا تھا۔

حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

إِنَّ رُوَاتَهُ قَوْمٌ مَّجَاهِيلُ، لَا تُعْرَفُ عَدَالَتُهُمْ وَضَبْطُهُمْ.

اس کے راوی غیر معروف لوگ ہیں جن کی دیانت اور حفظ کا کوئی پتہ نہیں۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: «حَدِيثُ رُكَانَةَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ أَلْبَتَّةَ لَا يَثْبُتُ»، رُکانہ کے متعلق بتہ طلاق دینے والی حدیث ثابت نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ضعیف اور مضطرب کہا ہے۔ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے نافع بن عجیر کی حدیث کو ابن جریج کی روایت کی نسبت زیادہ صحیح کہا ہے وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت رکانہ کی اولاد سے مروی ہے اور انہیں صورتِ حال کا زیادہ علم ہوسکتا ہے کہ آیا رکانہ نے ایک طلاق دی یا تین طلاقیں دی تھیں۔ یا بتّہ کا لفظ بولا تھا۔ دوسری وجہ ترجیح غالباً ان کے نزدیک یہ ہوگی کہ ابن جریج کی سند میں بعض بنی ابی رافع کا ذکر ہے۔ تو گزارش ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فقیہ کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے ابن جریج کی روایت عن عکرمہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عن ابن عباس ہے جو کہ دونوں فقیہ ہیں۔ اس کے مقابلے میں نافع بن عجیر والی سند کوئی وزن نہیں رکھتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابن جریج کی روایت میں ابو رکانہ ہے جبکہ نافع کی روایت میں رکانہ ہے۔ ہو سکتا ہے یہ دونوں مختلف واقعات ہوں۔ اگر واقعہ ایک بھی ہو تو صرف اولاد ہونے کی بنا پر ترجیح کا کوئی معنی نہیں۔ یہ کوئی پرائیویٹ معاملہ نہیں تھا ایسے مسائل میں سب کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔

نیز ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اصح کہا ہے جس سے مطلق صحیح مراد نہیں۔ بلکہ اس کا نسبتۃً صحیح ہونا مراد ہے خواہ ویسے دونوں روایتیں ان کے نزدیک ضعیف ہوں۔

جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَإِنَّ حَدِيْثَ ابْنِ جُرَيْجٍ ضَعِيْفٌ	ابن جریج کی روایت بھی ضعیف ہے
وَهٰذَا أَيْضًا ضَعِيْفٌ فَهُوَ أَصَحُّ	اور نافع کی روایت بھی ضعیف ہے
الضَّعِيْفَيْنِ عِنْدَهٗ. (بحوالہ حاشیہ سنن ابی داؤد)	ابوداؤد کے نزدیک نافع کی روایت مقابلۃً بہتر ہے۔

عون المعبود میں مرقوم ہے کہ ابو داؤد کا اس روایت کو صحیح کہنا منذری کے نزدیک محل نظر ہے وہ فرماتے ہیں:

فِيْ إِسْنَادِهِ الزُّبَيْرُ بْنُ سَعِيْدٍ	اس سند میں زبیر بن سعید ہاشمی ہے
الْهَاشِمِيُّ وَقَدْ ضَعَّفَهٗ غَيْرُ وَاحِدٍ	جسے اکثر نے ضعیف کہا ہے امام ترمذیؒ
وَّذَكَرَ التِّرْمَذِيُّ أَيْضًا عَنِ	نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے
الْبُخَارِيِّ أَنَّهٗ مُضْطَرِبٌ فِيْهِ۔تَارَةً	کہ یہ حدیث مضطرب ہے اس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قِيلَ فِيهِ ثَلَاثًا وَّتَارَةً قِيلَ فِيهِ وَاحِدَةً،وَاَصَحُّهُ اَنَّهٗ طَلَّقَهَا اَلْبَتَّةَ وَّاَنَّ الثَّلَاثَ ذُكِرَتْ فِيهِ عَلَى الْمَعْنٰى. وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ: حَدِيْثُ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَفِيْمَا قَالَهٗ نَظَرٌ. فَقَدْ تَقَدَّمَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ طُرُقَهٗ ضَعِيْفَةٌ وَّضَعَّفَهٗ اَيْضًا الْبُخَارِيُّ وَقَدْ وَقَعَ الْاِضْطِرَابُ فِي اِسْنَادِهٖ وَمَتْنِهٖ. (۲/۲۳۲)

کہیں تین اور کہیں ایک کے الفاظ ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ بَتّہ تھی۔ اور تین کا لفظ بلحاظ مطلب کے کہا گیا ہے اور ابو داؤد نے نافع بن عجیر کی حدیث کو صحیح کہا ہے ❶ اس میں نظر ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پہلے منقول ہوا ہے کہ اس کی سب سندیں ضعیف ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے اور اس کی سند اور متن دونوں میں اِضطِراب واقع ہے۔

حاصل: بات یہ کہ ان دونوں روایتوں کے تقابل کی چنداں حاجت نہیں۔ ابن اسحاق کی روایت بالکل صحیح ہے ابن جریج کی حیثیت اس کی شاہد کی سی ہے ان کے مقابلہ میں نافع بن عجیر کی روایت کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔

(تین طلاقیں ص ۳۹)

۴۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً». فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِيْ اَمْرٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور اور خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے دو برسوں تک بیک (وقت) تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں

❶ امام ابوداود نے صحیح نہیں، بلکہ اصح فرمایا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ.

جس میں ان کیلئے غور وفکر کا موقع تھا جلدی کی۔ تو ہم ان طلاقوں کو نافذ کر دیں تو آپ نے انہیں نافذ کر دیا"۔

الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ روایت مختلف اسناد سے صحیح مسلم اور دوسری کتب میں آئی ہے روایۃً اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث اپنے اس مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور دورِ فاروقی کے ابتدائی دو برسوں میں (بعض روایاتِ مسلم میں تین سال آئے ہیں) ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ بجائے اس کے کہ اللہ کی دی ہوئی مہلت وسہولت سے فائدہ اٹھاتے اور ایک مجلس میں ایک طلاق پر بس کرتے انہوں نے ایک مجلس میں تین طلاق کو معمول بنا لیا اور طلاق کے غیر مشروع طریقہ پر مصر ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ لوگوں پر تین طلاقیں نافذ کر دی جائیں چنانچہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے یہ حکم انہوں نے نافذ کر دیا۔

حدیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے۔اس مفہوم کی رو سے دورِ نبوی ﷺ، دور صدیقی اور ابتدائی دورِ فاروقی رضی اللہ عنہما، کا یہ تعامل سامنے آتا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق مانا جاتا تھا۔

جو لوگ اس کے خلاف مسلک رکھتے ہیں انہوں نے اس حدیث کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ ہم ان میں سے قابلِ ذکر تاویلات کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱- امام نوویؒ شرح مسلم میں ایک تاویل کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

وَقِيلَ الْمُرَادُ أَنَّ الْمُعْتَادَ فِي الزَّمَنِ الْأَوَّلِ كَانَ طَلْقَةً وَّاحِدَةً وَصَارَ النَّاسُ فِي زَمَنِ عُمَرَ يُوقِعُونَ الثَّلَاثَ دُفْعَةً، فَنَفَّذَهُ عُمَرُ وَعَلٰى هٰذَا يَكُونُ إِخْبَارًا عَنِ اخْتِلَافِ عَادَةِ النَّاسِ لَا عَنْ تَغَيُّرِ حُكْمٍ فِي مَسْأَلَةٍ وَّاحِدَةٍ. (۱۰/۷۱)

"کہا گیا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دور اول میں یہ رواج تھا کہ طلاق ایک ہی دی جاتی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تین طلاق ایک ہی بار میں دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے انہیں نافذ کر دیا تو یہ لوگوں کی عادتوں کے مختلف ہونے کی اطلاع ہے نہ کہ ایک ہی مسئلہ میں حکم کے بدل جانے کی"۔

یہ تاویل متعدد اربابِ علم نے کی ہے مگر آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ کہاں تک اس کے متحمل ہیں۔ علامہ ابن ہمامؒ اس تاویل پر یہ اِشکال عائد کرتے ہیں۔

وَمَا قِيلَ فِي تَأْوِيلِهِ إِنَّ الثَّلَاثَ الَّذِي يُوقِعُونَهَا الْآنَ إِنَّمَا كَانَتْ فِي الزَّمَانِ الْأَوَّلِ وَاحِدَةً تَنْبِيهٌ عَلٰى تَغَيُّرِ الزَّمَانِ وَمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ فَيُشْكِلُ إِذْ لَا يَتَّجِهُ حِينَئِذٍ قَوْلُهُ فَأَمْضَاهُ عُمَرُ ﷺ.

"اور اس حدیث کی تاویل میں جو یہ کہا گیا ہے کہ تین طلاقیں جو اب دیتے ہیں دور اول میں ان کا رواج نہ تھا ایک ہی کا رواج تھا اور یہ اس زمانہ کے تغیر اور سنت کی مخالفت کی خبر ہے تو یہ مُشکِل ہے کیونکہ اس صورت میں فامضاہ عمرؓ متعلق نہیں ہو پاتا"۔

صحیح مسلم کی بعض روآیات صراحۃً اس تاویل کی تردید کرتی ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَنْ طَاؤُوسٍ اَنَّ اَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: اَتَعْلَمُ اِنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّثَلَاثًا مِّنْ اِمَارَةِ عُمَرَ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ. (مسلم ۱۰/۷۱، ابوداود ۱/۳۰۶)

طاؤس سے مروی ہے کہ ابوصہباء نے ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ تین طلاقوں کو دور نبوی (ﷺ) دور ابو بکرؓ اور خلافت عمرؓ کے تین برسوں میں ایک شمار کیا جاتا تھا؟ انہوں نے فرمایا! ہاں''۔

پھر یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ دورِ نبوی ﷺ میں لوگ ایک مجلس میں تین طلاقیں نہیں دیتے تھے۔ روایات سے اس کے برعکس ثابت ہے۔

۲- یہ حکم غیر مدخول بہا کیلئے ہے جیسا کہ بعض روایات میں صراحۃً ہے:

عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ عَنْ طَاؤُوْسٍ اَنَّ رَجُلًا يُّقَالُ لَهٗ اَبُوالصَّهْبَاءِ كَانَ كَثِيْرَ السُّؤَالِ لِابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الرَّجُلَ كَانَ اِذَا طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ اِمَارَةِ عُمَرَ؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَلٰى! كَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا

ایوب سے انہوں نے متعدد افراد سے نقل کیا ہے، انہوں نے طاؤس سے کہ ایک شخص جسے ابو صہباء کہا جاتا تھا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے بہت سوال کیا کرتا تھا۔ انہوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو ہم بستری سے پہلے بیک وقت تین طلاق دیتا تھا تو اسے رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور خلافتِ عمرؓ کے ابتدائی دور میں ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ اِمَارَةِ عُمَرَ؟ فَلَمَّا رَاَى النَّاسَ قَدْ تَتَابَعُوْا فِيْهَا قَالَ: اَجِيْزُوْهُنَّ عَلَيْهِمْ. (ابوداود ص ۱/۳۰۶)

ہی طلاق شمار کرتے تھے؟ ابن عباسؓ نے کہا: ہاں، آدمی جب ہم بستری سے قبل اپنی بیوی کو طلاق دیتا تو دور نبی ﷺ دور صدیق اور ابتدائی دور عمر رضی اللہ عنہ میں اسے ایک شمار کیا جاتا تھا تو جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ پے در پے تین طلاقیں دینے لگے تو ان پر تینوں نافذ کر دیں''۔

یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو یہ غیر مدخول بہا کیلئے ہوگی۔ اور دوسری روایات غیر مدخول بہا اور مدخول دونوں کیلئے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابو داؤد کی یہ روایت ضعیف ہے اور طاؤس سے روایت کرنے والے مجہول لوگ ہیں۔ (شرح مسلم نووی ۱۰/۷۶)

شیخ الاسلام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَسَائِرُ الرِّوَايَاتِ الصَّحِيْحَةِ لَيْسَ فِيْهَا "قَبْلَ الدُّخُوْلِ" وَلِهٰذَا لَمْ يَذْكُرْ مُسْلِمٌ مِّنْهَا شَيْئًا. (اِغاثة اللهفان ۱/۲۸۵)

صحیح روایات میں قبل از دخول کا ذکر نہیں اس لیے امام مسلمؒ نے اس کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

بالفرض یہ زیادتی صحیح بھی ہو تو از قسم تعارض نہیں۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ التَّقْيِيْدَ بِقَبْلِ الدُّخُوْلِ لَا يُنَافِيْ صِدْقَ الرِّوَايَةِ الْاُخْرٰى عَلَى الْمُطَلَّقَةِ بَعْدَ الدُّخُوْلِ. وَغَايَةُ مَا فِيْ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ اَنَّهٗ وَقَعَ فِيْهَا التَّنْصِيْصُ عَلٰى بَعْضِ اَفْرَادِ مَدْلُوْلِ الرِّوَايَةِ الصَّحِيْحَةِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْمَذْكُوْرَةِ فِي الْبَابِ وَذٰلِكَ لَا يُوْجِبُ الاخْتِصَاصَ بِالْبَعْضِ الَّذِيْ وَقَعَ عَلَيْهِ التَّنْصِيْصُ. (نیل الاوطار ۷/۳۰)

قبل از دخول کی قید والی روایت بعد از دخول والی روایت کے منافی نہیں بڑی حد تک اتنی بات کہہ سکتے ہیں کہ یہ بعض افراد روایت پر دلالت کرتی ہے۔ جو تخصیص کو مستلزم نہیں۔

نیز ممکن ہے ابو الصہباء کو قبل الدخول کے متعلق ہی کسی واقعہ کا علم ہوا اور اس نے اس قید اتفاقی کے ساتھ سوال کر دیا ہو۔ اور ابن عباسؓ نے ہاں میں جواب دے دیا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی مسئلہ پوچھے کہ گھی میں چوہیا جا پڑے تو کیا حکم ہے؟ جواب ملے کہ چوہیا اور اس کے اردگرد کا گھی نکال کر پھینک دیجئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا۔ کہ گھی کے علاوہ کسی چیز میں گر پڑے تو اسے نہیں پھینکا جائے گا۔ مدخولہ اور غیر مدخولہ کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے ان کے درمیان از روئے شرع حقِ رجعت کا فرق تو ہے، طلاق پڑنے میں کوئی فرق نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ امتیاز روا نہیں رکھا کہ ایک دفعہ دی جانے والی تین طلاقیں مدخولہ کیلئے ایک متصور ہوں بلکہ بقول حنفیہ غیر مدخولہ کے لے بھی ایک صرف اس وقت سمجھی جائے جب کہنے والا الگ الگ اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ، کہے۔ کیونکہ ان کے قول کے مطابق ایک کے بعد وہ محل طلاق نہیں رہتی۔ اور اگر ایک دم اَنْتِ طَالِقٌ ثلاثا کہہ دے تو تینوں پڑ جائیں گی یعنی مسلم کی صحیح روایت انہوں نے نہیں مانی، ابو داؤد کی ضعیف روایت مان لی ہے مگر وہ بھی آدھی۔ چلیے کچھ تو مانا۔

سوال یہ ہے الگ الگ کہنے کی صورت میں غیر مدخولہ اگر ایک کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محل طلاق نہیں رہتی تو اَنْتِ طَالِقٌ ثَلاثًا کہنے سے وہ کیسے تینوں کیلئے محل طلاق بن جاتی ہے۔ اگر اول الذکر صورت میں تین کی ایک ہوسکتی ہیں تو مؤخر الذکر صورت میں کیوں نہیں ہوسکتیں۔ یعنی غیر مدخولہ اگر تین کیلئے محل نہیں تو دونوں صورتوں میں نہیں ہونا چاہیے اگر ہے تو پھر بہرحال ہونا چاہیے یہ تفریق بلا متفرق چیستاں سے کم نہیں۔

نیز یہ کہنا کہ مدخولہ پر ہر حال میں تین پڑیں گی خواہ الفاظ متفرق طور پر بولے جائیں یا اکٹھے۔ عجیب سی بات ہے یہ وہ فقہی نکتے ہیں جن کی خبر آپ ﷺ کے فرشتوں کو بھی نہیں تھی اور نہ صحابہ کرام ہی ایسی طلسماتی فقہ سے آشنا تھے۔

ایک بڑا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے اگر مسلم شریف کی روایت کا یہی مطلب لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور تک جو تین طلاقیں ایک قرار دی جاتی تھیں وہ غیر مدخولہ کے بارے میں تھیں وہ بھی صرف اس وقت جب الگ الگ ''اَنْتِ طَالِقٌ'' کہا جاتا۔ تو پھر حضرت عمرؓ نے کیا کیا؟ انہوں نے کون سی تبدیلی عمل میں لائی تھی؟ لوگ کیا کرنے گئے تھے؟ جس سے حضرت عمرؓ نے انہیں باز کیا۔ وہ کیا شے تھی جو منسوخ ہوئی؟ اور کس چیز نے اسے منسوخ کیا؟ وہ کونسی انوکھی اور نرالی بات تھی جو ابن عباسؓ سے دریافت کی گئی؟ اور جس پر بعد میں لوگوں کا عمل نہ رہا یعنی آخر ہوا کیا۔

ایک اور لطف کی بات سنئے۔ مسلم شریف میں جو روایت بواسطہ ابو الصہباء بلا قید ''قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِهَا'' مروی ہے وہاں معترضین ابوصہباء پر تنقید کرتے ہوئے انہیں مجہول اور ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی ابو صہباء سے جو روایت "قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِهَا" کی قید کے ساتھ ابو داوٗد میں مذکور ہے وہ ان کے نزدیک صحیح اور قابل استدلال ہو جاتی ہے۔

ہم تو کہتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ مسئلے کی ایک شق ہے اسے قید اتفاقی کہہ لیجئے کہ پوچھنے والے نے ایسا پوچھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ویسا ہی جواب دے دیا۔ ورنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مخصوص قید کے ساتھ ازخود اسے ہرگز روایت نہیں کیا۔

نیز گزارش ہے اگر دونوں روایتوں میں تعارض تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو طاؤس نے جو بلا واسطہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ سند کے لحاظ سے بہتر ہے اسے ترجیح ہوگی اور اگر ثقہ کی زیادتی قبول کی جائے تو مطلب صاف ہے۔ ابو الصہباء کی روایت سے غیر مدخول بہا کا حکم ہوا۔ مدخول بہا کی نفی نہیں ہوئی۔ امام مسلم کی روایت نے اس کی وضاحت کر دی۔ (تین طلاقیں ص ۵۵)

۳- یہ حدیث ایک خاص صورت سے متعلق ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ سُرَيْجٍ وَغَيْرُهُ يُشْبِهُ اَنْ يَّكُونَ وَرَدَ فِي تَكْرِيرِ اللَّفْظِ كَاَنْ يَقُوْلَ: اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ، وَكَانُوا اَوَّلًا عَلٰى سَلَامَةِ صُدُوْرِهِمْ يُقْبَلُ مِنْهُمْ اَنَّهُمْ اَرَادُوا التَّاكِيْدَ. فَلَمَّا كَثُرَ النَّاسُ فِي زَمَنِ عُمَرَ وَكَثُرَ فِيهِمُ	"ابن سریج نے کہا خیال ہوتا ہے کہ یہ حدیث الفاظ کی تکرار کے سلسلہ میں آئی ہے جیسے کہ وہ کہے تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، تو دور اول میں دلوں کی سلامتی کے باعث ان کا یہ قول قبول کر لیا جاتا تھا کہ ان کا ارادہ تاکید کا تھا (تین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْخِدَاعُ وَنَحْوُهُ مَا يَمْنَعُ قُبُولُ مَنِ ادَّعَى التَّاكِيدَ، حَمَلَ عُمَرُ اللَّفْظَ عَلَى ظَاهِرِ التَّكْرَارِ، فَامْضَاهُ عَلَيْهِمْ. (فتح الباری ۹/۳۶۴)

طلاق کا نہیں) تو جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان زیادہ ہو گئے اور فریب دہی وغیرہ بھی زیادہ ہوگئی جس کے باعث تاکید کا دعویٰ قبول کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے لفظ کو ظاہر تکرار پر محمول کر دیا اور تین طلاقیں ان پر نافذ کر دیں''۔

امام نوویؒ نے اس تاویل کو صحیح ترین تاویل قرار دیا ہے علامہ ابن الہمامؒ نے بھی ''فتح القدیر'' میں اس تاویل کو اختیار کیا ہے۔ مگر آپ خود دیکھ لیجئے۔ کہ حدیث کے الفاظ کہاں تک اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ نہ حدیث میں خاص الفاظ کا ذکر ہے نہ اس بات کا کہ جو لوگ تاکید کا دعویٰ کرتے تھے ان کا دعویٰ مان لیا جاتا تھا اور جو دعویٰ نہ کرتے تھے ان کے حق میں تین طلاقوں کا فیصلہ ہوتا تھا۔ نہ دلوں کی صفائی یا کھوٹ کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ آخر تاویل کیلئے کوئی بنیاد تو ہو۔

لہٰذا یہ تاویل بھی محض تاویل ہی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی نیت پر حملہ کیا اگر پہلے نیت معتبر تھی تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نیت کا اعتبار کیونکر ختم کر سکتے تھے۔ اللہ کے بندے بھی تو ہمیشہ رہتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ بدکردار آدمی کی نیت مشکوک ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو شخص کھلم کھلا احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کے دل میں احکام کی کیا قدر ہو سکتی ہے، وہ تو طلاق دے کر بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے طلاق دی ہی نہیں۔ امیر المومنین کے یہ الفاظ ''اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِيْ شَيْءٍ كَانَتْ لَهُمْ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناةٌ فَلَو اَمضَیناہُ عَلَیھِم"، کسی تاویل کی گنجائش نہیں چھوڑتے از روئے شریعت بتدریج طلاق کی صورت میں ایک شخص کو سوچنے، سمجھنے کی جو مہلت ہے اسے شرعاً کوئی نہیں چھین سکتا لوگوں نے جب جلد بازی سے کام لیتے ہوئے اس اہم مسئلہ کو مذاق بنا لیا تو حضرت عمرؓ نے ظاہری الفاظ پر بنا رکھ کر ان کی نیت پر عمل نہیں کیا بلکہ انہیں جلد بازی کے مذاق کی سزا دی تھی۔ جسے آپ نے اپنی طرف نسبت بھی کر دی۔

مولانا عمر احمد عثمانی لکھتے ہیں ہمارے ایک فاضل عزیز (مولانا تقی عثمانی) نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کی عجیب وغریب توجیہ فرمائی ہے خود ان کے قول کے مطابق بھی صحیح نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"اس سلسلے میں مسئلہ کی حقیقت پہلے ہی واضح کی جا چکی ہے کہ اگر کوئی شخص تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرے، نیت ایک ہی طلاق کی ہو اور اس نے محض تاکید کی نیت سے بار بار الفاظ طلاق استعمال کئے ہوں تو طلاق دیانۃً ایک ہی سمجھی جاتی ہے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں نیز حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں دیانت عام تھی جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر کہ دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے اور آئندہ کچھ نہ رہے گا۔ اور لوگ جھوٹ بول بول کر حرام کیا کریں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے بعد یہ عام حکم نافذ کر دیا کہ اب تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی (غالباً کاتب سے یہاں "نہ" کا لفظ ساقط ہو گیا ہے۔ مؤلف) جو شخص اللہ کی دی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی آسانیوں کو نظر انداز کر کے تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کر دے گا تو وہ بہرصورت واقع قرار دی جائیں گی ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ ایسا کیوں کرتے؟ یا اگر وہ کرتے بھی تو حضور ﷺ کے ارشادات پر جان دینے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو کیسے گوارہ کر لیتے؟ معلوم ہوا کہ ان کا یہ فیصلہ قرآن وسنت کے عین مطابق تھا۔ اور تین طلاقوں کا ایک کی نیت ہونے کی صورت میں ایک شمار ہونا ایک خاص وقت تک تھا۔ جب وہ ختم ہو گیا تو یہ بھی باقی نہ رہا۔ ائمہ اربعہ اور امت کے جمہور علماء نے بھی اسے اسی لئے قبول کیا ہے۔"

(ہمارے عائلی مسائل ص ۱۸۸۔۱۸۹)

یہ توجیہ، بوجوہ ناقابل قبول ہے: اول تو یہ کہنا بہت بڑی جسارت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے صرف ساڑھے چار سال بعد ہی (اڑھائی سال صدیق اکبرؓ کی خلافت اور دو سال حضرت عمرؓ کی خلافت) جو صحابہ کرام اور کبار تابعین کا دور ہے۔ دیانت و امانت بالکل ختم ہو چکی تھی کہ لوگ معاذ اللہ جھوٹ بول بول کر حرام کرنے لگے تھے جبکہ مسلمانوں میں یہ صورت آج تک بھی پیدا نہیں ہوئی۔ جاہل سے جاہل مسلمان اپنے علماء کے غلط فتووں پر آج بھی اپنے گھر برباد کر لیتے ہیں اور جھوٹ بول کر حرام کا ارتکاب کرنے کی جرأت نہیں کر پاتے۔ مسلمانوں کے گھروں کی اس بربادی کی دو چار مثالیں ہر شخص کے علم ہوں گی مجھے حیرت بلکہ افسوس ہے کہ یہ سطور کسی شیعہ عالم کے قلم سے نہیں نکلیں بلکہ ایک ایسے فاضل مصنف کے قلم سے نکلی ہیں جو خود کو علماء اہلِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت کا ترجمان قرار دیتے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

دوسری بات یہ ہے کہ خود فاضل موصوف تسلیم فرما چکے ہیں کہ طلاق کے دو اثر ہوتے ہیں ایک طلاق دینے والے کے نکاح سے نکل جانا اور دوسرے کسی اور مرد سے نکاح کا جائز ہونا۔ ان میں سے پہلا اثر تو طلاق دیتے ہی مرتب ہو جاتا ہے ...... اسی اثر کی وجہ سے جس لمحہ مرد نے طلاق کے الفاظ زبان سے ادا کئے اسی لمحہ سے عورت کو مطلقہ کہا جاتا ہے قرآن کریم میں عدت گزارنے سے پہلے ہی ایسی عورتوں کو "مطلقات" کے نام سے یاد کیا گیا ہے"۔ (ہمارے عائلی مسائل ص ۱۶۴۔۱۶۵)

اور یہ اعتراف فاضل موصوف سے کسی سبقتِ قلم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ ائمہ فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ طلاق اسی لمحہ سے مؤثر ہو جاتی ہے جس لمحہ شوہر کی زبان سے طلاق کا لفظ نکلا تھا۔

ہم تفصیل کے ساتھ اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ شوہر نے جب ایک طلاق کا لفظ منہ سے نکالا تو بیوی پر طلاق پڑ گئی اب وہ اس کی بیوی نہیں رہی وہ اس کیلئے ایک اجنبی عورت ہوگئی تو جب وہ دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ طلاق کا لفظ مزید طلاقیں دینے کیلئے زبان سے نکالتا ہے تو وہ ایک اجنبی عورت کو مخاطب کر رہا ہے جو اَب اس کی بیوی نہیں ہے۔ لہذا یہ الفاظ لغو ہیں اور غیر محل میں ہیں۔ اِلّا یہ کہ کہا جائے کہ وہ اپنے پہلے قول کی تاکید ہی میں یہ الفاظ بول رہا ہے ایک عاقل و بالغ آدمی کے قول کو با معنی اور با مطلب قرار دینا بجائے لغو، غلط اور بے محل قرار دینے کے اَولیٰ ہونا چاہیے۔ لہٰذا جو طلاقیں بیک وقت دو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تین کی تعداد میں دی جاتی ہیں وہ تاکید کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتیں اس میں دیانت اور امانت کا کیا سوال ہے اس کا کوئی دوسرا صحیح محل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ عاقل و بالغ آدمی ہے تو وہ تاکید کیلئے دوسرا اور تیسرا لفظ استعمال کرے گا اور اگر پاگل اور مجنون ہے تو اس کی بات کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ لہٰذا یہ سوال اٹھانا کہ دیانت داری کا فقدان ہو چلا تھا لوگ جھوٹ بول کر حرام کریں گے اس کا اندیشہ پیدا ہو چکا تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے ایسا اقدام فرمایا۔ خود کو اور سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے سوا اور کیا ہے۔ لہٰذا فاضل موصوف کی یہ توجیہ خود ان کے قول اور ائمہ فقہاء کے متفقہ ارشاد کی رو سے غلط ہے اور قابل قبول نہیں ہے۔ (فقہ القرآن ۲/۲۴۴)

۴۔ بعض کا خیال ہے طلاق ثلاثہ (خواہ بیک وقت دی گئی ہوں یا متفرق اوقات میں) کے بعد رجوع الطلاق مرتان منسوخ ہو چکا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی حدیث سے بھی ثابت ہے۔ جو کتاب السنن لابی داوٗد میں ''باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث'' کے تحت مروی ہے۔

اِنَّ الرَّجُلَ كَانَ اِذَا طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ فَهُوَ اَحَقُّ بِرَجْعَتِهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا نُسِخَ ذٰلِكَ فَقَالَ: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾. (۱/۳۰۰)	''آدمی تین طلاق دے چکنے کے بعد بھی رجوع کا حق رکھتا تھا۔ پھر الطلاق مرتان سے یہ بات منسوخ ہوگئی۔''

جواب: گزارش ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول ابتدائے اسلام سے متعلق ہے۔ زمانۂ جہالت میں لوگ تین چھوڑ، خود کو ان گنت طلاقوں کا مستحق سمجھتے تھے آیت مذکورہ کے تیسری طلاق آخری مقرر کر دی گئی کہ اس کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رجوع ناجائز ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں تفصیلاً ذکر ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَا شَاءَ اَنْ يُطَلِّقَهَا وَهِيَ امْرَأَتُهُ اِذَا ارْتَجَعَهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَاِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ اَوْ اَكْثَرَ. حَتّٰى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَاَتِهِ وَاللهِ لَا اُطَلِّقُكِ فَتَبِيْنِيْنَ مِنِّيْ وَلَا اٰوِيْكِ اَبَدًا. قَالَتْ: وَكَيْفَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: اُطَلِّقُكِ فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ اَنْ تَنْقَضِيَ رَاجَعْتُكِ، فَذَهَبَتِ الْمَرْاَةُ حَتّٰى دَخَلَتْ عَلٰى عَائِشَةَ فَاَخْبَرَتْهَا فَسَكَتَتْ عَائِشَةُ حَتّٰى جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَاَخْبَرَتْهُ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾. (۳/۴۹۷)

اولاً لوگ ان گنت طلاقوں کے مالک ہوا کرتے تھے ایک شخص اپنی بیوی کو چاہے سو یا اس سے بھی زیادہ طلاقیں دے چکا ہوتا وہ اگر اس سے عدت کے اندر اندر رجوع کر لیتا تو بھی وہ اس کی بیوی ہی رہتی تھی۔ ایک روز ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا نہ تو تجھے طلاق دے کر الگ کروں گا اور نہ تجھے کبھی بساؤں گا۔ وہ بولی اس کی کیا صورت ہوگی؟ کہنے لگا میں تجھے طلاق دیا کروں گا جب عدت گزرنے پر آیا کرے گی تو رجوع کر لیا کروں گا۔ اس عورت نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو آ کر یہ ماجرا سنایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ آیت "الطلاق مرتان" نازل ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اگر صحیح ہو (ویسے اس میں علی بن حسین بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقد ضعیف ہے) تو اس کا بھی یہی مطلب ہے یہ آیت یکبارگی تطلیقات ثلاثہ کے سلسلہ میں ہرگز نہیں ورنہ عہد نبویؐ، صدیقی اور آغاز عہد فاروقی میں اکٹھی تین طلاقوں کو ایک نہ تصور کیا جاتا۔ ضمناً اس سے یہ مغالطہ بھی رفع ہو جانا چاہیے کہ حدیث مسلم میں چونکہ مجلس واحد کا ذکر نہیں لہٰذا استدلال ختم۔

کیونکہ دریافت طلب امر یہ ہے آیا حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور خلافت تک متفرق طور پر دی ہوئی تین طلاقوں کو بھی ایک ہی سمجھا جاتا تھا؟ کیا ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ﴾ الایۃ، نازل ہونے کے بعد کوئی ایک شخص بھی اس کا قائل رہا ہے؟ ایک بات جو نبوت کے ابتدائی ایام میں منسوخ ہو اس پر عمل در آمد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جا کر ہو عجیب بات ہے کیا خیال ہے آیت ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ اتنی دیر صیغہ راز میں رہی ہوگی۔ اسی مسلم کی حدیث میں حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ «اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا ..... الخ» ظاہر کرتا ہے کہ اوّلاً بیک وقت دی گئی طلاقہائے ثلاثہ کے بعد رجوع کی اجازت تھی۔ جیسا کہ رکانہ کی حدیث سے بھی معلوم ہوا۔ یہ حضرت عمرؓ نے خود فتوے دیا تھا کہ اب تین کو تین ہی سمجھا جائے گا۔ اگر امیر المومنین کا اشارہ نسخ کی جانب ہوتا تو اَمْضَیْنَاہُ کہہ کر اس حکم کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب فرماتے۔

قَالَ الْمَازِرِيُّ وَقَدْ زَعَمَ مَنْ لَّا خُبْرَةَ لَهٗ بِالْحَقَائِقِ اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ ثُمَّ نُسِخَ. قَالَ وَهٰذَا غَلَطٌ فَاحِشٌ لِاَنَّ عُمَرَ لَا يَنْسَخُ وَلَوْ نَسَخَ وَحَاشَاہُ لَبَادَرَتِ الصَّحَابَةُ اِلَى

حنفی المسلک مازری نے کہا حقائق سے بے خبر لوگوں کا خیال ہے تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ کہا یہ انتہائی غلط بات ہے اس لیے کہ حضرت عمرؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنْكَارِهِ وَإِنْ اَرَادَ هٰذَا الْقَائِلُ اَنَّهٗ نُسِخَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ فَذٰلِكَ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ وَّلٰكِنْ يَخْرُجُ عَنْ ظَاهِرِ الْحَدِيْثِ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ كَذٰلِكَ لَمْ يَجُزْ لِلرَّاوِىْ اَنْ يُخْبِرَ بِبَقَاءِ الْحُكْمِ فِىْ خِلَافَةِ اَبِىْ بَكْرٍ وَّبَعْضِ خِلَافَةِ عُمَرَ فَاِنْ قِيْلَ فَلَعَلَّ النَّسْخَ اِنَّمَا ظَهَرَ فِىْ زَمَنِ عُمَرَ. قُلْنَا هٰذَا غَلَطٌ اَيْضًا لِاَنَّهٗ يَكُوْنُ قَدْ حَصَلَ الْاِجْمَاعُ عَلَى الْخَطَاِ فِىْ زَمَنِ اَبِىْ بَكْرٍ وَّالْمُحَقِّقُوْنَ مِنَ الْاُصُوْلِيِّيْنَ لَا يَشْتَرِطُوْنَ اِنْقِرَاضَ الْعَصْرِ فِىْ صِحَّةِ الْاِجْمَاعِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

(شرح مسلم للنووی ۱۰/۷۱)

اسے منسوخ نہیں کر سکتے تھے معاذ اللہ اگر وہ ایسا کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوراً اس کا رد کرتے۔ اور اگر کہنے والے کی مراد یہ ہے کہ یہ حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی منسوخ ہوگیا تھا تو یہ جائز تو ہے مگر ظاہر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ راوی پھر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ حکم ابتدائے عہد عمرؓ تک باقی رہا۔ اگر یہ تاویل کی جائے کہ منسوخ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی ہوا تھا مگر نسخ کا ظہور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جا کر ہوا تو یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ اس کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غلطی پر اجماع منعقد رہا۔ اہل تحقیق کے نزدیک اجماع کی صحت کیلئے شرط نہیں کہ اسی پر دور ختم ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِى الْجُمْلَةِ فَالَّذِىْ وَقَعَ فِىْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ نَظِيْرُ مَا وَقَعَ فِىْ مَسْأَلَةِ الْمُتْعَةِ اَعْنِىْ قَوْلَ جَابِرٍ اِنَّهَا

قصہ مختصر یہ کہ اس مسئلہ کی نظیر مسئلہ متعہ ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَانَتْ تُفْعَلُ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَاَبِي بَكْرٍ وَصَدْرٍ مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ. قَالَ: ثُمَّ نَهَانَا عُمَرُ عَنْهَا فَانْتَهَيْنَا فَالرَّاجِحُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ تَحْرِيمُ الْمُتْعَةِ وَاِيقَاعُ الثَّلَاثِ لِلْاِجْمَاعِ الَّذِي انْعَقَدَ فِي عَهْدِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ اَيْضًا.

(فتح الباری ۹/۱۹۳)

کے شروع ایام میں متعہ کیا جاتا رہا۔ پھر حضرت عمرؓ نے ہمیں اس سے منع کر دیا تو ہم رک گئے۔ تو دونوں مقامات میں راجح مسلک متعہ کی حرمت اور تین طلاق کا وقوع ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس پر اجماع منعقد ہو گیا تھا۔

یہ قیاس تسلیم کر لیا جاتا اگر فی الواقع بات ایسے ہی ہوتی جیسا کی سمجھی گئی ہے حالانکہ بخاری شریف میں آتا ہے۔

اِنَّ عَلِيًّا قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ.

حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ نبی ﷺ نے خیبر کے روز متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا تھا۔

مسلم شریف میں ہے:

عَنْ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ا فَقَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي قَدْ كُنْتُ اَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ وَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

سبرہ جہنی سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ نے فرمایا اے لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کیلئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۸۶/۹) حرام کر دیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالصَّوَابُ اَنَّ تَحْرِيْمَهَا وَاِبَاحَتَهَا وَقَعَ مَرَّتَيْنِ فَكَانَتْ مُبَاحَةً قَبْلَ خَيْبَرَ ثُمَّ حُرِّمَتْ فِيْهَا ثُمَّ اُبِيْحَتْ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ عَامُ اَوْطَاسٍ ثُمَّ حُرِّمَتْ تَحْرِيْمًا مُؤَبَّدًا. (شرح مسلم ۱۸۱/۹)

اصل بات یہ ہے کہ متعہ دو بار حرام اور دو بار حلال ہوا۔ پہلے جائز تھا پھر خیبر کے روز حرام ہوا پھر فتح مکہ کے سال یعنی عام اَوطاس کو (تین روز کے لیے) (عن سلمۃ بن الاکوع۔ مسلم ص ۴۵۱) جائز ہوا پھر اس کے بعد ہمیشہ کیلئے حرام کر دیا گیا۔

کیا ایک مجلس کی تین طلاق کے وقوع کے متعلق بھی نبی ﷺ سے اتنی واضح اور صحیح احادیث موجود ہیں؟ فقط تین صحابہ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اگر دیر بعد حُرمتِ متعہ کے احکام پر مطلع ہو سکے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سارے جہاں کو اس نسخ کی خبر نہ تھی۔

جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو سنیے:

اِنَّهٗ خَطَبَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَذِنَ لَنَا فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ حَرَّمَهَا وَاللّٰهِ لَا اَعْلَمُ اَنَّ اَحَدًا تَمَتَّعَ وَهُوَ مُحْصِنٌ اِلَّا رَجَمْتُهٗ بِالْحِجَارَةِ. (ابن ماجہ ۱۳۱/۲)

آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تین دن کیلئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر آپ ﷺ نے اسے حرام فرما دیا۔ بخدا جس نے بھی متعہ کیا اگر وہ شادی شدہ ہوا تو میں اسے سنگسار کر دوں گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال پیدا ہوتا ہے کیا حرمتِ متعہ کی طرح طلاق ثلاثہ کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے کوئی حدیث نسخ بیان کی تھی؟ (مین طلاقیں ص ۴۷)

۵۔ بعض نے اس روایت کو مضطرب کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔ سند میں اس طرح کہ کبھی طاؤس ابن عباسؓ سے بلا واسطہ روایت کرتا ہے اور کبھی درمیان میں ابو الصہباء کا واسطہ ہے اور حاکم میں ابو الصہباء کی بجائے عن ابی الجوزاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے متن میں یوں اضطراب ہے کہ ابو الصہباء کی مسلم والی روایت مطلق ہے لیکن اس سے مروی ابوداؤد کی روایت میں "قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا" کی قید موجود ہے جیسا کہ بعض کا مذہب بھی ہے اور شاید یہی وجوہات ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی کتاب میں نہیں لائے بلکہ برعکس اس کے باب یوں باندھا ہے۔ «بَابُ مَنْ جَوَّزَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾».

جواب: اتنی سی بات پر ایک اچھی خاصی حدیث کو ناقابل عمل ٹھہرا دینا سراسر ناانصافی ہے جب کہ تمام رُواۃ اعلیٰ درجہ کے حُفّاظ ہیں۔ کسی حدیث کے مطابق عمل نہ ہو تو الگ بات ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحیح حدیث ہی کو خواہ مخواہ کمزور ثابت کرنے کے درپے ہو جانا چاہیے۔ خود امام احمدؒ طلاق ثلاثہ واقع ہو جانے کے قائل تھے اور جب ان سے اس حدیث کی بابت پوچھا گیا کہ اس کا کیا کیجئے گا۔ تو انہوں نے اس کے اضطراب یا ضعیف ہونے کی طرف مطلق اشارہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ جواب دیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مختلف ہے۔

ابو الصہباء: بات صرف یہ ہے کہ طاؤس، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بہترین شاگرد تھے اور انہوں نے ان سے بلا واسطہ روایت کی ہے اور ابو الصہباء کا درمیان میں واسطہ ہونا کوئی ضرر رساں نہیں۔ دونوں روائتیں صحیح ہیں۔ یہ وہم کہ ابو الصہباء نے جس وقت ابن عباسؓ سے سوال کیا تھا نہ جانے اس وقت طاؤس حاضر تھے یا نہیں، فضول ہے کیونکہ یا تو اسی روایت پر مسئلہ کی بناء ہو جب عن طاؤس عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بصورت اِخبار صحیح حدیث مروی ہے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے۔ صحیح کنیت ابو الصہباء ہے اس کی تائید موجود ہے عبد اللہ بن مؤمل نے غلطی سے ابوالجوازاء کہہ دیا ہے اگر بالفرض ابو الجوزاء بھی ہو تو فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ حدیث کو مزید تقویت مل گئی۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ قَدْ رَوَاهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، طَاؤسٌ وَهُوَ أَجَلُّ مَنْ رَوٰى عَنْهُ، وَأَبُوالصَّهْبَاءِ الْعَدَوِيُّ وَأَبُوالْجَوْزَاءِ، وَحَدِيْثُهُ عِنْدَ الْحَاكِمِ فِي الْمُسْتَدْرَكِ.

(اِغاثہ اللھفان ۱/۲۸۵)

اس حدیث کو ابن عباسؓ سے تین آدمیوں نے روایت کیا ہے ایک طاؤس جو ان سب میں بہترین راوی ہیں دوسرے ابوالصہباء اور تیسرے ابوالجوزاء، ان کی حدیث مستدرکِ حاکم میں ہے۔

وہ حدیث یوں ہے:

عَنْ أَبِيْ مُلَيْكَةَ أَنَّ أَبَا الْجَوْزَاءِ أَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: أَتَعْلَمُ أَنَّ ثَلَاثًا

ابو الجوزاء نے ابن عباسؓ سے آکر کہا آپ کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كُنَّ يُرَدُّوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى وَاحِدَةٍ؟ قَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْإِسْنَادِ. (۱۹۶/۲)	کے زمانہ میں (ایک مجلس کی) تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا؟ فرمایا ہاں۔ امام حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

علامہ سید احمد شاکر فرماتے ہیں:

وفی إسناده عبد الله بن المؤمل تکلم فيه بعضهم. والحق أنه ثقة. اس سند میں عبداللہ بن مؤمل پر بعض نے جرح کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔

یعنی طاؤس کے علاوہ ابوالصہباء یا ابوالجوزاء بھی راوی ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ انہوں نے سائل کی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ کی وضاحت پوچھی اور ان سے اس کی تصدیق چاہی انہوں نے تصدیق کی اور وہ الفاظ بھی دہرا دیے جو انہوں نے سوال میں بیان کیے تھے اس طریقِ روایت کو صیغہ ادا کا کم از کم دوسرا مرتبہ یعنی اَخبرَنی وقرأت علیہ حاصل ہو گیا ہے جسے حافظ ابن حجرؒ نے شرح نُخبہ میں بھی بیان فرمایا ہے۔

۶- حدیث ابن عباسؓ پر ایک یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ صرف صحیح مسلم میں ہے اگر بالکل صحیح ہوتی تو اسے امام بخاریؒ بھی اپنی صحیح میں لاتے۔

جواب: امام بخاریؒ نے یہ کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ انہوں نے کل احادیث صحیح کا احصاء کر لیا ہے کہ باقی سب کو ضعیف قرار دیا جائے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی ایسی احادیث کو صحیح کہتے ہیں جو بخاری شریف میں موجود نہیں اور ان سے استدلال فرمایا ہے وہ دراصل بخوفِ طوالت بہت سی احادیث اپنی مختصر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نہیں لائے' خود مقلدین اسی حدیث کے آخری حصہ کو اپنے حق میں اِجماع کا دعوی کرتے ہیں اگر اس کی صحت میں شبہ کیا جائے تو انکا اپنا اِجماع بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے بلکہ اِجماع کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آ گرتی ہے۔صحابہ کرام کے فرضی اجماع کی دلیل اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی نہیں ہے۔

۷- یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ مسئلہ کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر چاہیے تھا کہ یہ حدیث نہایت مشہور ہوتی۔یعنی اسے روایت کرنے والے کئی ایک ہوتے۔اور واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔اور ان سے روایت کرنے والے صرف طاؤس ہیں۔

جواب: یہ کوئی اصول ہوتا تو اس پر بحث مناسب تھی۔ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اس حدیث کے راوی ہوں۔طاؤس جیسا ثقہ تابعی ان سے روایت کرے۔اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اسے اپنی صحیح کی زینت بنائیں۔پھر کوئی نہایت ہی بے ادب آدمی اس حدیث پر شک کرسکتا ہے۔

والیٔ بھوپال نواب صدیق الحسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بعد ورود ایں حدیث در مسلم چہ جائے ایں سخن است کہ ایں حدیث مختلف فی الصحت است''۔(مسک الختام ۲/۷۷)

مسلم شریف میں آ جانے کے بعد اس حدیث کو مختلف الصحۃ بتلانا انتہائی بے موقع ہے۔

امام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وهذا مجرد استبعاد فانه كم من غیر مشہور ہونے کا اِعتراض انتہائی لغو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنة وحادثة انفرد بها راو ولا يضر سيما مثل ابن عباس بحر الأئمة. (سُبل السلام ۳/۱۷۰)	ہے کئی واقعات میں ایک راوی ہوتا ہے اور اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا بالخصوص جہاں بحر الأئمۃ ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے راوی موجود ہوں۔

امام زہریؒ نے ساٹھ کے قریب ایسی احادیث بیان کی ہیں۔جن میں وہ تنہا راوی ہیں۔لیکن امت نے انہیں قبول کیا ہے۔(اغاثہ ۱/۲۶۱) کیا اُن کا انکار کر دیجیے گا۔حیرت تو یہ ہے یہ اعتراض ان لوگوں نے اٹھایا ہے جو اپنے مسلک کی تائید میں ضعیف بلکہ موضوع روایات تک بیان کر دینے سے گریز نہیں کرتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وليس الشاذ أن ينفرد الثقة برواية الحديث بل الشاذ أن يروى خلاف ما رواه الثقات. (اغاثۃ اللھفان ۱/۲۶۱)	شاذ روایت وہ نہیں ہوتی جس میں کوئی ثقہ راوی منفرد ہو بلکہ وہ ہوتی ہے جس میں راوی ثقات کی مخالفت کرے۔

مطلب یہ ہے تفرد میں اگر شذوذ پایا جاتا ہو۔یعنی ثقہ سے اَوثق کی مخالفت ہوتی ہو تو الگ بات ہے لیکن بحمد اللہ یہاں ایسا کوئی اندیشہ نہیں۔اس باب میں ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کی سکتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ حضور علیہ السلام نے اکٹھی تین طلاقوں کو تین ہی رہنے دیا ہو۔پھر رکانہؓ والی حدیث جو اوپر مذکور ہوئی ہے وہ بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ہے اور اس میں طاؤس کی بجائے عکرمہ راوی ہے۔اور پھر ابو الصہباء اور ابو الجوزاء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی تو راوی ہیں۔

۸۔ بعض کہتے ہیں حدیث میں یہ الفاظ نہیں کہ حضور ﷺ تین کو ایک قرار دیتے تھے بلکہ یوں ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں ایسا ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم از خود ایسا کرتے ہوں۔ اور نبی علیہ السلام کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو تو اس روایت کی حیثیت مرفوع حدیث کی نہ رہ گئی۔

جواب: یہ تو نہایت مہمل سا اعتراض ہے بیک وقت طلاق ثلاثہ کے بعد رجوع اگر ناجائز ہے تو ''زنا'' ہوگا۔ جو ایک سنگین جرم سے کم نہیں۔ ابن عباسؓ کی حدیث کے بموجب عہد نبویؐ میں ایسا ہوتا رہا۔ زمانہ وحی کا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس بے شرمی کو دیکھ رہا ہو۔ پھر اس کے خلاف کوئی حکم نازل نہ ہو۔ تعجب خیز ہے حالانکہ نبی علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ﴿يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ﴾ آپؐ ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتے ہیں۔

پھر نہ صرف حضور ﷺ کے زمانہ میں بلکہ پورے عہد صدیقی رضی اللہ عنہ اور شروع خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں اس مسئلہ پر عمل ہوتا رہا۔ یہ صحابہ کرامؓ کا مقدس دور تھا۔ تو کیا ان کی موجودگی میں یہ بے شرم حرکت ہوتی رہی۔ اور زمانہ خاموش رہا۔ کیا ہم ایک منٹ کیلئے بھی یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ایسے اہم مسئلہ پر صحابہؓ سکوت اختیار کر سکتے تھے (بتائیے کیا یہ مکمل سکوت اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کے ایک ہونے پر دلیل اجماع ہے؟) یہ حدیث حکماً مرفوع ہے اور ایسے ہی ہے جیسے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے زمانہ وحی میں کسی عمل پر نوٹس نہ لیا جانا اس کے صحیح ہونے کی سند ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومثال المرفوع من التقرير حكما ان يخبر الصحابي انهم كانوا يفعلون في زمان النبي ﷺ كذا فانه يكون له حكم المرفوع من جهة ان الظاهر اطلاعه ﷺ على ذلك لتوفر دواعيهم على سؤاله عن امور دينهم ولأن ذلك الزمان نزول الوحي فلا يقع من الصحابة فعل شي ويستمرون عليه الا وهو غير ممنوع الفعل وقد استدل جابر بن عبدالله وابوسعيد رضی اللہ عنہما على جواز العزل بانهم كانوا يفعلونه والقرآن ينزل ولو كان مما ينهى عنه لنهى القرآن.

(شرح نخبہ ۸۷)

حکما مرفوع تقریری کا مطلب یہ ہے کہ صحابی کہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ ایسا کرتے تھے۔ ایسی روایت بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگی کیونکہ صحابہ کرام کو آپ سے بکثرت مسائل پوچھنے کا موقع ملتا رہتا تھا اور اس لیے بھی کہ وہ زمانہ وحی کا تھا لہذا ناممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی فعل بلکہ اس پر دوام واستمرار سرزد ہو اور وہ منع بھی ہو حضرت جابر بن عبد اللہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما نے عزل کے جواز پر صرف اس بات سے استدلال کیا ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اگر یہ ممنوع ہوتا تو قرآن اس سے منع کر دیتا۔

شرح نُخبہ کے حاشیہ پر دو مثالیں اور بھی دی گئی ہیں۔

كنا ناكل لحوم الاضاحي على عهد النبي ﷺ ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں قربانیوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ كنا ناكل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لحوم الخيل على عهد رسول الله ﷺ ہم حضور ﷺ کے عہد میں گھوڑے کا گوشت کھالیا کرتے تھے۔

نماز مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے متعلق حضرت عقبہؓ سے روایت ہے۔

كنا نفعله على عهد رسول الله ﷺ قلت ما يمنعك الآن؟ قال الشغل. (بخاری)

ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ پڑھتے تھے میں (مرثد بن عبد اللہ) نے کہا اب کیا رکاوٹ ہے؟ جواب دیا مصروفیت۔

ائمہ کرام کے نزدیک اس قسم کی احادیث مرفوع کے حکم میں شمار ہوتی ہیں۔ (تین طلاقیں ص ۵۸)

۹۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ابوالصہباء کے الفاظ ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر واحدة؟ کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آج جو تین طلاقیں دی جاتی ہیں ماضی میں ایک ہی دینے کا رواج تھا یعنی اس وقت لوگ اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہی نہیں تھے جب ایسا کرنے لگ گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے الفاظ کے مطابق حکم جاری کر دیا۔ اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہیں کی۔ نہ کوئی مختلف حکم نافذ کیا۔

جواب: اس مفہوم نے حدیث کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔ دوسری احادیث کو بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے تو اس ڈھکوسلے کی قطعاً تائید نہیں ہوتی۔

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ:

ان أبا الصهباء قال لابن عباس ابوالصہباء نے ابن عباسؓ سے کہا آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وثلاثا من إمارة عمر؟ فقال ابن عباس: نعم.
(مسلم ۱۰/۷۰، ابوداود ۱/۳۰۶)

کو معلوم ہے کہ نبی علیہ السلام کے زمانہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں، اور عہد فاروقی کے ابتدائی تین سالوں میں تین طلاقیں ایک قرار دی جاتی تھیں؟ ابن عباس نے جواب دیا: ہاں۔

اس میں صراحت ہے کہ عہد نبوی ﷺ، عہد ابی بکر رضی اللہ عنہ اور شروع خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں اکٹھی تین طلاقیں دی گئی ہیں۔ جنہیں ایک شمار کیا گیا۔ اس بات کا انکار سراسر تَجاہُلِ عارِفانہ ہے۔ محمود بن لبید کی حدیث سے کون واقف نہیں۔ اس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے جب اکٹھی تین طلاقیں دیں۔ تو نبی علیہ السلام نے «أ يلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم»، کہہ کر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ نیز اس خیال کے حاملین خود عُویمر عجلانی کی لعان والی حدیث سے اکٹھی تین طلاقیں واقع ہو جانے پر استدلال کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں: فطلقها عويمر ثلاثا قبل ان يامره النبي ﷺ. (بخاری) پیشتر اس سے کہ نبی علیہ السلام اسے حکم دیں اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں۔ پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اکٹھی تین طلاقیں نہیں دی گئیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ”فلو أمضيناه“، کہنا اس قسم کے تمام توہمات کو دور کر دیتا ہے۔ جو خود بھی ایک دوسرے کی ضد اور تردید ہیں۔

تاویل ھذا کے متعلق علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فيشكل اذ لا يتجه حينئذ، قوله فامضاه عمر.

یہ مشکل ہے اس لیے کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول ”فلو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أمضيناه‘‘ کی کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی۔

روح المعانی (۲/۱۳۷) میں ہے:

فهو تأويل بعيد لا جواب حسن فضلا عن كونه احسن.

یہ بعید تاویل ہے کوئی اچھا جواب نہیں کجا یہ کہ بہت ہی اچھا ہو۔

مصنف سبل السلام (۱/۱۷۱) نے بھی اس تاویل کا سختی سے رد کیا ہے بعض لوگ کچھ کتابوں میں تردید کیلئے بیان کی گئی عبارتوں کو بھی خیانۃً مصنفین کے کھاتہ میں ڈال کر اپنے نمبر بڑھا لیتے ہیں۔اس بے جان جواب کے متعلق حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

بمنزلة أن يقول في الزنى وقتل النفس وقذف المحصنت لو حرمناه عليهم فحرمه عليهم وبمنزلة أن يقول في وجوب الطهر ووجوب شهر رمضان والغسل من الجنابة لو فرضناه عليهم ففرضه عليهم. (اغاثہ ص ۲۲۸)	یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی زنا، قتل یا تہمت جیسے جرائم کے متعلق کہے ہمیں انہیں حرام کر دینا چاہیے پس وہ انہیں حرام کر دے۔ یا طہارت، یا وجوب رمضان یا غسل جنابت جیسے فرائض کے متعلق کہے ہمیں فرض کر دینا چاہیے پس وہ انہیں فرض کر دے۔

یعنی جو شے پہلے ہی شرعاً حلال یا حرام ہو اُسے کسی اور کا حلال یا حرام کرنا چہ معنی دارد اور اسے حق بھی کیا ہے؟

بات یہ ہے اگر یہ حکم از روئے شریعت ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شارع نہیں تھے جو اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرتے۔وہ ایک حاکم تھے۔ جسے ضرورت تعزیر کا حق ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ حضور رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے یکبارگی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین طلاقوں کا ایک قرار دیا جاتا رہا۔ تین کو تین رکھنے کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جانب سے خود کیا۔

۱۰- بعض نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ حدیث مذکور میں تین سے مراد بتّہ طلاق ہے کہ پہلے جب بتّہ طلاق دی جاتی تھی تو طلاق دینے والے سے پوچھا جاتا تم نے کتنی طلاقیں مراد لی ہیں؟ وہ اگر ایک کہتا تو اعتبار کر لیا جاتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتّہ کو تین ہی قرار دیا۔

جواب: یہ مفہوم ظاہر کے بالکل خلاف ہے۔ نیز گزشتہ بحث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاقیں دی گئی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ”كانت لهم فيه أناة ...... الخ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مہلت تھی جسے ختم کیا گیا۔ (تین طلاقیں ص ۶۴)

۱۱- کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس روایت کے خلاف فتویٰ دیا ہے جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا حدیث ابن عباسؓ پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟ فرمایا ان کا فتویٰ ہے۔ لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں رہی۔

جواب: اس کا جواب جو حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اعتبار راوی کی روایت کا ہوتا ہے نہ راوی کی رائے کا کیونکہ رائے میں احتمالِ نسیان ہوتا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

وأجيب بأن الاعتبار برواية الراوي لا برأيه. (فتح الباری ۹/۲۹)	جواب دیا گیا ہے کہ اعتبار راوی کی روایت کا ہوتا ہے نہ اس کی رائے کا۔

یہ جواب علی صورۃ التسلیم ہے یعنی یہ مان لیا جائے کہ واقعی حضرت ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عباس ؓ نے اپنی روایت کے خلاف فتوی دیا ہے حالانکہ یہ بات قطعاً صحیح نہیں۔ کیونکہ ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے یہ روایت کی ہے۔

عن عِكرِمة عن ابن عباس رضي الله عنهما إذا قال أنت طالق ثلاثا بفم واحد فهي واحدة وهذا الإسناد على شرط البخاري. (اغاثۃ اللھفان ۱/۳۳۹)

عِکرمہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی اپنی بیوی کو کہے کہ تجھے تین طلاق ہیں تو وہ ایک طلاق ہوگی۔ یہ اسناد بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوی اپنی روایت کے مطابق ہے۔ لہٰذا یہی فتوی معتبر ہوگا۔

بالفرض اگر یہ فتوی نہ بھی ہوتا تب بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا ہی اعتبار کیا جاتا نہ کہ آپ ؓ کی رائے کا۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ مزید سنیں حضرت طاؤس نے اللہ تعالی کی قسم اٹھا کر کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوی تین طلاقوں پر ایک طلاق کا تھا۔ دیکھو اسی کتاب کے اسی صفحہ پر یہ عبارت ہے:

قال عبدالرزاق أخبرنا معمر عن أيوب قال دخل الحَكم بن عيينة على الزهري بمكة وأنا معهم فسألوه عن البِكر تطلق ثلاثا فقال سئل عن ذلك ابن عباس وأبوهريرة وعبدالله بن

عبدالرزاق نے کہا ہمیں خبر دی معمر نے اس نے ایوب سے، ایوب نے کہا حکم بن عیینہ، زُہری پر داخل ہوا مکہ کے اندر اور میں ان کے ساتھ تھا انہوں نے زہری سے باکرہ لڑکی جس کو تین طلاقیں دی گئیں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمر فكلهم قالوا لا تحل حتى تنكح زوجا غيره قال فخرج الحكم وأنا معه فأتى طاؤسا وهو في المسجد فاكب عليه فسأله عن قول ابن عباس فيها وأخبر بقول الزهري قال لو رأيت طاؤسا رفع يديه تعجبا من ذلك وقال والله ما كان ابن عباس يجعلها إلا واحدة.

(اغاثۃ اللہفان ۱/ ۳۲۹)

بارے میں پوچھا تو اس نے کہا یہی مسئلہ ابن عباس، ابوہریرہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا تو سب نے کہا وہ اس کیلئے حلال نہیں۔ جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ ایوب نے کہا پس حکم نکلا اور میں اس کے ساتھ تھا طاؤس کے پاس آیا اور اس کو زُہری کی بات بتائی ایوب نے کہا میں نے طاؤس کو دیکھا تعجب سے ہاتھ اٹھایا اور کہا اللہ کی قسم ابن عباس رضی اللہ عنہ ان تینوں کو تین نہیں بناتے تھے مگر ایک۔

اسی طرح ایک تیسرا حوالہ بھی ملاحظہ کیجئے:

أخبرنا ابن جريج وأخبرني حسن بن مسلم عن ابن شهاب أن ابن عباس قال إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا ولم يجمع، كن ثلاثا. قال: فأخبرت طاؤسا، فقال: والله ما كان ابن عباس يراهن إلا واحدة.

ہمیں خبر دی ان جریج نے کہا مجھے خبر دی حسن بن مسلم نے ابن شہاب سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے لیکن اکٹھی تین نہ دے تو وہ تین ہونگی؟ کہا میں نے طاؤس کو یہ بات بتائی، اس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کو ایک سمجھتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی جب تین علیحدہ علیحدہ الگ مجلسوں میں ہوں تو تین ہونگی لیکن اگر تین اکٹھی ہونگی تو وہ ایک ہوگی یہی بات ہے جس پر طاؤس نے قسم کھائی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ایسی تین کو ایک بناتے تھے اب تین روایتوں سے ثابت ہو گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی بھی روایت کے مطابق تھا۔

امام بخاری کی تبویب: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے "باب من اجاز الطلاق الثلاث" بعض حضرات نے امام بخاری رضی اللہ عنہ کے اس ترجمۃ الباب سے بھی استشہاد کیا ہے کہ طلاقِ ثلاثہ نافذ ہوتی ہے۔ لیکن اہل علم سے مخفی نہیں کہ ترجمۃ الباب اور اس کے تحت مندرجہ احادیث دونوں ہی اس کی تائید سے خاموش ہیں۔ کیونکہ ترجمۃ الباب عام ہے اور طلاق ثلاث کی جملہ اقسام کو شامل ہے خواہ وہ بیک وقت دی گئی ہوں یا مختلف اوقات میں۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب کے بعد سب سے پہلے آیت ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ ذکر فرمائی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ طلاق جس کے بعد تک رجعت کی گنجائش باقی رہتی ہے وہ ایسی طلاقیں ہیں جو مرۃ بعد مرۃ۔ طہراً بعد طہر دی گئی ہوں۔ اس کے بعد حدیث لعان عویمر عجلانی «فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ». پھر بطریق عروہ بن زبیر، حدیث عائشہ، قصۂ زن رفاعہؓ درج فرماتے ہیں اس کے بعد متصلا حدیث عائشہ بطریق قاسم بن محمد عن عائشة أن رجلا طلق امرأته ثلاثا. جس سے مقصود یہ ہے کہ حدیث عروۃ میں جو اجمال تھا حدیث قاسم میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ پھر اسی حدیث عائشہ کو کتاب الادب میں ذکر فرماتے ہیں کہ «فطلقها آخر ثلاث تطليقات». یعنی رفاعہ نے اپنی بیوی کو یہ طلاقیں مختلف اطہار میں دی تھیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری رحمہ اللہ کا مقصد طلاقِ بدعی کا جواز ثابت کرنا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی تردید کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی تائید اور امام شافعی کے مذہب کے مستدل کا بیان ہو جائے اور ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ فی نفسہٖ طلاق ثلاثہ مجموعہ لغو ہوتی ہے یا لاگو، مولانا احمد علی صاحب نے اپنے حاشیہ بخاری میں فتح الباری صفحہ۲۲/۱۶۶ سے حافظ ابن حجر کا کلام متعلق شرح حدیث عائشہ بابت قصہ زن رفاعہ قرظی نقل کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

يحتمل أن يكون المراد أى بقوله: «فبت طلاقى» إنه طلقها طلاقا حصل به قطع عصمتها وهو أعم من أن يكون طلقها ثلاثا مجموعة أو متفرقة، ويؤيد الثانى أنه سياتى فى كتاب الأدب من وجه آخر أنها قالت طلقنى آخر ثلث تطليقات وهذا يرجع أن المراد بالترجمة بيان من أجاز الطلاق الثلاث ولم يكرهه ويحتمل أن يكون مراد الترجمة أعم من ذلك وكل حديث يدل على حكم فرد من ذلك. (بخاری۲/۷۹۱)

یہاں پر یہ بھی احتمال ہے کہ ترجمۃ الباب کی مراد عام ہو اور باب کی ہر حدیث اس عام کے کسی نہ کسی فرد خاص کے حکم سے تعلق رکھتی ہو۔

حاصل الکلام یہ ہے کہ بخاری شریف کا ترجمۃ الباب عام ہے اور اسکے اندر کی کوئی بھی حدیث طلاقِ بدعی کے وقوع و عدم وقوع سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ آخری دونوں حدیثوں کے اندر زوجِ اول کی طرف لوٹنے کے بارے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِستفسار دِاِسترشاد ہے جو خود اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کے شوہروں نے ان کو مسنون طریقہ پر متفرق اطہار میں تین طلاقیں دی تھیں اور انہوں نے بعد اِنقضاءِ عدت دوسرے شوہروں سے نکاح کیا تھا۔ بخاری شریف، مسلم شریف اورسنن کبریٰ بیہقی میں اور مولانا احمد علیؒ کے حاشیہ بخاری نیز فتح الباری میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

تنبیہ: اگر کسی کو خواہ مخواہ اصرار ہو کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب اور اس کے تحت درج حدیثوں کا منشا یہی ہے کہ طہر واحد کی تین طلاقیں مباح اور نافذ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قول رسول ﷺ کی اطاعت کے مکلّف ہیں، ہر بزرگ اور ہر شیخ یا امام کی اطاعت و پیروی کے مکلّف نہیں۔ علامہ ابن حزم کا مشہور سخن تکیہ ہے کہ ''آنحضرت ﷺ کی ذات والا کے علاوہ کسی کا قول وفعل حجت نہیں''۔ (المحلّی)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما جاءنا من رسول الله ﷺ فعلى الرأس والعين وما جاءنا عن الصحابة اخترنا، وما جاءنا عن التابعين فهم رجال ونحن رجال. (عِقد الجِيد للشاه ولی الله)

یعنی معیارِ حق صرف ذاتِ خداوندی ہے اور ذاتِ نبوی ﷺ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اقدام شرعی تھا یا تعزیری؟ اگر دل و دماغ کو تقلیدی جُمود سے پاک کر کے اور بنظرِ انصاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اِقدام اور فتوی پر نظر ڈالی جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محض اجتہاد تھا جس کے ذریعہ وہ طلاق کے مسئلہ پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق عوام کو تربیت دینا چاہتے تھے اور یہ محض ان کی تربیت اور خلوص ہی کا جذبہ تھا کہ وہ اس مسئلہ میں شدت وسختی برتتے تھے۔ تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت اور سہولت سے فائدہ اٹھالیں جو باری باری، الگ الگ مدتوں میں طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ نے ملحوظ رکھی ہے اور محض اسی مصلحت کے پیش نظر عام صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں موجود تھے آپ رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد پر سکوت اختیار کیا۔ کیونکہ وہ خلیفۂ وقت کو اس مصلحت کا اہل سمجھتے تھے۔ اس طرح یہ عدمِ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کا محض سکوت تھا جسے لوگوں نے اجماع تصور کرلیا۔

اس موقع پر ایک سچا مومن اس سے زیادہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کے ایک ہنگامی اور وقتی حالت تھی جس کے سدھار کی طرف امیر المومنین نے قدم اٹھایا تھا ورنہ جب صحیح حدیث آجائے تو ہر امتی کا فرض ہے کہ وہ بلاچوں وچرا اس پر عمل کرے اور اس کے خلاف ہر چیز کو ترک کردے خواہ وہ کسی کی ہو، یا کہی ہوئی ہو۔

یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک رجعی ہونے پر متفق ہی تھے تو اس اجماع کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتوی کیوں دیا؟ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِجماعِ قدیم کی مخالفت ہرگز نہیں کی۔ بلکہ ان کا حکم محض تہدید وتنبیہ اور تربیت وسیاست کی بنا پر تھا تاکہ لوگ جان جائیں کہ یہ غیر شرعی طریقہ پر طلاق دینے کی سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رخصت نہ قبول کرنے اور حکمِ الٰہی کی حکمتوں کو پامال کرنے پر یہ سرکاری مواخذہ ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن سزائیں زمانوں اور اشخاص کی تبدیلی کے ساتھ بدل بھی جاتی ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو جاری کرتے وقت یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور آپ کی حدیث ہے بلکہ صراحت کر دی تھی یہ میرا شخصی، تعزیری حکم ہے جس کا قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ طلاق کے بارے میں اللہ کی دی ہوئی رخصت اور سہولت کے استعمال اور تحفظ کیلئے یہ محض، ایک انسانی تدبیر ہے جسے شریعت اور دین کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس کے خلاف آیاتِ قرآنی احادیثِ صحیحہ اور امت کا اِجماعِ قدیم موجود ہے۔

چند علماء کرام کی آراء: اب ان چند علماء کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں جنہوں نے طلاق کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اِقدام اور ان کے فتویٰ کو سیاست اور زجر و تعزیر پر محمول کیا ہے۔

۱۔ علامہ قُہستانی لکھتے ہیں:

اعلم أن فی الصدر الأول إذا أرسل الثلاث لم يحكم إلا بوقوع واحدة إلى زمن عمر رضی اللہ عنہ ثم حكم بوقوع الثلاث سياسةً وتهديدا لكثرته بين الناس. (جامع الرموز، ص ۳۲۱)

۲۔ مجمع الانھُر شرح ملتقی الاَبحُر (ص ۳۲۸) پر بھی یہی بات ذکر کی گئی ہے اور علامہ طحطاوی نے بھی حاشیہ درمختار (۲/۱۰۴) میں اس کو نقل فرمایا ہے:

''یعنی صدرِ اول میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک اگر کوئی شخص دفعۃً تین طلاق دے دیتا تو صرف ایک طلاق کے وُقوع کا حکم کیا جاتا تھا لیکن لوگوں نے کثرت سے ایسا کرنا شروع کر دیا تو سیاسۃً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وتعزیراً تین طلاق کے وقوع کا حکم کیا جانے لگا۔“

ان فقہاء احناف کے علاوہ عصرِ حاضر کے علماء میں سے علامہ شبلی نعمانی اور محمد تقی صاحب امینی نے بھی اس کو حضرت کے ”اَوّلیات“ سے شمار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الفاروق اور ”علوم شرعیہ“)

۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فإنه لما رأى الناسَ قد أكثروا مما حرمه الله عليهم من جمع الثلاث ولا ينتهُون عن ذلك إلا بعقوبة رأى عقوبتهم بإلزامها لئلا يفعلوها. (مجموع فتاوی ج۳۳/ص۱۵)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ اکٹھی تین طلاق کثرت سے دینے لگے ہیں حالانکہ ایسی طلاق کو اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ لوگ سزا دیئے بغیر اس سے باز نہیں آئیں گے تو انہوں نے اس کام سے روکنے کیلئے بطور سزا تین طلاق کو تین ہی نافذ کر دیا۔

۴۔ شیخ الاسلام حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاقِ ثلاثہ کو عقوبت کے طور پر لازم کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا حرام ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ امامِ وقت کیلئے یہ جائز ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو تادیب وعقوبت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت واپس لے لے اور شدت اور سختی کی پالیسی اختیار کرے۔ ائمہ نے ایسا کیا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا شخص جس کی نگاہ امت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے تأدیب پر بہت زیادہ تھی اس فعل حرام کے شیوع عام پر ایسا کیوں نہ کرتا۔ اختلافِ اشخاص وازمنہ کے ساتھ مختلف ہوتی رہتی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فعل کے جواز میں یہ کبھی نہیں کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ یہ صرف ان کی رائے ہے۔ جو امت کی مصلحتِ عمومی کے بنیاد پر انہوں نے قائم کی تھی جو انہیں اِیقاعِ طلاقِ ثلاثہ میں جلد بازی سے روکنے کیلئے کافی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا ''بہتر ہو کہ ہم اسے (تین طلاقیں ایک دفعہ) ان پر عائد کردیں''۔

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کے رائے تھی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھی۔ (زادالمعاد، ۵/۲۷۰)

۵- مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی فاضل دیوبند فرماتے ہیں:

''ہمارے احناف بھی مثلاً قہستانی اور طحطاوی وغیرہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صدر اول میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی۔ (مجموعہ مقالات علمیہ ص ۲۱)

۶- مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرماتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام بے وجہ نہیں تھا بلکہ لوگوں نے کسی وجہ سے ایک راہ جلد بازی کی اختیار کررکھی تھی جو سراسر قرآن کے منشأ ومقصد کے خلاف تھی۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو متنبہ کرنے کے خیال سے یہ اقدام فرمایا تاکہ انہیں محسوس ہو کہ اس جلد بازی کے باعث انہوں نے کس طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریعت کے یُسر کو اپنے لے عُسر بنالیا ہے۔ اور اس باب میں
ان کا حال ان بنی اسرائیل کا سا ہوگیا ہے جن کی نسبت قرآن
مجید میں فرمایا گیا کہ اللہ نے سب کھانے کی چیزیں ان لوگوں
کیلئے حلال کی تھیں مگر جب انہوں نے خود اپنے اوپر بعض چیزیں
حرام کرلیں تو اللہ تعالی نے بھی ان پر ان چیزوں کو حرام کردیا۔"

اب رہی یہ بات کہ وہ وجہ آخر کیا تھی جس کے باعث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے جلد بازی کی راہ اختیار کی تھی؟ اس سوال کے جواب میں عہد حاضر کے مشہور اور بلند پایہ مصنف محمد حسین ہیکل اپنی معرکۃ الآراء کتاب عمر الفاروق میں لکھتے ہیں:

"غالب گمان یہ ہے کہ عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے وہ طلاق دینے کے بعد ان سے شفقت اور نرمی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ عراق و شام کی کنیزیں بکثرت آ گئی تھیں اور مدینہ اور جزیرۃ العرب کے لوگ ان پر فریفتہ تھے اور وہ اپنی ان من موہنیوں کو خوش کرنے کیلئے بیویوں کو بعُجلت و شدت بیک لفظ تین طلاقیں دینے لگے تاکہ ان کی محبوبہ کو اطمینان ہو جائے کہ اب وہ ان کے دل پر تنہا قابض ہے اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جن کے باعث صدر اول کے مسلمانوں کی ایک جماعت نے طلاق ثلاثہ کو از راہِ بے پروائی و ایذا رسانی، ایک ہنسی کھیل بنا لیا تھا۔ ان میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب کوئی مرد کسی آزاد عربی یا عجمی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا تو وہ یہ شرط پیش کرتی تھی کہ مرد اپنی بیوی کو تین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلاقیں دے تاکہ وہ اس کیلئے حلالہ کے بغیر حلال ہی نہ ہو سکے۔
اب اگر حلالہ کے بعد شوہر اپنی پہلی بیوی سے مراجعت کرتا بھی تھا تو اس سے گھر میں ایسی بدمزگی پیدا ہوتی تھی کہ زندگی اجیرن بن جاتی تھی۔
غرض کہ اس قسم کے اسباب تھے جن کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کیا کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعۃً واحدۃً دی جائیں گی ان کا حکم طلاقِ مغلّظہ ہونے میں وہی ہوگا جو اُن تین طلاقوں کا ہے جو طلاقِ سنت کے مطابق تین طہروں میں دی گئی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا جو شخص نکاح کی گرہ کو اتنا بے حقیقت سمجھتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالتا ہے وہ بے حس اور یاوہ گو انسان ہے اور اسے اس بے حسی اور یاوہ گوئی کی سزا ملنی چاہیے۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے اور اس سے خود حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا قول کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک ایک اور چیز بھی ہے جو اس موقع پر پیش نظر رہنی چاہیے اور وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس جب کبھی مُحَلِّل اور مُحَلَّلُ لَہٗ لائے جائیں گے میں ان دونوں کو رجم کردوں گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عرب سوسائٹی میں تحلیل کا رواج ہوتا جا رہا تھا اور اسی رواج کے زیر اثر لوگوں نے عُجلت پسندی کی راہ سے بیک وقت تین طلاقیں دینے کا طریقہ اختیار کرلیا ہوگا۔ اور ظاہر ہے یہ رواج معاشرہ میں جنسی بے راہ راوی اور اخلاقی انحطاط کا ایک ایسا ہی بڑا ذریعہ بن سکتا ہے جیسا کہ متعہ۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا پر جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے اس طرح طلاق کی کثرت اور اس کے اثرات مابعد سے جو صورت حال پیدا ہوتی جا رہی تھی اس کے انسداد کی یہ شکل نکالی کہ ایک طرف ایک ہی مجلس میں اور دفعۃً دی گئی تین طلاقوں کا حکم طلاقِ مُغلّظہ قرار دے دیا اور دوسری جانب تحلیل کو بالکل ممنوع اور حرام قرار دیا۔

چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«زواج المحلل حرام بإجماع الصحابة».

اور شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں:

«إن نكاح التحليل شر من المتعة وأشد فسادا وعارا».

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام ایک سخت قسم کی معاشرتی خرابی کو روکنے کیلئے ایک ایسا ہی اجتہاد تھا جیسا کہ ان کے دوسرے اجتہادات تھے۔

جناب مولانا عمر احمد عثمانی رقمطراز ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے کیسے قائم فرمائی اور اسے لوگوں پر نافذ فرما دیا باوجودیکہ یہ بات ظاہر نص اور حکمت کے بالکل خلاف تھی؟ ضروری ہے کہ ہم یہ معلوم کرنے کیلئے آیت کے نزول کے سبب کی طرف رجوع کریں۔ گمان غالب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے وہ عورتوں کے ساتھ انہیں طلاق دے دینے کے بعد رحمدلی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ عراق اور شام سے گرفتار ہو کر آنے والی عورتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور مدینہ والے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزیرۃ العرب کے باشندے ان پر فریفتہ ہو رہے تھے تو یہ لوگ اپنی بیویوں کو جلد جلد طلاقیں دے رہے تھے تاکہ اپنی محبوب اور پسندیدہ عورتوں کو رضا مند کرنے میں مبالغہ سے کام لیں اور وہ اپنی بیویوں کو تین طلاقیں ایک لفظ کے ساتھ دے دیتے تھے۔ تاکہ عشوۃ نواز اور غمزہ طراز شامی اور عراقی دوشیزائیں مطمئن ہو جائیں۔ کیونکہ ان میں تعدد ازواج کا رواج نہیں تھا۔ اور وہ ایک بیوی اور وہ ایک بیوی کی موجودگی میں سوکن بن کر رہنا کسی طرح گوارہ نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ تین طلاقوں کی صورت میں انہیں اطمینان ہو جاتا تھا کہ ان کے ہونے والے شوہروں کے دلوں میں تنہا انہی کا قبضہ رہے گا۔ اور شاید کچھ دوسرے اسباب بھی ہوں جنہوں نے اس ابتدائی عہد کے مسلمانوں کی جماعت کو تین طلاقوں کو کھیل بنا لینے، اس کی اہمیت کو مذاق بنا لینے اور عرب عورتوں کو نقصان پہنچانے پر آمادہ کر دیا ہو۔ منجملہ اس اسباب کے یہ بھی کہ آدمی ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرتا تھا۔ یہ عورتیں جنگ میں گرفتار ہو کر آنیوالی عورتیں ہی نہیں ہوتی تھیں بلکہ عربی اور عجمی دونوں قسم کی عورتیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن وہ شادی کرنے سے پہلے یہ شرط لگاتی تھیں کہ پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدو تاکہ اس کے بعد وہ تمہارے لئے حلال نہ رہے۔ چنانچہ مرد تین طلاقیں دے دیا کرتے تھے۔ یہ عورتیں چونکہ مسائل کے باریکیوں سے واقف نہیں ہوتی تھیں وہ مطمئن ہو کر ان سے شادی کر لیتی تھیں۔ لیکن پھر جب وہ اس کے باوجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سے رجوع کر لیتے تھے تو ان کی یہ رجوع کر لینے کی حرکت مستقل نزاع کا باعث بن جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے نہ حالات کو استقرار حاصل ہوتا تھا اور نہ ہی زندگی میں سکون و اطمینان حاصل ہو پاتا تھا''۔ الخ (الفاروق عمر رضی اللہ عنہ ۲/ ۲۲۵-۲۸۳، مطبوعہ شرکۃ مساہمہ مصریہ القاہرہ ۱۳۶۴ھ)

بہر حال اس عہد میں یہ پیش آمدہ حالات تھے جن کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ قدم اٹھانا پڑا تھا۔ ایران، خراسان، شام و فلسطین کے علاقے مسلمانوں کے زیرنگیں آ چکے تھے۔ ان علاقوں میں عیسائی، یہودی اور پارسی قومیں آباد تھیں، حسن و جمال میں ان علاقوں کی عورتیں امتیازی حیثیت کی مالک تھیں۔ عربوں کو ان سے شادیاں رچانے سے انتہائی شغف تھا۔

چنانچہ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ اکثر گھروں میں ان علاقوں کی عورتیں موجود تھیں۔ لیکن ان اقوام میں تعدد ازداج کا کوئی رواج نہیں تھا۔ وہ ایک بیوی کی موجودگی میں لازماً شادی کرنے سے انکار کرتی تھیں۔ جب تک پہلی بیوی کی چھٹی نہ کر دی جائے۔ انہیں نکاح وطلاق کی باریکیوں کا بھی علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان قوموں میں اسلامی طلاق کا کوئی رواج تھا ہی نہیں ان کی معلومات محض سنی سنائی باتوں تک محدود تھیں۔ دوسری طرف عرب کے لوگ نسب کی حفاظت کے ہمیشہ سے خوگر اور گرویدہ چلے آتے تھے وہ عرب نژاد خاندانی پچھلی بیویوں کو بالکلیہ چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ ایرانی اور رومی حسیناؤں کو بھی عربوں سے نکاح کرنے میں رغبت تھی۔ کیونکہ وہ بہر حال فاتح اور حاکم قوم کے افراد تھے۔ اور وہ گرفتار ہو کر ان کے ہاتھوں میں پڑ ہی چکی تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے یہ سنا کہ مسلمانوں کے ہاں طلاق بھی دی جا سکتی ہے اور اس طرح پچھلی بیوی کی چھٹی کرائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے نکاح سے پہلے یہ شرط رکھی کہ آپ اپنی بیوی کو طلاق دیدیں تو ہم شادی کرلیں گے۔ عربوں نے دھڑا دھڑ بیویوں کو طلاق دے کر ان سے شادیاں کرنی شروع کر دیں۔ لیکن ایک دو ماہ بعد نسبی حفاظت کی گرویدگی نے اپنا اثر دکھایا اور انہوں نے عرب کی خاندانی بیویوں سے رجوع کر کے انہیں پھر واپس لانا شروع کر دیا۔ نتیجۃً ہر گھر میں مستقل چپقلش کا دروازہ کھل گیا اور باہمی بدمزگیاں پیدا ہونے لگیں۔ گھروں کا امن وسکون غارت ہو کر رہ گیا۔ اس کے نتیجہ میں ایرانی اور رومی دوشیزاؤں نے عربوں سے نکاح کرنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ اب انہیں معلوم ہو گیا کہ اسلام میں طلاق دینے کے بعد رجوع بھی کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا عرب عورتوں کو طلاق دلوانے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہے لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد ان کے علم میں یہ بات آئی کہ اسلام میں تین مرتبہ طلاق دیدینے کے بعد رجوع کرنا ممکن نہیں رہتا تو ان دوشیزاؤں نے اس پر اصرار شروع کر دیا کہ تم بیویوں کو تین مرتبہ طلاق دیدو تو پھر ہم تم سے نکاح کر سکتی ہیں۔ عربوں نے دھڑا دھڑ تین طلاقیں دے کر ان سے نکاح کرنا شروع کر دیا۔ لیکن چونکہ ایک ساتھ تین طلاقیں بھی ایک ہی طلاق کے حکم میں تھیں۔ اس لئے عربوں نے تین طلاقیں دے کر بھی رجوع کرنا شروع کر دیا اور پھر وہی خانگی نزاعات شروع ہو گئے اور وہی صورتِ حالات پیش آئی جو ایک طلاق کی صورت میں پیش آ چکی تھیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ عرب گھرانوں میں ان عجمیوں کی اس کثرتِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعداد سے خوش نہیں تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ عرب ان عجمی دوشیزاؤں سے اپنے حرم آباد کر لیں۔ وہ جانتے تھے کہ عربوں کا نسبی تحفظ کا جذبہ، عرب نژاد خاندانی بیویوں کو بالکلیہ چھوڑ دینا گوارہ نہیں کر سکتا نیز اس رویہ سے عربوں کا خانگی امن وسکون بھی برباد ہوتا جا رہا ہے لہٰذا انہوں نے اس کا یہ علاج سوچا کہ بیک وقت تین طلاقوں کو تین مرتبہ کی طلاقوں کا درجہ دیدیا جائے تو اس صورتِ حال کا مداوہ ممکن ہے اس طرح عرب اپنی خاندانی بیویوں کو طلاقیں دینا بند کر دیں گے اور عجمی دوشیزاؤں سے کسی حد تک نجات حاصل کر سکیں گے۔ اور عربی گھرانوں کا امن وسکون لوٹ آئے گا حضرت عمرؓ کا یہ اقدام خالصتہً ایک سیاسی مصلحت کی خاطر تھا۔ اور اس میں انہیں دیگر صحابہ کرام کی بھی تائید حاصل تھی۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں حضرت عمرؓ کا یہ اقدام جو مخصوص حالات میں انتظامی مصلحت کی خاطر اٹھایا گیا تھا انتہائی ضروری تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان حالات میں اگر یہ قدم نہ اٹھاتے تو ایک کوتاہی ہوتی لیکن حضرت عمرؓ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اسے دائمی قانون کی حیثیت دے دی جائے۔ خلیفہ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کچھ وقت کیلئے کسی خاص حکم کو خصوصی حالات میں معطل کر دے۔ خلافت راشدہ کے دور میں اس کی اور بھی مثالیں ملتی ہیں مثلاً حضرت عمرؓ ہی نے سرزمین عرب میں عام قحط پڑا تو چوری کی سزا کچھ دنوں کیلئے معطل فرما دی تھی۔ مذکورہ بالا مسئلہ میں چونکہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی تھیں۔ اور شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا تھا حضرت عمرؓ نے اس رجوع کرنے کے حق کو معطل فرما دیا اور اسے تین مرتبہ کی طلاقیں تسلیم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے جانے کا حکم صادر فرما دیا خصوصی حالات میں ہنگامی طور پر امیر حکومت کو ایسے اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ اور اس میں کوئی تعجب یا حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ (فقہ القرآن ۲/ ۲۳۷)

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

اَلسُّنَّةُ مَا سَنَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ لَا نَجْعَلُوْا خَطَأَ الرَّاْيِ سُنَّةً لِلْاُمَّةِ. (الفاروق ۲/۲۸۶)

سنت وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سنت قرار دیا ہے۔ رائے کی غلطی کو امت کیلئے سنت نہ بناؤ۔

مشہور کتاب ”کتاب الفقه على المذاهب الاربعة“ کا مصنف رقم طراز ہے:

إِنَّ السُّنَّةَ اَنْ تُطَلَّقَ الْمَرْاَةُ فِي اَوْقَاتٍ مُّخْتَلِفَةٍ عَلٰى وَجْهِ الَّذِيْ تَقَدَّمَ بَيَانُهُ فَمَنْ يَّجْرَاُ عَلٰى تَطْلِيْقِهَا دَفْعَةً وَّاحِدَةً فَقَدْ خَالَفَ السُّنَّةَ وَجَزَاءُ هٰذَا اَنْ يُّعَامَلَ بِقَوْلِهِ زَجْرًا لَّهٗ. (ص ۳۴۳)

سنت یہ ہے کہ عورت کو مختلف اوقات میں طلاق دی جائے جس کے طریقہ کا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تو جو شخص یکبارگی طلاق دینے کی جرأت کرتا ہے وہ سنت کے خلاف کرتا ہے اور اسکا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔ ائمۂ دین اور علماءِ امت کے اقوال سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ حضرت عمرؓ کا تین طلاق کے بارے میں فیصلہ تعزیری اور سیاسی تھا نہ کہ شرعی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ندامت: جناب مولانا عمر احمد عثمانی رقم طراز ہیں:

”انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے تمام فقہاء کرام حضرت عمر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے سند لیتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار نہیں فرمایا لہٰذا صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا ہے کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دیدی جائیں تو عورت مطلقاً حرام ہو جائے گی اور بغیر حلالہ کرائے پہلے شوہر سے جدید نکاح نہیں کرسکتی۔ لیکن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خود اپنے اس اِقدام پر ندامت اور شرمساری کا اعتراف فرما رہے ہیں لیکن کوئی اس طرف دھیان دینے کیلیے تیار نہیں۔

حافظ ابن القیمؒ نے اپنی مشہور کتاب اغاثۃ اللھفان عن مصائد الشیطان۔ (۱/۳۵۱) میں نقل کیا ہے کہ حافظ ابوبکر اسماعیلی نے مسند عمرؓ میں نقل کیا ہے ہمیں ابویَعلیٰ نے خبر دی کہ ہم سے صالح بن مالک نے حدیث بیان کی کہ ہم سے خالد بن یزید بن ابی مالک نے اپنے والد سے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی بات پر اتنا شرمندہ نہیں ہوا جتنا اِن تین باتوں پر کہ میں نے طلاق کو حرام قرار نہ دیا ہوتا (یعنی اس سے عورت کے حرام ہونے کا فرمان جاری نہ کیا ہوتا۔ اور میں نے آزاد کردہ غلاموں کا نکاح نہ کرایا ہوتا۔ اور یہ کہ میں نے نوحہ کرنے والی عورتوں کو قتل کردینے کا حکم نہ دیا ہوتا ..... الخ''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمانے کے بعد حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:

''اور معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد طلاقِ جعی کو حرام کردینا تو نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے جس کا جواز بداہۃً ثابت ہے اور نہ وہ ناجائز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلاق مراد ہو سکتی ہے جس کے ناجائز ہونے پر تمام مسلمانوں کا اِجماع ہے یعنی دورانِ حیض عورت کو طلاق دیدینا ایسے طہر میں طلاق دیدینا جس میں شوہر نے مقاربت کر لی ہو، اور نہ ہی طلاق قبل الدخول مراد ہو سکتی ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اور تم پر کوئی مضائقہ نہیں اگر تم عورتوں کو انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی یا مہر مقرر کرنے سے پہلے ہی طلاق دیدو''۔ (۲/۲۳۶)

یہ تمام صورتیں کھلم کھلا محال ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان میں سے کسی صورت کو مراد لیا ہو، لہٰذا قطعی طور پر یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اس سے تین طلاقوں سے عورت کے حرام کرنے ہی کو مراد لیا ہے۔الخ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اعتراف کے بعد وہ ساری عمارت ہی منہدم ہو جاتی ہے جس پر ہمارے فقہاء کرام نے تکیہ فرمایا تھا اس کے علاوہ جامع ترمذی میں ہے: «وروی عن عمر بن الخطاب أنه جعل البتة واحدة»، یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے طلاق بتہ کو ایک ہی طلاق قرار دیا ہے علاوہ ازیں بیشمار صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ مجتہدین تین طلاق بیک مجلس کو ایک ہی مانتے آئے ہیں''۔ (فقہ القرآن، ۲/۲۴۲)

ایک اعتراض کا جواب: مشہور مقلد عالم مولانا سرفراز صاحب گکھڑوی مذکورہ مسند اسماعیلی کی روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ سب قصہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نری رام کہانی ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں خالد بن یزید بن ابی مالک راوی ہے۔ اگر چہ بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے لیکن جمہور محدثین اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ (عمدۃ الاثاث فی حکم الطلقات الثلاث ص ۹۹)

جواب: شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ کا ائمہ دین اور محققین اسلام میں جو مقام ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ جناب گکھڑوی صاحب انہیں رام کہانیاں لکھنے والا قرار دے رہے ہیں، ......نعوذ باللہ من ذلک...... اتنے بڑے مایۂ ناز محدث پر ایسا بے ہودہ الزام وہی لگا سکتا ہے جو خود رام کہانیاں لکھنے کا عادی ہو، چنانچہ گکھڑوی صاحب کی کتابوں کو دیکھنے سے ہر منصف مزاج آدمی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ شخص کتنے دجل وفریب اور مکاری سے کام لیتے ہوئے صحیح احادیث کی تاویلاتِ رکیکہ اور توجیہاتِ فاسدہ سے کتنی رام کہانیاں بناتا ہے۔ بہرکیف زیر بحث روایت کے جس راوی کو انہوں نے ہدفِ تنقید بنانے کی ناکام و مذموم کوشش کی ہے اس کے بارے میں صحیح تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

> زیر بحث روایت کو یزید بن عبدالرحمٰن بن ابی مالک سے ان کے صاحبزادے خالد بن یزید ھمدانی دمشقی ابو ہاشم مولود ۱۰۵ھ و متوفی ۱۷۵ھ نے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حسب تصریح موصوف خالد نے اپنے باپ سے منقول شدہ فقہی مسائل پر مشتمل ایک کتاب بھی لکھی ہے (تہذیب التہذیب ترجمہ یزید بن عبدالرحمان بن ابی مالک)
>
> ظن غالب ہے کہ موصوف خالد نے اپنی مرتب کردہ اس کتاب میں اپنے باپ کی یہ روایت بھی نقل کی ہوگی، موصوف خالد کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کتاب موصوف کے جلیل القدر شاگرد سلیمان بن عبد الرحمٰن بن عیسیٰ تمیمی دِمشقی (متوفی ۲۳۲ھ) کے پاس تھی جو بذات خود ثقہ، صاحبِ تصانیف، محدث وفقیہ تھے (تہذیب التہذیب ترجمہ سلیمان بن عبد الرحمان و ترجمہ خالد بن یزید) موصوف خالد کے ایک ہم وطن دمشقی و شامی امام جرح و تعدیل ابو زُرعہ دِمشقی نے جو موصوف کے حالات سے دوسروں کے بالمقابل زیادہ واقفیت رکھنے والے تھے۔ موصوف خالد کو مطلقاً ثقہ قرار دیا ہے۔ نیز امام احمد بن صالح مصری و عجلی نے بھی موصوف کو مطلقاً ثقہ کہا ہے، امام حمزہ سہمی، امام ابن شاہین سے ناقل ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے موصوف خالد کو ثقہ کہا ہے۔ امام ابن شاہین ابو حفص نے کہا کہ مجھے ٹھیک سے پتہ نہیں کہ یہ توثیق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خالد بن یزید بن عبدالرحمٰن بن ابی مالک کی ہے یا یہ کہ خالد بن یزید بن حبیب کی؟ مگر آخر میں امام ابو حفص ابن شاہین نے یہ کہا کہ چونکہ امام احمد بن حنبل و احمد بن صالح موصوف خالد کی توثیق و مدح پر متفق ہیں اس لئے انہیں ضعیف قرار دے کر مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ (تاریخ جُرجان للسہمی ص ۶۵۲-۶۵۳)

اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ امام ابن شاہین کو آخر میں یقین ہو گیا تھا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خالد موصوف کو ثقہ ہی کہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام احمد نے بھی موصوف کی توثیق مطلق کی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال میں امام احمد رحمہ اللہ سے، موصوف خالد کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابت جو "لَیسَ بِشَیءٍ" کا لفظ منقول ہے وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے خالد کی بابت ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ "لیس بشی" والی بات ابنِ عَدِی نے نقل کی ہے مگر اس کے باوجود ابن عدی نے خالد کو مطلقاً ثقہ کہا ہے۔ (کَمَا مَرَّ) حالانکہ اگر ابن عدی کے نزدیک خالد پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تجریح ثابت ہوتی تو وہ خالد کو مطلقاً ثقہ نہ قرار دیتے، یا پھر ابن عدی کے نزدیک موصوف خالد پر جرحِ احمد رحمۃ اللہ علیہ قابل اعتبار نہیں ان ساری باتوں کا حاصل یہ ہوا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوزرعہ واحمد بن صالح مصری و عجلی نے موصوف خالد کو مطلقاً ثقہ کہا ہے۔ مشہور امام جرح وتعدیل دُحیم نے موصوف کو "صاحب فُتیا" یعنی مفتی کہا ہے اور موصوف پر کسی قسم کی تجریح نہیں کی ہے۔ امام ابن عدی نے کہا کہ موصوف کی روایت کردہ احادیث قابل قبول ہیں الّا یہ کہ موصوف کسی ضعیف راوی سے جو روایت کریں یا موصوف سے کوئی ضعیف راوی جو روایت کرے وہ مقبول نہیں۔ (تہذیب التہذیب بحوالہ ابن عدی)

ظاہر ہے کہ امام ابن عدی کے اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ موصوف نے خالد کو مطلقاً ثقہ ومعتبر کہا ہے ورنہ کوئی بھی ثقہ راوی اگر ضعیف راوی سے روایت کرے یا اس سے کوئی ضعیف راوی روایت کرے تو ایسی روایت ہر ثقہ راوی کی غیر معتبر ہوتی ہے، لہٰذا ابن عدی بھی موصوف کی توثیق کرنے والوں میں شامل ہیں۔

امام ابن حبان نے موصوف کو فقہاءِ اہل شام میں سے قرار دیا اور کہا ہے کہ موصوف خالد روایت میں صدوق ہیں اور جرح کے بالمقابل تعدیل و توثیق سے قریب تر ہیں البتہ بکثرت غلطی کرتے ہیں اس لئے جس روایت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موصوف منفرد ہوں انہیں حجت بنانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ (المجروحین ۱/ ۲۷۷-۲۷۸،
تہذیب التہذیب ترجمہ خالد)

ابن حبان کے بیان کا حاصل کم از کم یہ ہے کہ خالد موصوف فی نفسہ صدوق تھے کذاب نہیں تھے مگر بکثرت غلطی کرنے کے باعث موصوف اپنی جس روایت میں منفرد ہوں اس سے احتجاج پسندیدہ نہیں۔

لیکن ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ حافظ ابوزرعہ دمشقی واحمد بن صالح مصری وامام عجلی وابن عدی نے موصوف خالد کی مطلقاً توثیق کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر موصوف کسی ثقہ راوی سے روایت نقل کریں اور ان سے بھی ثقہ راوی ہی روایت نقل کرے تو ان کی نقل کردہ روایت معتبر ہے۔ دریں صورت ان اماموں کے بالمقابل ابن حبان کی یہ تجریح قابل نظر ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ موصوف ابن حبان اِن کی بابت قطعی فیصلہ کرنے کیلئے استخارہ ضروری سمجھتے ہیں اور ذاتی طور پر اس معاملہ میں ان کو توقف ہے جس روایت میں موصوف منفرد ہوں اسے حجت بنانا مجھے پسندیدہ نہیں۔ دریں صورت ایک آدمی کہہ سکتا کہ جب امام ابن حبان کو موصوف کی بابت قطعی فیصلہ کرنے میں توقف تھا تو بنا بریں وہ اس سلسلے میں استخارہ کرنا چاہتے تھے تو جب موصوف خالد کی توثیق ان کے ہم وطن امامِ جرح وتعدیل ابوزرعہ دمشقی اور احمد بن صالح مصری وعجلی وابن عدی نے کی ہے تو ان اماموں کی توثیق مطلق کے بالمقابل ابن حبان کا توقّف ناقابل التفات ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ موصوف خالد کے صدوق، وفقیہ ہونے کے معترف ابن حبان بذات خود بھی ہیں۔ پھر جب موصوف خالد بہ اعتراف ابن حبان فقیہ وصدوق ہیں، اور بقول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دُحَیم مفتی اہل شام ہیں۔ اور مختلف علماء جرح وتعدیل کے بیان سے جرح مبہم کا اثر اصول جرح وتعدیل کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دارقطنی ویعقوب فسوی نے موصوف کو ''ضعیف'' کہا ہے جو کتب مصطلح حدیث کے مطابق جرح مبہم ہونے کے سبب توثیق ثابت کے بالمقابل ساقط ہے۔ اسی طرح موصوف خالد کو ابن الجارود، ساجی و عُقیلی نے ''ضعفاء'' میں ذکر کیا ہے مگر محض ''ضعفاء'' میں ذکر کر دینا زیادہ سے زیادہ جرح مبہم ہے اس لئے ان حضرات کی تجریح بھی ساقط ہے۔ امام ابو داؤد سے ایک قول یہ مروی ہے کہ خالد ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب ترجمہ خالد) مگر ایک قول یہ مروی ہے کہ: «كَانَ بِدِمَشْقَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ خَالِدُ بْنُ يَزِيْدَ مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ». یعنی کہ دمشق میں خالد بن یزید نامی ایک شخص تھا جو متروک الحدیث ہے۔ (تہذیب التہذیب) ہمارے خیال سے دمشق کے رہنے والے جس خالد بن یزید کو امام ابو داؤد نے متروک الحدیث کہا ہے وہ زیر نظر خالد کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ہے اس سے اس بات کی تعیین نہیں ہوتی کہ زیر ترجمہ خالد ہی کو امام ابو داؤد نے متروک الحدیث کہا ہے اور جب یہ بات ہے تو امام ابو داؤد کی طرف تجریح مذکور کا انتساب مشکوک ہونے کے سبب ساقط ہے۔

اس لئے اتنی بات ثابت مانی جا سکتی ہے کہ موصوف خالد کو امام ابو داؤد نے ''ضعیف'' کہا ہے جو جرح مبہم ہے اور یہ معلوم ہے کہ جرح مبہم، توثیق ثابت کے بالمقابل مردود ہے، اسی وجہ سے امام بن شاہین نے کہہ رکھا ہے کہ خالد کی توثیق پر جب امام احمد بن حنبل اور احمد بن صالح مصری متفق ہیں تو موصوف کو مطعون و مجروح نہیں قرار دینا چاہیے۔ امام ابن عدی و ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہین نے موصوف کی بابت علماء جرح و تعدیل کے اقوال کا موازنہ کرنے کے بعد ہی موصوف کی توثیق کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک خالد پر وارد شدہ جرحیں مدفوع ہیں۔ امام نسائی نے بھی موصوف کو "لَیْسَ بِثِقَۃٍ" کہا ہے جو بعض اعتبار سے کبھی کبھار جرح مبہم ہی ہوا کرتی ہے۔ (التنکیل کا مقدمہ) اس لئے یہ جرح بھی مؤثر نہیں۔ اسی طرح امام ابن معین نے اپنے ایک قول میں موصوف کو "لَیْسَ بِشَیْءٍ" کہا ہے جو بعض اوقات قلیل الحدیث راوی کے بارے میں بطور مبہم تجریح ہوا کرتی ہے۔ اس لئے یہ جرح بھی مدفوع ہی ہے۔ البتہ ابن معین سے ایک قول بظاہر موصوف خالد کی بابت بہت سخت مروی ہے کہ:

> "شام میں پائی جانے والی "کتاب الدیات للخالد" دفن کر دیے جانے کے لائق ہے کیونکہ موصوف نے صرف اپنے باپ ہی پر نہیں بلکہ اس کتاب میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی کذب بیانی کی ہے۔ ابن ابی الحواری نے کہا کہ میں نے خالد بن یزید کی کتاب مذکور خالد سے سنی تھی۔ پھر میں نے یہ کتاب ابن عبدوس عطاء کو دے دی تھی جنہوں نے اسے چاک کر کے لوگوں کی ضرورت کی چیزوں کو اس کتاب کے چاک شدہ ٹکڑوں میں پڑیاں بنا کر دیں"۔ (تہذیب التہذیب ترجمہ خالد)

مذکورہ بالا عبارت میں خالد پر ابن معین و احمد بن عبداللہ بن میمون المعروف بابن الحواری (متوفی ۲۴۶ھ) سے بظاہر سخت جرح منقول ہے مگر موصوف ابن الحواری کے شاگرد خاص امام ابوزرعہ دمشقی نے موصوف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خالد کی مطلقاً توثیق کی ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ احمد بن ابی الحواری کی جرح مذکور امام ابوزُرعہ دمشقی کی نظر میں یا تو قابلِ التفات نہیں یا یہ جرح کوئی ایسا معنی و محمل رکھتی ہے جو خالد کے حق میں جرح قادِح نہیں اسی طرح موصوف: ابوزُرعہ امام یحییٰ بن مَعین کے بھی شاگرد تھے اور علمی امور میں ابن مَعین سے تبادلہ خیال کیا کرتے تھے۔ (مقدمہ تاریخ دمشق لابی زُرعہ صفحہ ۳۷) جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ خالد پر ابن مَعین کی تجریح مذکور کو یا تو امام ابوزُرعہ نے صحیح نہیں مانا یا اس کا معنی و مطلب ایسا سمجھا جو جَرح قادِح نہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض وجوہ سے کچھ ثقہ افراد کو امام ابن مَعین نے غلطی سے کذاب قرار دے دیا ہے جس کو اہل علم نا قابلِ قبول قرار دے کر ان رواۃ کو ثقہ ہی مانا ہے۔ ہوسکتا ہے امام ابن معین نے خالد کی نقل کردہ جن روایات کو مکذوب سمجھ رکھا ہو وہ دراصل خالد کی اپنی روایات مکذوبہ نہ ہوں۔ درحقیقت وہ مکذوبہ تو نہ ہوں مگر انہیں ابن مَعین نے مکذوب سمجھ لیا ہو۔ خالد کے دفاع میں ابن معین کے قول مذکور کے سلسلے میں یہ بات ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ ابن معین کی تجریح کی طرف دھیان دیئے بغیر امام ابوزُرعہ دمشقی و عجلی، ابن عدی، ابن شاہین وغیرہُم نے موصوف کی توثیق کی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل کی تین باتوں کو احادیثِ صحیحہ کے مطابق ظاہری اعتبار سے کِذب سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ اس ظاہری بات کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ثابت شدہ ثقاہت مجروح نہیں ہوسکتی۔ اور حقیقت میں باعتبار ظاہر کذب قرار دی جانے والی یہ تینوں باتیں کذب ہیں بھی نہیں۔ اسی طرح ہم موصوف خالد کا معاملہ بھی سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی توثیق عام علمائے جرح و تعدیل نے ابن معین و ابن ابی الحواری کی تجریح کا علم رکھنے کے باوجود کی ہے جس کا مطلب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ ان حضرات کی نظر میں راجح بات یہ ہے کہ موصوف خالد پر تجریح ابن معین وابن ابی الحواری قادِح جرح کے درجہ میں نہیں ہے۔ اس لئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ موصوف خالد ثقہ ہیں اور ان کے بارے میں «اَلْجَرْحُ مُقَدَّمٌ عَلَى التَّعْدِيْلِ» کا قاعدہ اس لئے نہیں چل سکتا کہ اس اصول سے باخبر علمائے جرح وتعدیل نے موصوف پر جرح ابن معین وابن ابی الحواری کو کالعدم قرار دیا ہے۔ (تنویر الآفاق فی مسألۃ الطلاق ص۲۴۲)

جب موصوف خالد کا مطلقاً ثقہ ہونا ہمارے نزدیک راجح ہے تو اپنے باپ سے موصوف کی نقل کردہ زیر بحث روایت یقیناً معتبر ہونی چاہیے اور اسے ساقط الاعتبار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فریقِ ثانی کے دلائل

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اب ان حضرات کے دلائل کا ذکر بھی کر دیں جو دفعۃً دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں تاکہ بیک وقت تصویر کے دونوں رخ سامنے آ جائیں اور صحیح طور پر دلائل کا موازنہ ہو سکے کیونکہ یکطرفہ کاروائی سے حقیقت سامنے نہیں آ سکتی سچ ہے کہ ۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ.

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا قاعدہ اور ضابطہ یہ بیان فرمایا ہے کہ دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے اور اسی طرح بیوی کو حِبالۂ عقد اور نکاح میں نہ رکھنے کا حق بھی اسے پہنچتا ہے لیکن:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

''سو اگر اس نے اس کو اور طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کیلئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کر لے۔''

اس آیت کا ظاہری مطلب تو اسی کی تائید کرتا ہے کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں واقع ہوں وہ تین ہی متصور ہونگی ہاں عُمومِ الفاظ اور دیگر دلائل کے پیشِ نظر ہر ہر طُہر پر دی گئی طلاق بھی اس کے عموم میں شامل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر اور مفہوم میں دفعۃً تین طلاق دینا بھی داخل ہے اور یہ متفرق طور پر ہی تین طلاقوں کیلئے ہی متعین نہیں اور نہ اس میں یہ نص ہے کہ دفعۃً طلاقوں کو یہ شامل نہ ہو۔

(عمدۃ الاثاث فی الطلقات الثلاث ص ۴۵-۴۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب: قرآن پاک کی آیت ﴿اَلطَّلاقُ مَرَّتَانِ﴾ سے دفعۃً دی گئی تین طلاق کے جواز پر استدلال کرنا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً: دفعۃً تین طلاقیں دینا صرف غیر محمود اور ناپسندیدہ ہی نہیں، سخت معصیت کا موجب بھی ہے۔ نسائی شریف کی یہ روایت پہلے گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ آپ ﷺ یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا «أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ». (کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں) اس حرکت پر آپ ﷺ کے غصہ کی کیفیت دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟ امام طحاوی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا «إِنَّ عَمَّكَ عَصَى اللهَ فَأَثِمَ وَأَطَاعَ الشَّيْطَانَ». (تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور شیطان کی پیروی کی)۔

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو شخص ایسا آتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں اسے وہ مارتے تھے اور اس کی طلاقوں کو نافذ کر دیتے تھے۔

مذکورہ حدیث اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مار سے معلوم ہوا کہ دفعۃً تین طلاقیں دینا سخت معصیت، کتاب اللہ سے کھیل تماشہ اور شیطان کی پیروی ہے۔ تو جو چیز اتنی بری ہے اس کیلئے کتاب اللہ اجازت کیسے دے سکتی ہے اور کتاب اللہ کا ظاہری مفہوم و مطلب اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواز کیلئے تائید کیسے کرسکتا ہے؟ جو لوگ ایسا دعویٰ کرتے ہیں وہ کتاب اللہ اور سُنت اللہ کی علانیہ مخالفت کرتے ہیں۔

ثانیاً: جو لوگ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کیلئے جواز ثابت کرتے ہیں وہ "مرتان" کا معنی طلاق کا لفظ دہرانا یا عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دینا مراد لیتے ہیں۔ اس بنا پر طلاق، طلاق، طلاق۔ یا تین طلاقیں کہہ دینے پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا ہے حالانکہ "مَرَّتَانِ" کا مطلب طلاق کو دہرانا نہیں، بلکہ دو دفعہ طلاق دینا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے لیکن تیسری دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ اس کا یہ مطلب کس طرح صحیح ہوگا کہ اگر کسی نے بیک وقت "طلاق، طلاق، طلاق" کہہ دیا تو رجوع کا حق باقی نہیں رہا۔ اور طلاق مُغلّظہ ہوگئی۔ حالانکہ اس شخص نے ایک ہی دفعہ طلاق دی ہے۔ لفظ "مرتان" کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ درج ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

اولاً: لغتِ عرب میں "مرتان" کا مطلب مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ ہے۔ یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ، نہ کہ محض لفظی تکرار، اور اس کی نظیریں قرآن میں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا:

﴿اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ﴾ (التوبة ۱۲۶)

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ انہیں آزمائشوں میں ڈالا جاتا ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ

"اے ایمان والو! تمہارے مملوک اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ﴿٥٨﴾ (النور) تمہارے نابالغ بچے، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں"۔

اس آیت کے بعد تین اوقات کی تفصیل بیان کی گئی ہے ظاہر ہے کہ یہاں "ثَلَاثَ مَرَّاتٍ" (تین اوقات میں) کا مطلب الگ الگ تین اوقات ہیں، نہ کہ زمانہ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اس سے واضح ہوا کہ "مرتان" میں تفریق کا مفہوم شامل ہے۔ اگر کوئی مثال اجتماع کی پیش کی جا سکتی ہے تو وہ اَعیان کی ہوگی نہ کہ اَفعال کی۔ کیونکہ فعل میں زمانہ واحد میں "مرتان" کا اجتماع ممکن نہیں۔

ثانیاً: رمی جمار کی مثال ہے سات کنکریاں مارنے کا حکم دیا گیا ہے اگر کوئی شخص سات مرتبہ ایک ایک کنکری مارنے کے بجائے ایک ساتھ سات کنکریاں مارے گا تو حکم کی تعمیل نہیں ہوگی۔ اور جُمہور علماء کے نزدیک ایک ہی رمی شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کہ میں تینتیس ۳۳ بار سبحان اللہ کہتا ہوں تو ایک ہی تسبیح شمار ہوگی نہ کہ تینتیس ۳۳۔

ثالثاً: چار قسموں کی مثال ہے جس کا حکم لِعان کے سلسلہ میں دیا گیا ہے اگر کوئی شخص الگ الگ چار قَسمیں کھانے کے بجائے ایک ساتھ کہہ دے کہ میں چار قسمیں کھا کر کہتا ہوں۔ تو اس کی ایک ہی قَسم شمار ہوگی نہ کہ چار[۱]۔

("مرتان" کی بحث کیلئے ملاحظ ہو علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد ۴/۵۹)

اگر مذکورہ آیت میں مراد طلاق کا عدد ہوتا تو "مرتان" کی جگہ لفظ اثنتان استعمال کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ "مرتان" سے مراد لفظ طلاق کی تکرار یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدد نہیں ہے بلکہ الگ دو دفعہ طلاق دینا ہے چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں۔

طَلِّقُوا مَرَّتَيْنِ. يَعْنِي دَفْعَتَيْنِ. (التفسیر الکبیر ۲/۳۶)

"دو مرتبہ طلاق دو یعنی دو دفعہ طلاق دو"۔

اِنَّ الطَّلَاقَ الْمَشْرُوْعَ مُتَفَرِّقٌ لِاَنَّ الْمَرَّاتِ لَاتَكُوْنُ اِلَّا بَعْدَ تَفَرُّقٍ بِالْاِجْمَاعِ. (ایضاً)

"مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے۔ کیونکہ بالاجماع مَرَّات، تفرق کے بعد ہی ممکن ہے"۔

لہٰذا جب دو۲ طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں دو۲ شمار نہیں ہوں گی تو تین۳ طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں، کس طرح تین شمار ہوں گی؟

پھر جس پس منظر میں تین طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کو بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بیک وقت کئی طلاقیں دینے کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ بار بار طلاقیں دی جاتی تھیں۔ اور بار بار رجوع کیا جاتا تھا۔ اس لیے ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ کا معہود یہی بار بار کی طلاقیں ہوگا نہ کہ بیک وقت دی جانے والی متعدد طلاقیں۔

سورۂ طلاق میں ہدایت کی گئی ہے کہ جب طلاق دی جائے تو عدت کیلئے دی جائے۔

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ①﴾ (الطلاق)

"اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کیلئے طلاق دو اور عدت کو شمار کرو"۔

عدت کیلئے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے جبکہ عدت کا آغاز ہو سکے۔ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدت کا لحاظ نہیں کرتا۔ کیونکہ پہلی طلاق دیتے ہی عدت شروع ہوگئی، لیکن دوسری اور تیسری طلاق میں عدت کا لحاظ نہیں رہا۔ حالانکہ ہر طلاق کیلئے عدت کا لحاظ ضروری ہے۔ قرآن نے نہ صرف یہ حکم دیا ہے کہ عدت کا لحاظ کر کے طلاق دی جائے، بلکہ عدت کے اندر رجوع کرنے کا بھی حق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ﴿٢٣٠﴾﴾ (البقرة)

”جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آ جائے تو بھلے طریقہ سے انہیں روک لو یا پھر بھلے طریقہ سے رخصت کرو۔“

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدت پوری ہو رہی ہو تو بھلے طریقہ پر روکا جا سکتا ہے۔ یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالی نے مرد کو دیا ہے کس نے ساقط کیا؟ اگر کوئی نص ساقط کرنے کیلئے موجود ہے تو کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تیسری دفعہ کی طلاق سے پہلے عدت کے اندر مرد کو رجوع کا حق ہے۔ لہٰذا بیک وقت دی ہوئی تین طلاق کے بعد بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر تیسری دفعہ کی طلاق دو دفعہ دی ہوئی طلاقِ رجعی کے بعد ہی واقع ہوتی ہے نہ کہ بیک وقت۔ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ طلاقیں دینے ہی کا اختیار مرد کو دیا ہے جیسا کہ ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا جب جمع کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا تو آنِ واحد میں دی جانے والی تین طلاقیں کس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح تین واقع ہوں گی؟

علماء احناف میں سے مشہور عالم مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے استاذ شیخ محمد صاحب تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

«اِنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰى: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ مَعْنَاهُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ فَالتَّطْلِيْقُ الشَّرْعِيُّ عَلَى التَّفْرِيْقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ».

(حاشیہ نسائی شریف ۲/۳۰)

''یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے۔ اس لیے کہ شرعی طلاق وہ ہے جو متفرق طور پر متفرق طہروں میں دی جاتی ہے نہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں''۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

«قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ اِلٰى قَوْلِهٖ: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ فَاِنَّ مَعْنَاهُ التَّطْلِيْقُ الشَّرْعِيُّ تَطْلِيْقَةً بَعْدَ تَطْلِيْقَةٍ عَلَى التَّفْرِيْقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَلَمْ يُرِدْ بِالْمَرَّتَيْنِ التَّثْنِيَةُ وَمِثْلَهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ اَىْ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ لَا كَرَّتَيْنِ اثْنَتَيْنِ». (حاشیہ سنن نسائی ۲/ ۸۸، مطبع انصاری دہلی)

''یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طلاق متفرق طور پر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہونی چاہیے نہ کہ ایک ہی بار اکٹھی۔

''مرتین'' سے مراد تثنیہ نہیں ہے جیسا کہ آیت ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ میں ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ نظر اٹھا کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے''۔

''نیز لُغتِ عرب بلکہ تمام زبانوں میں "مرتان" (دوبار) کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسی شیٔ کا وقوع ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ ہو، نہ کہ ایک ہی آن اور وقت میں دو بار۔ اب اگر کوئی اپنی منکوحہ کو بیک وقت کہہ دے۔ تم کو طلاق، طلاق، طلاق ''یا'' تم کو تین طلاق تو اس پر طلاقِ مُغلَّظ کا حکم لگا دینا اور یہ کہنا کہ اس کو رجعت کا حق و اختیار نہیں، کیونکہ درست ہو سکتا ہے حالانکہ اس نے صرف لفظ طلاق کا اعادہ کیا ہے نہ کہ اِیقاع طلاق کا، کیونکہ کسی فعل کا ایک ہی آن اور وقت میں دو بار واقع کرنا محال ہے پس جب دو بار طلاق کا ایک ہی آن میں واقع کرنا محال ہے اور ایک آن میں صرف ایک ہی واقع کی جا سکتی ہے تو تین تو بدرجہ اَولیٰ محال ہو گی۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی آیت ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

وَكَانَ الْقِيَاسُ اَنْ لَّا تَكُوْنَ الطَّلْقَتَانِ الْمُجْتَمِعَتَانِ مُعْتَبَرَةً شَرْعًا وَّاِذَا لَمْ يَكُنِ الطَّلْقَتَانِ الْمُجْتَمِعَتَانِ مُعْتَبَرَةً لَمْ يَكُنِ الثَّلَاثُ الْمُجْتَمِعَةُ مُعْتَبَرَةً بِالطَّرِيْقِ الْاَوْلٰى لِوُجُوْدِهِمَا فِيْهَا مَعَ زِيَادَةٍ.

''قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مجموعی طور پر دی گئی دو طلاقیں معتبر نہ ہوں اور جب اکٹھی دو طلاقیں معتبر نہ ہو گی تو تین اکٹھی کا تو بدرجہ اَولیٰ اعتبار نہیں ہو گا اس لیے کہ وہ دونوں مع ایک زائد کے تین کے اندر موجود ہیں''۔

لفظ ''مرتان'' کی یہی تفسیر علامہ ابو البرکات عبدالرحمٰن احمد نسفی حنفی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدارک التنزیل (۲/ ۱۷۷)، مولانا عبدالحی صاحب، اکلیل (اکلیل علی مدارک ۲/ ۱۷۱)، علامہ انور شاہ صاحب کشمیری (فیض الباری ۴/ ۳۵) وغیرہم نے بھی کی ہے جن کی عبارتیں اور ان کے ترجمے طوالت کے خوف سے حذف کیے جا رہے ہیں۔ البتہ آخر میں علامہ ابوبکر جصّاص رازی کی یہ تشریح ملاحظہ کیلئے نقل کی جاتی ہے فرماتے ہیں:

اِنَّ الآیَۃَ: ﴿الطَّلاقُ مَرَّتَانِ﴾ تَضَمَّنَتِ الْاَمْرَ بِاِیْقَاعِ الاِثْنَتَیْنِ فِیْ مَرَّتَیْنِ فَمَنْ اَوْقَعَ الاِثْنَتَیْنِ فِیْ مَرَّۃٍ فَھُوَ مُخَالِفٌ لِحُکْمِہٖ.

(احکام القرآن ۱/ ۳۸۰)

''یعنی آیت ﴿الطَّلاقُ مَرَّتَانِ﴾ دو طلاق دو بار دو طہروں میں واقع کرنے کے امر کو شامل ہے لہٰذا جو شخص دو طلاق بیک دفعہ یعنی ایک طہر میں دیتا ہے وہ حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ''مرتان'' کہا اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا یعنی دو رجعی طلاقوں کا ذکر پہلے کیا، پھر تیسری بائنہ کا ذکر آخر میں۔ اس سے متفرق مدتوں میں طلاق دینے کے ساتھ پہلی دو طلاقوں کے رجعی ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

نیز عربی زبان بلکہ ساری دنیا کی کسی بھی زبان میں آپ اگر کہیں کہ میں نے یہ کام تین مرتبہ کیا تو اس سے تین مرتبہ الگ الگ کام کرنا مراد ہوگا۔ مثلاً اذان دیتے وقت اللہ اکبر چار مرتبہ دہرانے کے بجائے پہلی ہی بار کہہ دیں۔ ''اللہ أکبر أربع مرات'' تو اس سے اذان پوری نہ ہوگی جب تک کہ چار مرتبہ اسی کلمہ کو نہ دہرائیں۔ یا مثلاً نماز کے بعد تسبیحات پڑھتے وقت اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کہیں۔ ''سُبْحَانَ اللهِ''٣٣، مرتبہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ''٣٣، مرتبہ ''اللهُ اَكْبَرُ'' ٣٤ مرتبہ، تو اس سے تسبیحات کی تعداد سو پوری نہ ہوگی اور نہ حدیث پر عمل ہو سکے گا۔ یہ سب اعمال قولی تھے۔ جب یہ اپنی مطلوبہ تعداد پوری کیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے تو طلاق ولعان وغیرہ جو سراسر قولی ہیں کیسے پورے ہو جائیں گے۔

لعان اور طلاق زوجین کی تفریق کے اعتبار سے حکماً ایک ہی جیسے ہیں اور لعان والی آیت میں ﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝٦ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ۝٧﴾ اس جگہ شہادت کا عمل پانچ بار کہے جانے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا تو پھر طلاق کو اس اصول سے کیسے الگ کیا جا سکتا ہے؟

مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ یعنی طلاق دو ہی مرتبہ ہے پھر ان دونوں مرتبہ کی طلاقوں میں یہ لچک رکھ دی کہ ان سے نکاح بالکل ختم نہیں ہوا بلکہ عدت پوری ہونے تک مرد کو اختیار ہے کہ رجوع کر کے بیوی کو اپنے نکاح میں روک لے۔ یا پھر رجوع نہ کرے عدت پوری ہونے دے۔ عدت پوری ہونے پر نکاح ختم ہو جائے گا۔ مفتی صاحب کے بیان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرتان کا معنی دو طلاقیں نہیں بلکہ وقفہ سے دو دفعہ کر کے طلاق دینا مراد ہے۔

ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ طلاق والی آیت میں ''مرتان'' سے مراد الگ الگ دو بار ہے نہ کہ بیک زبان و بیک مجلس مراد ہے اور یہ کہ قرآن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجید کی آیات سے ایک مجلس کو تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ جبکہ ان تینوں کے تین طلاق ہونے کا اشارہ تک کسی آیت سے نہیں ملتا۔ فقہی موشگافیوں اور مسلکی گروہ بندیوں سے الگ ہو کر قرآن کو خالی ذہن کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا مفہوم سب کے قلب و دماغ پر بآسانی ثبت ہو جائے گا۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے پہلی دو طلاقوں میں سے ہر طلاق کے بعد رجوع کیلئے سوچنے سمجھنے کا موقع دیا ہے۔ اگر ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ اکٹھی دو طلاق اور پھر ساتھ ہی حرف فاء کی وجہ سے تیسری طلاق بھی دینا مراد ہو تو اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک اکٹھی تین طلاق دینا طلاق مغلظہ ہوتی ہے۔ جس کے بعد رجوع ناممکن ہے تو اللہ تعالیٰ نے رجوع کیلئے جو سوچنے سمجھنے کی جو مہلت دی تھی وہ بیکار ہو گئی۔

رابعاً: مذکورہ آیت کے علاوہ قرآن پاک کی بعض دیگر آیات سے بھی مقلدین نے اس مقصد پر بھی استدلال کیا ہے مثلاً: ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ الاية. اور ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ اور ﴿لِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ الاية. وغیرہ وغیرہ ان آیات میں ایک دو اور تین طلاق کے واقعہ کرنے کی تفریق نہیں کی گئی۔ لہٰذا اگر تین بھی دفعۃً دے دی گئیں تو وہ واقع ہو جائیں گی۔ (عمدۃ الاثاث ص ۴۸)

مذکورہ جن آیات کے عمومات سے استدلال کیا گیا ہے امام شوکانیؒ نے ان کا تسلی بخش جواب دے دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

«وَأُجِيبَ بِأَنَّ هٰذِهِ عُمُومَاتٌ مُخَصَّصَةٌ وَاطْلَاقَاتٌ مُقَيَّدَةٌ بِمَا ثَبَتَ مِنَ الْاَدِلَّةِ الدَّالَّةِ عَلَى الْمَنْعِ مِنْ وُقُوعِ فَوْقَ الْوَاحِدَةِ».

(نیل الاوطار ۶/۲۴۶)

اور ان کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ عمومات ہیں۔ جن کی تخصیص کی گئی ہے اور مطلق آیات ہیں۔ جن کو دلائل سے مقید کیا گیا ہے۔ جن سے ایک طلاق سے زیادہ طلاقیں دینے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

دوسری دلیل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ. فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ؟ قَالَ: «لَا حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَهَا الْاَوَّلُ».

(بخاری و مسلم ۱/۴۳)

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں سو اس نے کسی اور مرد سے نکاح کیا اور اس نے (ہمبستری سے پہلے) اسے طلاق دے دی۔ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے ہمبستری نہ کرے۔ (اور لطف اندوز نہ ہو جائے۔)

اس حدیث میں ”طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا“ کا جملہ بظاہر اسی کا مقتضی ہے کہ یہ تین طلاقیں اکٹھی اور دفعۃً دی گئی تھیں۔ (عمدۃ الاثاث ص ۴۹)

جواب: اولاً: اس حدیث میں جس مرد کے طلاق دینے کا ذکر ہے وہ رسول اکرم ﷺ کے صحابی رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ ہیں، بخاری ہی میں اس کی دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ امْرَاَةَ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ جَاءَتْ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلَاقِيْ وَاِنِّيْ نَكَحْتُ بَعْدَهٗ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ الْقُرَظِيَّ وَاِنَّ مَعَهٗ مِثْلَ الْهُدْبَةِ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: «لَعَلَّكِ تُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ؟ لَا حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ».

(بخاری ص ۱۷)

رِفاعۃ قُرظی کی بیوی، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ (کاٹنے والی طلاق) دی۔ اور میں نے اس کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیر قُرظی سے نکاح کر لیا۔ لیکن وہ زوجیت کے لائق نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے۔ نہیں، جب تک کہ (تیرا دوسرا شوہر) تجھ سے لطف اندوز نہ ہو لے اور تو اس سے لطف اندوز نہ ہو جائے۔

بخاری و مسلم میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ فَبَتَّ طَلَاقَهَا فَتَزَوَّجَهَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الزَّبِيْرِ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: اِنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيْقَاتٍ ...... الخ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رفاعۃ قُرظیؓ نے اپنی بیوی کو طلاق بَتّہ دے دی جس کے بعد ان کی مطلقہ بیوی نے عبدالرحمٰن بن زبیر قُرظی سے شادی کر لی، تو زوجۂ رفاعہ نے خدمتِ نبوی ﷺ میں آ کر کہا کہ وہ رِفاعہ کے زوجیت میں تھی پھر اسے رِفاعہ نے باقی ماندہ تین طلاقوں میں سے آخری طلاق بھی دے ڈالی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ تینوں روایات کا حاصل یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ طلاق کو اس قسم کے مختلف الفاظ کے ساتھ تعبیر کرنے کا رواج عام عہدِ نبوی ﷺ و عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود تھا جیسا کہ حدیث فاطمہؓ بنت قیس سے بھی واضح طور پر مستفاد ہوتا ہے اور «آخر ثلاث تطلیقات» کا واضح مطلب باعترافِ علماءِ احناف یہ ہے کہ زوجۂ رفاعہ کو تینوں طلاقیں تین مختلف و متفرق اوقات میں دی گئیں۔

امام ابوبکر جصّاص نے وضاحت کی ہے کہ حدیثِ مذکور کے ان الفاظ کی موجودگی میں حدیث مذکور سے یہ استدلال کرنا قطعاً غلط اور باطل ہے کہ ایک وقت میں تینوں طلاقوں کا دے ڈالنا جائز ہے (احکام القرآن ۱/۵۳) یہی بات علامہ ابن الترکمانی حنفی نے بھی کہی ہے۔

مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحیح بخاری "باب من اجاز الطلاق الثلاث" میں حدیث مذکور کے حاشیہ میں صراحت کی ہے کہ:

فِيهِ التَّرْجَمَةُ فَإِنَّهُ ظَاهِرٌ فِي أَنَّهُ قَالَ لَهُ أَنْتِ طَالِقٌ اَلْبَتَّةَ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ أَنَّهُ طَلَّقَهَا طَلَاقًا حَصَلَ بِهِ قَطْعُ عِصْمَتِهَا وَهُوَ عَامٌّ مِنْ أَنْ يَكُونَ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا مَجْمُوعَةً أَوْ مُفَرَّقَةً وَيُؤَيِّدُ الثَّانِي أَنَّهُ سَيَأْتِي فِي كِتَابِ الْأَدَبِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ أَنَّهَا قَالَتْ طَلَّقَنِي آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ، وَهٰذَا يُرَجِّحُ ...... الخ.	اس لفظ میں ترجمہ الباب کی مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ لفظ عام ہے جو بیک وقت تینوں طلاقیں دینے اور متفرق طور پر تینوں طلاقیں دینے کے معنی ظاہر کرتا ہے۔ مگر اس روایت میں دوسرے معنی مراد ہونے پر صحیح بخاری کتاب الادب میں مروی شدہ اسی حدیث کے الفاظ «آخر ثلاث تطلیقات» دلالت کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا بات مولانا شبیر احمد عثمانی نے شرح مسلم میں بھی کہی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عام علماءِ احناف یہ اعتراف کرنے پر متفق ہیں کہ بتصریح زوجۂ رفاعہ، رفاعہ نے تین مختلف اوقات میں تینوں طلاقیں دی تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۳۸۶/۷) اور علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں بھی یہی بات باب مذکور میں کہی ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور کا دفعۃً دی گئی تین طلاقوں کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر یہ مان لیا جائے کہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں جس واقعہ کا ذکر ہے یہ وہ واقعہ نہیں جس کا حدیثِ رفاعہ رضی اللہ عنہ میں بیان ہوا ہے بلکہ یہ اسی طرح کا کوئی دیگر واقعہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ "طلق امرأته ثلاثا" جس طرح مجموعہ طلاق کیلئے احتمال رکھتے ہیں اسی طرح متفرق طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہیں۔ دونوں طرح کی طلاق کیلئے یہ الفاظ بولنے صحیح ہیں تو پھر دفعۃً تین طلاقوں کیلئے ان الفاظ کا تعین کیسے ہو گیا؟ مشہور قاعدہ ہے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" لہٰذا حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال غلط ہو گیا۔

تیسری دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا:

عَنِ الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيُطَلِّقُهَا ثَلَاثًا؟ فَقَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى يَذُوقَ الْآخَرُ عُسَيْلَتَهَا وَتَذُوقَ عُسَيْلَتَهُ». (مسلم ۴/۱۰)

کہ کوئی شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور اس کے بعد اس کو تین طلاقیں دے دیتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ عورت اس شخص کیلئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلال نہیں۔ جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے لطف اندوز نہ ہو جائے جس طرح کہ پہلا خاوند اس سے لطف اٹھا چکا ہے۔

اس حدیث میں بھی لفظ ثلاثا بظاہر اسی کا مقتضی ہے کہ تین طلاقیں دفعۃً اور اکٹھی دی گئی ہوں۔

جواب: اس حدیث میں لفظ ثلاثا جس طرح مجموعہ طلاق کیلئے احتمال رکھتا ہے اس طرح متفرق طلاقوں کیلئے بھی احتمال رکھتا ہے لہذا اس سے استدلال غلط ہو گیا رِفاعہ قرظیؓ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں "فَبتَّ طَلَاقِیْ" کے الفاظ ہیں۔ جس سے دفعۃً تین طلاقیں سمجھی جاتی ہیں مگر اسی حدیث کی دوسری روایت میں "فَطَلَّقَهَا آخِرَ تَطْلِيْقَاتٍ" کے الفاظ سے وضاحت ہو گئی ہے کہ یہ طلاقیں متفرق طور پر دی گئی تھیں دفعۃً نہیں تھیں۔ اس طرح حدیث زیر بحث میں بھی ثلاثا کے لفظ سے متفرق طلاقیں مراد لی جاسکتی ہیں۔

پھر دارقطنی میں یہ روایت جس سند کے ساتھ آئی ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں ام محمد راوی ہیں جس کو امیہ اور امینہ بھی کہا جاتا ہے یہ زید بن جُدعان کی بیوی ہیں فرماتے ہیں کہ یہ قابل احتجاج نہیں ہے (ابن عیینہ اور امام احمد نے بھی اسے ضعیف کہا ہے یحیٰی بن سعید قطان فرماتے ہیں لیس بشیء اور امام عجلی فرماتے ہیں کہ علی بن زید شیعہ تھے جو قوی نہیں ہیں۔ (التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی ۳۲/۴)

چوتھی دلیل: حضرت محمود بن لبیدؓ کی وہ روایت ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے سامنے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو آپنے ان کو تین ہی قرار دیا یہ الگ بات ہے کہ دفعۃً تین طلاقوں دینے پر ناراضگی کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اظہار بھی فرمایا مگر ان کو جاری فرمایا اگر دفعۃً تین طلاقیں دینا حرام قطعی اور غیر معتبر تھیں تو آپ ﷺ ان کو جاری نہ فرماتے بلکہ ان کو رد کر دیتے مگر ردّ کا لفظ حدیث میں مذکور نہیں۔

جواب: اس میں تین طلاقوں پر آپ ﷺ کے برہم ہونے کا ذکر ہے۔ لیکن ان کو جاری فرمانے کا ذکر نہیں ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد ''أ یلعب بکتاب اللہ'' (کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا) واضح کرتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا کتاب اللہ سے کھیلنا ہے۔ لہٰذا یہ بات کس طرح باور کی جا سکتی ہے کہ آپ ﷺ اس کو مؤثر مان کر کتاب اللہ سے کھیلنے کی اجازت دیں گے؟ الغرض دفعۃً تین طلاقوں کا واقع ہونا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل: حضرت عُوَیمر بن ابیض العَجلانی نے جب رسول اکرم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی خَولہ رضی اللہ عنہا بنت قیس سے لعان کیا تو اس کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ اگر اس کو اپنے پاس روکوں اور بیوی بنا کر رکھوں تو میں نے تو اس پر پھر جھوٹ کہا؟ سو اس نے آپ ﷺ کے حکم صادر فرمانے سے پہلے ہی اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس پر آپ ﷺ نے سکوت فرمایا۔ اگر دفعۃً تین طلاقیں حرام ہوتیں تو آپ ﷺ ضرور حکم ارشاد فرماتے اور کسی طرح خاموشی اختیار نہ فرماتے۔

جواب: اس حدیث میں اصل استدلال ''فطلقها ثلاثا'' کے جملہ سے ہے۔ لیکن یہ حدیث بھی وقوع طلقاتِ ثلاثہ کی دلیل نہیں۔ کیونکہ لعان خود مستقلاً باعث تفریقِ زوجین ہے اور جمہور فقہاء خصوصاً امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک لعان کے کلمات، زوجین سے پورے ہوتے ہی تفریق واقع ہو جاتی ہے۔ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محتاجِ حکمِ حاکم نہیں رہتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگرچہ حکمِ حاکم ضروری ہے لیکن پھر بھی عورت تفریق کی اس حد پر پہنچ جاتی ہے کہ شوہر کے کسی عمل کے دخل کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لیے لعان کے بعد طلاق لغو و بے معنی شے ہے۔ لہٰذا عویمر عجلانی کے اس فعل عبث پر آپ ﷺ کا نکیر نہ فرمانا وقوعِ طلاق اور اس کے جواز کی دلیل نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو (نووی ۱۰/۱۲۲، فیض الباری ۴/۳۱۲، الجوہر النقی ۷/۳۳۰)

فقہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وَاَمَّا حَدِیْثُ الْمُتَلَاعِنَیْنِ فَغَیْرُ لَازِمٍ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ لَمْ تَقَعْ بِالطَّلَاقِ فَاِنَّهَا وَقَعَتْ بِمُجَرَّدِ لِعَانِهِمَا. (المغنی ۷/۱۰۳)	رہی لعان والی حدیث تو اس سے لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جدائی طلاق سے نہیں بلکہ مجرد لعان سے ہوتی ہے۔

تاہم اگر نبی ﷺ کی تقریر سے کوئی چیز ثابت کی جاسکتی ہے تو صرف یہ کہ لعان کے بعد دفعۃً تین طلاقیں دی جاسکتی ہیں۔ اس میں عموم پیدا کرنا اور جہاں رجوع کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے وہاں کیلئے دفعۃً تین طلاقوں کے وقوع کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

آپ ﷺ کی خاموشی اور نہ ٹوکنے کے بارے میں علامہ سرخسی نے مبسوط میں اس کے دو جواب دیئے ہیں:

اِنَّمَا تَرَكَ الْاِنْكَارَ عَلَى الْعَجْلَانِیِّ فِی الْوَقْتِ شَفْقَةً عَلَیْهِ لِعِلْمِهٖ اَنَّهٗ بِشِدَّةِ الْغَضَبِ -رُبَّمَا لَا یَقْبَلُ	رسول اللہ ﷺ نے اس وقت عُوَیمر عجلانی کو ٹوکا نہیں۔ یہ بات شفقت کی بنا پر تھی۔ کیونکہ شِدّتِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَوْلُهٗ فَيَكْفُرُ- فَاَخَّرَ الْاِنْكَارَ اِلٰى وَقْتٍ اٰخَرَ وَاَنْكَرَ عَلَيْهِ فِيْ قَوْلِهٖ فَلَا سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا اَوْ كَرَاهَةَ اِيْقَاعِ الثَّلَاثِ لِمَا فِيْهِ مِنْ سَدِّ بَابِ التَّلَافِيْ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ وَّذٰلِكَ غَيْرُ مَوْجُوْدٍ فِيْ حَقِّ الْعَجْلَانِيِّ لِاَنَّ بَابَ التَّلَافِيْ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ مُنْسَدٌّ مَا دَامَا مُقِرَّيْنِ عَلَى اللِّعَانِ -وَالْعَجْلَانِيُّ كَانَ مُصِرًّا عَلَى اللِّعَانِ-

غضب کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی بات شاید قبول نہ کر پاتے اور کافر ہو جاتے۔ اس لیے حضور ﷺ دوسرے (مناسب وقت کیلئے ٹوکنے کو مؤخر کر دیا اور اتنا فرما دیا کہ تجھے اس پر اب کوئی اختیار نہیں ہے۔ یا یہ بات ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا اس لیے مکروہ ہے کہ تلافی کا دروازہ بلا ضرورت بند ہوتا ہے اور عجلانی رضی اللہ عنہ کے کیس میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ کیونکہ لعان کرنے والے جب لعان پر مُصِرّ ہوں تو تلافی کا دروازہ بند ہوتا ہے اور عجلانی لعان پر مصر تھے۔

علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی فیض الباری میں اس حدیث پر بحث کی ہے۔ اور علامہ سرخسی کے جوابات کے علاوہ اور بھی جواب دیئے ہیں ان کا پہلا جواب یہ ہے:

اَوَّلًا: فَاِنَّ التَّطَابُقَ بَيْنَ الْحِكَايَةِ وَالْمَحْكِيِّ عَنْهُ فِي الصِّفَةِ لَيْسَ بِضَرُوْرِيٍّ يُمْكِنُ اَنْ طَلَّقَهَا فِي الْخَارِجِ مُتَفَرِّقًا وَّعَبَّرَ عَنْهُ الرَّاوِيْ ثَلَاثًا اَخْذًا بِالْحَاصِلِ وَلَا بُعْدَ

پہلا جواب یہ ہے کہ صورتِ واقعہ اور اس کے بیان کے درمیان صفتِ واقعہ میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ عجلانیؓ نے تین طلاقیں الگ الگ دی ہوں اور راوی نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِیْہِ. (فیض الباری ۴/۳۲۱) بطور حاصل کے، انہیں تین کہہ دیا ہو۔ اور اس میں کوئی بُعد نہیں ہے۔

علامہ انور شاہ کے اس جواب سے بہت سی متعلقہ احادیث کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحب کا دوسرا جواب ملاحظ ہو:

وَثَانِیًا: لِاَنَّھَا وَقَعَتِ الْفُرْقَۃُ بِنَفْسِ اللِّعَانِ کَمَا ھُوَ مَذْھَبُ الشَّافِعِیِّ لَمْ یُصَادِفْ تَطْلِیْقُہٗ اِیَّاھَا مَحَلَّہٗ فَکَانَ ھَدْرًا فَلَمْ یَعْبَأْ بِھَا وَاِذْنُ لَا تَقْرِیْرَ فِیْہِ اَیْضًا فَاِنَّہٗ لَوْ صَادَفَ مَحَلَّہٗ ثُمَّ سَکَتَ النَّبِیُّ لَکَانَ تَقْرِیْرًا مِنْہُ وَاَمَّا اِذَا کَانَ فِعْلُہٗ عَبَثًا وَتَطْلِیْقُہٗ کَالْعَدَمِ فَاَغْمَضَ عَنْہُ. (۴/۳۱۲)

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب فُرقت، نفسِ لعان ہی سے ہوگئی جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے تو عویمرؓ نے طلاق غیر موقع اور غیر محل میں دی۔ لہٰذا اس سے طلاق بے فائدہ ہوگئی۔ اس لیے آپ ﷺ نے اسے کالعدم سمجھا۔ لہٰذا اس میں بھی آپ ﷺ کے سکوت سے جواز ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر اپنے محل میں واقع ہوتی پھر آپ سکوت اختیار فرماتے تو طلاق ثلاثہ کا جواز ثابت ہوسکتا تھا۔ لیکن جب عُوَیمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا فعل اور اس کا طلاق دینا ہی عبث تھا تو آپ ﷺ نے انکار کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔

حضرت شاہ صاحب کا تیسرا جواب:

وَاَمَّا ثَالِثًا: فَبَانَ الْفُرْقَۃُ وَاِنْ لَمْ تَقَعْ عِنْدَنَا بِنَفْسِ اللِّعَانِ لٰکِنَّھَا قَدِ

تیسرا جواب یہ ہے کہ علیحدگی اگرچہ ہمارے نزدیک نفسِ لعان سے نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسْتَحَقَّتْهَا وَعَلَى شَرَفٍ مِنْهَا وَمَعْلُومٌ أَنَّهَا لَا سَبِيلَ لَهَا إِلَيْهِ بَعْدَ اللِّعَانِ فَفِي مِثْلِهِ يَجُوزُ تَطْلِيقُهُ ثَلَاثًا عِنْدَنَا أَيْضًا لِأَنَّهُ إِذَا انْقَطَعَ احْتِمَالُ الْعَوْدِ لَمْ تَبْقَ مَظِنَّةُ الرُّجُوعِ فَلَا بِدْعَةَ فِي تَطْلِيقِهَا ثَلَاثًا. (فیض الباری ص۳۱۲۔۳۱۳)

ہوتی۔ لیکن عورت آخری سرحد پر پہنچ کر اُسکی مستحق ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ لعان کے بعد عورت اس مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی لہٰذا ایسی صورت میں اسے تین طلاقیں دینا ہمارے نزدیک بھی جائز ہے کیونکہ جب دوبارہ لوٹنے کا احتمال ہی ختم ہوگیا تو رجوع کرنے کی کوئی شکل باقی نہ رہی (تو ایسی صورت میں) اسے تین طلاقیں دینا کوئی بدعی امر نہیں ہے۔

جناب شاہ صاحب کے دوسرے جواب کی تعلیق میں مولانا بدر عالم تحریر فرماتے ہیں:

اسی کے مثل علامہ ابن رُشد مالکی سے بدایۃ المجتھد (۵۶/۲) میں مذکور ہے اور ان کی عبارت کو ہم نے سورہ نور کی تفسیر میں نقل کر دیا ہے اور علامہ مار دِینیؒ نے بھی اسی طرح جواب دیا ہے کہ امام شافعی کے مذہب میں ہے کہ فُرقت، نفس لعان ہی سے واقع ہو جاتی ہے تو عویمرؓ نے طلاق غیر موقع اور غیر محل میں دی۔ اس لیے ان کی طلاق نہ تو محلِ مملوک میں اور نہ ہی نفاذ سے دو چار ہوئی کیونکہ انہوں نے بیوی کو اس وقت طلاق دی جبکہ وہ بائن ہو چکی تھی۔ پس چونکہ امام شافعیؒ بائن کو بائن سے ملحق نہیں کرتے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کے انکار کی حاجت ہی نہ رہی۔ (فیض الباری ۳۱۲/۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور شاہ صاحب کی تقریر فیض الباری (۴/۲۱۳) میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

اَلتَّطْلِيْقُ ثَلَاثًا بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ بِدْعَةٌ عِنْدَنَا وَعِنْدَ اَحْمَدَ وَاِنْ وَّقَعَتْ وَلَيْسَتْ بِبِدْعَةٍ عِنْدَ الْاِمَامِ الْبُخَارِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَحِيْنَئِذٍ يَّرِدُ عَلَيْنَا تَقْرِيْرُ النَّبِيِّ ﷺ فَاَجَابَ عَنْهُ السَّرْخَسِيُّ بِاَنَّ التَّفْرِيْقَ فِي الصُّوْرَةِ الْمَذْكُوْرَةِ لَمَّا تَعَيَّنَ حَرَّكَهَا اللِّعَانُ صَارَ تَطْلِيْقُهٗ كَالْعَدَمِ فَاِنَّهٗ لَوْ لَمْ يُطَلِّقْهَا لَفَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا فَكَانَ ذٰلِكَ اَمْرًا كَائِنًا لَا مَحَالَةَ طَلَّقَهَا اَوْ لَمْ يُطَلِّقْهَا لَا سِيَّمَا عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ فَاِنَّ اللِّعَانَ عِنْدَهُمْ بِنَفْسِهٖ مُوْجِبٌ لِلتَّفْرِيْقِ وَتَقْرِيْرُ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ مِثْلِهٖ لَا يُوْجِبُ كَوْنَهٗ مَشْرُوْعًا فَاِنَّا قَدْ عَلِمْنَا مِنَ الْخَارِجِ كَوْنَهَا بِدْعَةً عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَاِذَا كَانَ تَطْلِيْقُهٗ هٰهُنَا كَالْعَدَمِ لَمْ يَكُنْ تَقْرِيْرُهٗ عَلَيْهِ تَشْرِيْعًا فَكَاَنَّهٗ لَمْ يَلْتَفِتْ اِلَيْهِ وَلَمْ يُلْقِ لَهٗ بَالًا لِكَوْنِهٖ مِمَّا لَا يُعْبَأُ بِهٖ.

دفعۃً تین طلاق واقع ہونے کے باوجود ہمارے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بدعت ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں بدعت نہیں ہے۔ لہٰذا ہم پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے جب یہ بدعت ہے تو آپ نے اس پر خاموشی کیوں اختیار فرمائی؟ تو اس کا جواب علامہ سرخسی نے یہ دیا ہے کہ مذکورہ صورت میں جب تفریق لعان کی وجہ سے متعین ہوگئی تو اس کا طلاق دینا کالعدم ہو گیا کیونکہ اگر وہ طلاق نہ بھی دیتا تب بھی نبی ﷺ ان کے درمیان تفریق کرا دیتے۔ یہ تفریق ہونی ہی تھی، وہ طلاق دیتا یا نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتا۔ خاص کر شافعیہ کے ہاں، کیونکہ ان کے ہاں تو نفس لِعان ہی تفریق کا موجب ہے۔ اور ایسے مقام پر آپ ﷺ کی خاموشی کسی امر کے مشروع ہونیکا موجب نہیں بنتی۔ کیونکہ اس کا بدعت ہونا ہمیں دیگر اَدِلّہ سے معلوم ہے جب اس کا طلاق دینا کالعدم ہو گیا تو آپ ﷺ کا نکیر نہ فرمانا بھی وقوعِ طلاق اور اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔ پس یوں سمجھئے کہ آپ ﷺ نے اسکی طلاق کو قابلِ اِلتفات ہی نہیں سمجھا اور نہ ہی اسے خاطر میں لائے۔

علامہ آلوسی بغدادی تحریر فرماتے ہیں

وَأُجِيبَ عَمَّا فِي خَبَرِ عُوَيْمِرٍ بِأَنَّهَا وَاقِعَةُ حَالٍ فَلَعَلَّهَا مِنَ الْمُسْتَثْنَيَاتِ لِمَا أَنَّ مَقَامَ التَّلَاعُنِ ضَيِّقٌ فَيُغْتَفَرُ فِيهِ مِثْلُ ذٰلِكَ بِعُذْرٍ فِيهِ الْغَيْرُ. (روح المعانی ۲/۱۳۶)	واقعہ، طلاقِ عویمر عجلانی اپنی بعض خصوصیات و اسباب کی بنا پر اس بحث سے تعلق ہی نہیں رکھتا اور اس سے وقوعِ طلاقِ ثلاثہ اور اس کے جواز پر استدلال بداھۃً غلط ہے۔

نیز حدیث کے لفظ ”کَذَبْتُ عَلَيْهَا“ پر غور کرو، یہ جملہ اور اس کے بعد کے کلمات خود بتا رہے ہیں کہ عُوَیمر فرطِ غضب سے مخمور تھے بلا سوچے سمجھے بولنے پر مجبور تھے۔ ان کو قطعاً ہوش نہ تھا کہ مجھ کو لب کشائی کی حاجت و موقع ہے یا نہیں۔ جو منہ میں آتا تھا بول جاتے تھے پھر راوی کے بیان ”فَطَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا“ کے اندر متعدد احتمالات ہیں۔

عویمر نے ”اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا“ کہا تھا یا ”اَنْتِ طَالِقٌ، طَالِقٌ، طَالِقٌ“ کہا تھا یا ”اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ“، کہا تھا پھر یہ بھی احتمال ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"طَلَّقْتُهَا" کہا تھا یا "طَلَّقْتُكِ" کہا تھا۔ تو جب تک ساری تفصیلات واضح نہ ہو جائیں، طلاقِ ثلاثہ کے وقوع کا کیسے حکم صادر کیا جا سکتا ہے۔

ابوداؤد کی روایت کا جواب: بے شک ابوداؤد (۳۰۲/۱) میں اس قصہ کی ایک روایت میں "فَانْفَذَهُ" کا اضافہ آیا ہے یعنی عویمر عجلانی نے آپ ﷺ کے روبرو یکے بعد دیگرے تینوں طلاقیں دیدیں، آپؐ نے اس کو نافذ کر دیا اور عمویمر نے حضور ﷺ کے سامنے بسلسلہ لعان جو کچھ کیا وہ دستور ہو گیا۔ حضرت سہیل بیان کرتے ہیں کہ اسوقت میں خود حضور ﷺ کے پاس موجود تھا پس اسوقت سے دستور ہو گیا کہ لعان کرنے والے جوڑا کے درمیان تفریق کر دی جائے اور دونوں کبھی اکٹھا نہ ہوں۔

لیکن حق وانصاف یہ ہے کہ "فَانْفَذَهُ" کا لفظ محفوظ نہیں۔ چنانچہ یہ واقعہ متعدد اسانید اور متعدد اصحاب سے حدیث کی تمام کتابوں میں منقول ہے مگر کسی میں بھی یہ لفظ نہیں بلکہ اس کے جگہ "فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا" کا لفظ ہے۔

اس کے علاوہ امام زُہری کے دوسرے شاگردوں نے بھی یہ حدیث امام زُہری سے روایت کی ہے۔ لیکن عیاض بن عبداللہ کے علاوہ کسی نے بھی اس زیادتی کو بیان نہیں کیا۔ اس لیے اس لفظ کی روایت میں یہ متفرد ہوئے چونکہ یہ مجروح بھی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عِيَاضُ بْنُ عَبْدِاللهِ الْفِهْرِيُّ نَزِيْلُ مِصْرَ فِيْهِ لِيْنٌ...... وَقَالَ أَبُوحَاتِمٍ: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ. (تہذیب ۲۰۱/۸)

ان سے اَوثق واَثبت، اَعدل واَضبط رُواۃ نے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔ اس لیے یہ زیادتی مقبول نہ ہو گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز ابوداؤد کی اس روایت میں خود ایسے الفاظ موجود ہیں جو نفاذِ طلاقِ ثلاثہ کی نفی کرتے ہیں مثلاً: "وَكَانَ مَا صَنِعَ سُنَّةً" (عُوَیمر نے جو کچھ کیا وہ سنت ہوگیا) اور سب لوگ جانتے ہیں کہ لعان کیلئے مخصوص طور پر شہادت دینے کا دستور ہے، طلاق دینے کا دستور نہیں۔ بلکہ "فَمَضَتِ السُّنَّةُ بَعْدُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ اَنْ يُّفَرَّقَ بَيْنَهُمَا"، کے مطابق لعان کرنے والے جوڑا کے درمیان تفریق کردینے اور فُرقت کا حکم لگا دینے کا دستور ہے۔

اگر بالفرض "فَاَنْفَذَهُ" کو محفوظ بھی مان لیا جائے تو دوسری روایات کی روشنی میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مابین تفریق ابدی اور فُرقت دائمہ کو نافذ فرما دیا "فَاَنْفَذَ التَّفْرِيْقَ الْمُؤَبَّدَ اَوْ اَنْفَذَ الْفُرْقَةَ الْمُؤَبَّدَ"، اور اگر اسی کے ساتھ مسلم کی روایت کے "فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا"، کو بھی ملا لیا جائے تو مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ لعان کے بعد طلاق مہمل اور لغو شے ہے۔ (اسلام کا نظامِ طلاق ص ۱۰۸)

بہر حال یہ سمجھنا کہ آنحضرتؐ ﷺ نے عُوَیمر عَجلانی کی دفعۃً تین طلاقوں پر فوری گرفت نہیں فرمائی لہٰذا اکٹھی طلاقیں جائز ہیں۔ بے علمی کی علامت ہے جیسا کہ مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہوا۔ یہ موقع نہیں تھا جہاں موقع تھا وہاں آپؐ نے غضبناک ہو کر گرفت فرمائی۔ جیسے محمود بن لبید کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی خاموشی کو رضا پر محمول کرلیا جائے تو پھر اکٹھی تین طلاقیں بدعت نہ رہیں گی۔ حالانکہ احناف اسے بدعت کہتے ہیں۔ نیز گزارش ہے کہ لعان کے بعد عورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو طلاق دینا تو ایسے ہی ہے جیسے کسی راہ چلتی اجنبیہ کو طلاق دے دی جائے یا ہوائی فائر جتنے مرضی کیے جائیں اس کا اثر ہی کیا ہے۔ اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے اور اس کا نوٹس لینے کی بھی کیا ضرورت ہے۔

چھٹی دلیل: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی، حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ان سے کہو کہ وہ رجوع کریں۔ پھر اسی حالت میں بیوی کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ طاہر ہو جائے پھر جب دوسرا حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو جائے تو چاہیں تو روک لیں چاہیں تو مجامعت سے پہلے طلاق دے دیں یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ نے عورتوں کی طلاق کے سلسلہ میں دیا ہے"۔ (مسلم کتاب الطلاق)

جواب: یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں ہے اسی لیے امام مسلمؒ نے اس حدیث کو طلاقِ ثلاثہ کے باب میں بیان نہیں کیا ہے بلکہ تحریمِ طلاق الحائض کے باب میں بیان کیا ہے۔ البتہ بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ایک سوال کے جواب میں موجود ہے کہ:

فَاَمَّا اِنْ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيمَا اَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلَاقِ امْرَاَتِكَ وَبَانَتْ مِنْكَ. (مسلم کتاب الطلاق)	"اگر تو نے تین طلاقیں دی ہیں تو اپنی بیوی کی طلاق کے معاملے میں تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ تجھ سے جدا ہو گئی"۔

اس جواب میں تین دفعۃً طلاقوں کی صراحت نہیں ہے مزید برآں اس کی حیثیت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتوے کی ہے یعنی مرفوع حدیث کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ جز نہیں ہے۔

رہا مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی اور طبرانی کا مرفوعاً بیان کرنا کہ:

فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ لَوْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا اَكَانَ يَحِلُّ لِيْ اَنْ اُرَاجِعَهَا؟ فَقَالَ: «لَا، كَانَتْ تَبِيْنُ مِنْكَ وَكَانَتْ مَعْصِيَةً».

''ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول ﷺ! اگر میں تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ تم سے جدا ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا''۔

یہ اضافہ والی روایت ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''اِغاثۃ اللھفان'' میں لکھا ہے اس کے ایک راوی شُعَیب ہیں جن کے ثقہ ہونے میں کلام ہے۔ صحیح طریقوں سے یہ حدیث جہاں کہیں روایت کی گئی ہے اس میں یہ اضافہ نہیں ہے لہٰذا اس سے دفعۃً تین طلاقوں کا اِیقاع ثابت نہیں ہوتا۔

مولانا سید حامد علی سیکرٹری جماعت اسلامی ہند مذکورہ اضافہ کے بارے میں لکھتے ہیں ان الفاظ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے طلاق مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے اگر چہ یہ ٹکڑا اس مفہوم میں صریح نہیں ہے ''طلقتها ثلاثا'' کا مفہوم تین بار طلاق بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض دوسری احادیث کی روایات میں یہی مفہوم ہے۔ پوری حدیث کو سامنے رکھ کر جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر حالتِ حیض میں ایک یا دو طلاق دی جائے تو رجوع کا حق باقی رہتا ہے لیکن اگر تین بار طلاق دے دی جائے تو حقِ رجعت باقی نہیں رہتا، البتہ حالتِ حیض میں طلاق دینے کا گناہ باقی رہے گا۔

بہرحال اس ٹکڑے کے مجمل الفاظ سے استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن یہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری ٹکڑا جس پر استدلال کا دار و مدار ہے سب روایتوں میں نہیں ہے۔ بیہقیؒ نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس ٹکڑے کے راوی صرف شعیب ہیں اور ان کے سلسلہ میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ یہی نہیں تفسیر قرطبی میں اس کے برعکس یہ روایت موجود ہے کہ عبدالرحمٰن بن عمر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوئی۔ (تفسیر قرطبی جلد سوم صفحہ ۱۲۹)

پھر رُزَیق بن شعیب یا شعیب بن رُزَیق کے علاوہ جنہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں عطاء خراسانی بھی ہیں جنہیں امام بخاریؒ، شعبہؒ اور ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور سعید بن میّب نے انہیں جھوٹا بتایا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ روایت اس طرح آئی ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ ثُمَّ تَطْهُرَ ثُمَّ اِنْ شَاءَ اَمْسَكَ بَعْدُ وَاِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ اَنْ يَّمَسَّ فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ.

(بخاری ۴/ ۱۷۱۷)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے دور میں طلاق دے دی، تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں حکم دو وہ رجوع کر لیں۔ پھر اسے روکے رکھیں یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر حائضہ ہو، پھر پاک ہو جائے۔ پھر اگر چاہیں تو روک لیں اور چاہیں تو ہم بستر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے سے پہلے طلاق دے دیں تو یہ ہے وہ عدت جس کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے وقت میں طلاق دی جائے''۔

اس روایت میں مزید ایک طُہر کے انتظار کا ارشاد اس لیے ہے کہ طلاق کا فیصلہ ٹل جائے یا حالتِ حیض میں طلاق دینے کی سزا کے طور پر ہے بہر حال اس روایت میں وہ آخری ٹکڑا نہیں ہے جس سے استدلال کیا گیا تھا۔ البتہ صحیح مسلم میں اس کے بعد اتنا اور ہے:

وَزَادَ ابْنُ رُمْحٍ فِي رِوَايَتِهِ وَكَانَ عَبْدُاللهِ اِذَا سُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ لِاَحَدِهِمْ اِنْ طَلَّقْتَ امْرَاَتَكَ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَمَرَنِي بِهٰذَا وَاِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ وَعَصَيْتَ اللهَ فِيْمَا اَمَرَكَ مِنْ طَلَاقِ امْرَاَتِكَ.

''اور ابن رُمح نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے جب اس سلسلہ میں سوال کیا جاتا تو وہ سائل سے فرماتے اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بار طلاق دی ہے تو یہ وہ صورت ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس (رجعت کا حکم دیا ہے لیکن اگر تم نے تین طلاقیں دے دیں تو تم پر بیوی حرام ہو گئی جب تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور تم نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے سلسلے میں اللہ کی نافرمانی کی''۔

صحیح مسلمؒ کی ایک روایت میں مرۃ اور مرتین کے بجائے واحدۃ اور ثنتین بھی ہے۔ صحیح مسلم کی یہ روایت صحیح بخاریؒ میں بھی ہے لیکن اس اضافہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ ہے، نہ کہ حدیثِ رسولؐ، پھر یہ ٹکڑا بھی ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجلس میں تین طلاق دینے کیلئے صریح نہیں ہے "طلقتها ثلاثا" سے تین بار طلاق مراد ہوسکتی ہے اور "عَصَيْتَ اللهَ" کا تعلق حالتِ حیض میں طلاق دینے سے ہوسکتا ہے۔ اور اسی صورت میں یہ ٹکڑا اوپر سے صحیح طور پر جڑتا ہے۔ (مجموعہ مقالات علمیہ ص ۱۴۳۔۱۴۴)

رواۃ حدیث پر بحث: مذکورہ اضافہ والی روایت منکر اور ناقابلِ استدلال ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قصۂ طلاق بہت سی سندوں سے مروی ہے لیکن اس سند کے علاوہ دوسری کسی بھی سند سے یہ زیاتی مروی نہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں:

«هذه الزيادات التى اتى بها عن عطاءالخراسانى ليست فى رواية غيره و قد تكلموا فيه». (۷/۳۳۰)

یہ اضافے جو عطاء خراسانی سے بیان کئے گئے ہیں کسی دوسری روایت میں نہیں ہیں۔ اور عطاء خراسانی خود متکلم فیہ راوی ہیں۔

اور علامہ عبدالحق نے اپنی "الاحکام" میں اس روایت کو اسی سند سے ذکر کرنے کے بعد "معلیٰ بن منصور" کی وجہ سے معلّل قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

رَمَاهُ اَحْمَدُ بِالْكَذِبِ وَلَمْ يَعُلّ الْبَيْهَقِيُّ فِي هٰذَا السَّنَدِ اِلَّا بِعَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ وَقَالَ اِنَّهُ اَتٰى فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ بِزِيَادَاتٍ لَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهَا وَهُوَ ضَعِيْفٌ فِي الْحَدِيْثِ لَا

امام احمدؒ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ امام بیہقیؒ نے اس سند کو عطاء خراسانی کی وجہ سے معلل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث میں عطاء خراسانی نے جو زیادات بیان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُقْبَلُ مَا تَفَرَّدَ بِهٖ. کی ہیں اس پر کسی نے اس کی متابعت نہیں کی، اور وہ اس حدیث میں ضعیف ہے، جب منفرد ہوتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں ہوتی۔

اس حدیث پر امام بیہقی اور علامہ عبدالحق نے صرف عطاء اور معلٰی بن منصور کی وجہ سے کلام کیا ہے حالانکہ اس سند کے مسلسل تین راوی مجروح ہیں۔

۱۔عطاء خراسانی: ان کے بارے میں حافظ ابن حجر، تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں سعید بن مسیّب کہتے ہیں: ''كَذَبَ عَلَيَّ عَطَاءٌ مَا حَدَّثْتُهُ''، عطاء نے غلط کہا ہے میں نے اس سے بیان نہیں کیا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ امام مالک کے شیوخ میں عطاء خراسانی کے علاوہ کوئی قابل ترک نہیں۔ اور ان کے متروک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حدیثیں عموماً الٹی پلٹی ہوتی ہیں۔ نیز امام بخاریؒ نے ان کو ''ضعفاء'' میں ذکر کیا ہے (میزان) ابن حبان کہتے ہیں ان کا حافظہ ردی تھا، غلطی کر جاتے تھے اور اس کی ان کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ اس لیے ان کی حدیثوں سے احتجاج باطل ہے۔ امام شُعبہ فرماتے ہیں بہت زیادہ بھولنے والے تھے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں زیادہ غلطیوں کی وجہ سے معروف ہیں، ان کا بیٹا عثمان اور ابن زُریع دونوں ضعیف ہیں۔ (زیلعی) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ سچا ہے، لیکن وہمی بہت ہے، تدلیس اور ارسال بھی کرتا ہے۔ (تقریب) امام ذہبی لکھتے ہیں یہ بہت زیادہ ارسال کیا کرتے تھے۔ (میزان)

۲۔شعیب بن رزیق: امام دارقطنی ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ مگر عطاء خراسانی کے طریق سے ان کی روایت میں کلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں۔ محدث دُحیم فرماتے ہیں کہ **لا باس به تھے**، ابوالفتح ازدی اور ابن حزم ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ (میزان۔ تہذیب التہذیب)

۴۔ معلّٰی بن منصور، رازی: میمون اور اثرم فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے کہا میں نے معلّٰی بن منصور سے کوئی چیز نہیں لکھی۔ وہ وہی چیز بیان کرتا ہے جو اس کے خیال کے مطابق ہو۔ اور ہر روز دو تین آیتوں میں غلطی کر جاتا ہے۔ امام احمد سے پوچھا گیا آپ معلّٰی بن منصور سے حدیث کیوں نہیں لکھتے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ منشی ہے، شرائط وغیرہ لکھنے کا کام کرتا ہے جو جھوٹ کے شائبہ سے خالی نہیں ہوتا۔ (تہذیب)

اسی وجہ سے امام ابن حزمؒ، حافظ ابن قیمؒ اور امام شوکانیؒ وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف، ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام بن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاَمَّا حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ فَفِيْ غَايَةِ السُّقُوْطِ لِاَنَّهٗ عَنْ رُزَيْقِ بْنِ شُعَيْبٍ اَوْ شُعَيْبِ بْنِ رُزَيْقٍ الشَّامِيِّ وَهُوَ ضَعِيْفٌ. (المحلی ۱۰/۱۷۰)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو شعیب کے علاوہ کئی دوسرے لوگوں نے بھی روایت کیا ہے مگر انہوں نے وہ زیادتی بیان نہیں کی جو شعیب بیان کرتا ہے۔ اور شعیب متکلم فیہ راوی ہے بلا شبہ ثقہ ائمہ نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو روایت کیا ہے مگر جو زیادتی شعیب بیان کرتا ہے وہ انہوں نے نہیں بیان کی۔ بنا بریں اصحاب صحاح اور سنن نے زیادتی والی روایت بیان نہیں کی۔

(زاد المعاد ۵/۲۶۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اَرَاَیْتَ لَوْ طَلَّقْتُھَا'' کے الفاظ بیان کرنے میں عطاء خراسانی منفرد ہے۔ دوسرے حُفّاظ یہ زیادتی بیان نہیں کرتے ویسے بھی اسکی سند میں شعیب بن رُزیق راوی ہے جو ضعیف ہے۔ (نیل الاوطار ۶/۲۴۲)

الغرض مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی اور طبرانی کی یہ اضافہ والی روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل احتجاج نہیں ہے۔ لہٰذا بعض مقلدین کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور حَسَن کے درجہ سے کسی طرح یہ روایت فروتر نہیں ہے۔

ساتویں دلیل: حضرت نافع بن جُبیر فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سُہَیمہ کو ''بتہ'' (تعلق قطع کرنے والی) طلاق دی تو اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور کہا:

بخدا میں نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم تو نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا ہے؟ رکانہ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم میں نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بی بی اسے واپس دلوادی۔ دوسری طلاق رکانہ نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دی۔ (ابوداؤد ص۲۰۰، ودارقطنی ۲/ ۳۹، ومستدرک ۲/ ۱۹۹)

اس حدیث میں اگر لفظ بتہ سے دفعۃً تین طلاقیں پڑنے کا جواز ثابت نہ ہوتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رکانہ کو کیوں قسم دیتے؟ اور اس سے یہ بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہوا کہ ایک ہی مجلس اور ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

جواب: حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے ائمہ جو حدیث وفقہ کی علتوں کے ماہر ہیں جیسے امام احمدؒ، امام ابوعُبید اور امام بخاریؒ انہوں نے بتہ والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں جن کی عدالت و ضبط معلوم نہیں۔ امام احمدؒ نے تین طلاق والی روایت کو ثابت کیا ہے اور اس کا درست ہونا بیان فرمایا ہے اور کہا ہے کہ جس روایت میں طلاقِ بتہ کا ذکر ہے وہ ثابت نہیں۔ بلکہ آپ سے منقول ہے کہ بتہ کی یہ روایت اس لیے کوئی چیز نہیں کہ ابن اسحاق اسے داؤد بن حصین، وہ عکرمہ سے، وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ اہل مدینہ تین طلاقوں کو طلاق بتہ کہتے ہیں۔ اثرم نے جب امام احمدؒ سے رکانہؓ کی طلاق بتہ والی حدیث کی نسبت پوچھا؟ تو آپ نے فرمایا یہ ضعیف ہے۔ (اعلام الموقعین ۳/۴۴)

علامہ شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں:

وَأُجِيبَ بِأَنَّ الْحَدِيثَ ضَعِيفٌ وَمَعَ ضُعْفِهِ مُضْطَرِبٌ وَّمَعَ اضْطِرَابِهِ مُعَارِضٌ بِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الطَّلَاقَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاحِدَةً، فَالِاسْتِدْلَالُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ لَيْسَ بِصَحِيحٍ.

(عون المعبود ۶/۲۹۱)

جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور مضطرب ہے اور بایں ہمہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ ”رسول اللہ ﷺ کے عہد میں طلاق ایک ہی ہوتی تھی“ کے معارض بھی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن عبد البر تمہید میں فرماتے ہیں "ضَعَّفُوْهُ" سب نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ نَظَرْنَا فِي خَبَرِ رُكَانَةَ فَوَجَدْنَاهُ مِنْ طَرِيقِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ نَافِعٍ عَنْ عُجَيْرٍ وَكِلَاهُمَا مَجْهُولٌ ...... ثُمَّ نَظَرْنَا حَدِيثَ الزُّبَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ فَوَجَدْنَاهُ ضَعِيفًا وَالزُّبَيْرُ مَتْرُوكٌ. (محلی ۱۰/۱۹۱)

پھر ہم نے حدیثِ رکانہ کو دیکھا تو اسے عبد اللہ بن علی بن یزید، نافع عن عجیر کے طریق سے پایا، عبداللہ اور عُجیر دونوں مجہول ہیں۔ پھر ہم نے زبیر بن سعید کی خدیث کو دیکھا تو اس کو بھی ضعیف پایا اور زبیر بن سعید متروک راوی ہیں۔

اس تفصیل سے امام ابو داؤد، امام حاکم اور ابن حبان کی تصحیح کی بھی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس حدیث کو صحیح کہنا کس قدر واقفیت وحقیقت سے دور ہے۔

آٹھویں دلیل: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نے بحالتِ حیض اپنی بیوی کو بتّۃ (تعلق قطع کرنے والی) طلاق دے دی ہے، انہوں نے فرمایا کہ تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے بالکل الگ ہوگئی ہے۔ اس شخص نے کہا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی تو ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو رجوع کا حق دیا تھا؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے مگر اس لیے کہ اس کی طلاق باقی تھی اور تیرے لیے تو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حق نہیں، (کیونکہ تیری طلاق باقی نہیں)۔ (سنن الکبریٰ ۷/۳۳۴)

چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تھی اس لیے ان کیلئے رجوع کا حق تو محفوظ تھا مگر اس شخص نے اپنے حقِ رجوع کا ترکش خالی کر دیا تھا جس سے یہ صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔

جواب: یہ روایت حضرت عمرؓ کے منقولہ مذہب، بروایتِ صحیح کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک طلاق بتہ رجعی ہوتی ہے اور گنجائش باقی رہتی ہے

چنانچہ ملاحظہ ہو:

اِنَّ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ ابْتُلِيَ بِهَا وَهُوَ اَمِيرُ الْكُوفَةِ فَاَرْسَلَ اِلَى شُرَيْحٍ وَّقَالَ: قُلْ فِي رَجُلٍ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ اَلْبَتَّةَ؟ فَقَالَ: قَالَ فِيهَا عُمَرُ وَاحِدَةً وَّهُوَ اَمْلَكُ بِهَا. (کتاب الآثار محمد بن حسن ص ۷۴-۷۵، وکتاب الام للشافعی ۵/۲۴۲، وازالۃ الخفاء ۲/۱۱۶)

عروہ بن مغیرہ طلاق بتہ میں مبتلا ہوئے اس وقت وہ حاکمِ کوفہ تھے انہوں نے حضرت قاضی شریحؒ سے فتویٰ طلب کیا کہ جو شخص اپنی بیوی کو "أنتِ طالِق البتة" کہے، اس پر کیا حکم شرعی ہے؟ تو قاضی شریحؒ نے جواب کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ ایک رجعی طلاق ہوگی۔ شوہر کو مدتِ عدت کے اندر رجوع کا اختیار ہوگا۔

نیز مذکورہ روایت، ائمۂ احناف کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک طلاق بتہ صرف ایک بائن واقع ہوتی ہے۔ بنا بریں اس روایت سے طلاقِ ثلاثہ کے وقوع پر استدلال غلط ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعید بن عبدالرحمٰن متکلم فیہ راوی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے ان کو "لا یحتج به" کہا ہے اور امام دارقطنی اس اثر کو روایت کر کے فرماتے ہیں۔ اس اثر کو بہت سے لوگوں نے بیان کیا ہے۔ لیکن سعید بن عبدالرحمٰن جمحی کے علاوہ کسی نے اس میں حضرت عمرؓ کے کلام کو ذکر نہیں کیا ہے۔ (دارقطنی ص ۴۲۸)

دراصل یہ فتویٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے۔ جس کو راوی سعید بن عبدالرحمٰن نے ضُعف حافظہ کی بناء پر حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

نویں دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب اسی قسم کے مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو ان سے فرماتے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو بے شک آنحضرت ﷺ نے (اس صورت میں) مجھے رجوع کا حکم دیا تھا اور اگر تم نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ تو یقیناً وہ تم پر حرام ہوگئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تیرے بغیر کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور اس طرح تو نے اپنی بیوی کو طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی بھی کی ہے۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے۔

جواب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ حالتِ حیض میں طلاق دینے والی روایت جو پہلے گزر چکی ہے یہ روایت بھی اسی کا حصہ ہے۔ ابن رُمح راوی نے اپنی روایت میں یہ اضافہ بیان کیا ہے اس روایت میں "اِنْ طَلَّقْتَ امْرَاَتَكَ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ" کے الفاظ ہیں۔ لیکن صحیح مسلم ہی کی دوسری روایت میں مَرَّةً اور مَرَّتَيْنِ کے بجائے واحدة اور ثنتین بھی ہے۔ صحیح مسلم کی یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن اس اضافہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ ہے نہ کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیثِ رسول ﷺ پھر یہ ٹکڑا بھی ایک مجلس میں تین طلاق دینے کیلئے صریح نہیں ہے "طَلَّقتهَا ثَلاثًا" سے تین بار طلاق مراد ہو سکتی ہے اور "عَصَيتَ اللهَ" کا تعلق حالتِ حیض میں طلاق دینے سے ہو سکتا ہے اور اسی صورت میں یہ ٹکڑا اوپر سے صحیح طور پر جڑ سکتا ہے۔ بہر حال اس روایت میں مجلس واحد یا متفرق مجالس کا ذکر نہیں ہے جس طرح دفعۃً تین طلاقیں دینا ایک ناپسندیدہ امر ہے۔ اسی طرح ہر طُہر میں رجوع کئے بغیر تین طلاقیں دینا بھی ناپسندیدہ امر ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مذکورہ فتویٰ میں ان دونوں امر کا احتمال ہے۔ لہٰذا اس سے دفعۃً تین طلاقیں ہی مراد لینا ترجیح بلا مُرجّح ہے جو غلط ہے۔

دسویں دلیل: حضرت زید بن وھبؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک مسخرہ مزاج آدمی تھا اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی۔ جب اس کا یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے ہاں پیش کیا گیا اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے تو محض دل لگی اور خوش طبعی کے طور پر یہ طلاقیں دی ہیں یعنی میرا قصد اور ارادہ نہ تھا تو حضرت عمرؓ نے دُرّہ سے اس کی مرمت کی۔ اور فرمایا کہ تجھے تو تین طلاقیں ہی کافی تھیں۔ (سنن الکبریٰ ۷/۳۳۴)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک کلمہ اور ایک مجلس میں دی گئی طلاقوں کا اعتبار کرتے تھے۔

جواب: اس مسئلہ کو زیادہ آسانی کے ساتھ سمجھانے کی غرض سے ہم عرض کرتے ہیں کہ جو حضرات بیک وقت ایک سے زائد دی ہوئی طلاقوں کے وقوع کے قائل ہیں۔ وہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ بیک وقت۔ اگر تین طلاقوں سے زیادہ چار سے لے کر ایک ہزار یا لاکھ کروڑ اور ستاروں کی تعداد بھر طلاقیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے ڈالے تو مطلقہ پر صرف تین ہی طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور تین سے زائد ساری طلاقیں کالعدم ہوں گی۔ مثلاً بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ کے پاس ایک آدمی نے کہا کہ "طَلَّقْتُ امْرَاَتِیْ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ مَرَّةً" میں نے اپنی بیوی کو بیک وقت ننانوے طلاقیں دے دی ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے اس آدمی سے کہا کہ تم نے اس مسئلہ کو دوسروں سے پوچھا تو کیا جواب ملا ہے؟ شخص مذکور نے کہا لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ "قَدْ حُرِّمَتْ عَلَیْكَ" یہ مطلقہ بیوی اب تم پر حرام ہوگئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: "لَقَدْ اَرَادُوْا اَنْ یُّبْقُوْا عَلَیْكَ. بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَّسَائِرُهُنَّ عُدْوَانٌ" یعنی کہ ان جواب دینے والوں نے تم پر جواب دینے میں شفقت و نرمی برتی ہے۔ کیونکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تمہاری دی ہوئی ان ننانوے طلاقوں میں سے صرف تین طلاقوں کی وجہ سے تمہاری یہ بیوی تو بائنہ ہوگئی۔ اور ان سے باقی چھیانوے طلاقیں گناہ، سرکشی کا موجب ہوئیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۵، ونصب الرایہ وغیرہ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بیوی کو سو طلاقیں دے چکا ہے۔ ابن مسعود نے کہا کہ صرف تین طلاقوں کی وجہ سے وہ حرام ہو چکی ہے۔ باقی ستانوے طلاقیں عدوان و سرکشی اور جرم و گناہ ہیں۔ اسی طرح کی بات حضرت ابن مسعودؓ کے علاوہ متعدد صحابہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وغیرہم سے بھی مروی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق و سنن بیہقی وغیرہ)

ظاہر ہے کہ تین سے زائد دی ہوئی طلاقوں کو ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے کالعدم اور معصیت و جرم قرار دیا ہے جس کا واحد سبب یہ ہی کہ یہ طلاقیں بے موقع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و بے محل، حکمِ شریعت کے خلاف دی گئی ہیں۔ اسی طرح طلاق کے وقتِ خاص میں جب نصوص کے مطابق ایک سے زیادہ طلاقیں بے موقع و بے محل ہیں تو اسی اصول کے تحت ایک سے زیادہ دی ہوئی ایک وقت کی طلاقیں بھی غیر واقع، کالعدم ہوں گی۔ اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک وقت کی طلاقِ ثلثہ کے وقوع کے فتویٰ کا انتساب صحیح ہے تو یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ ہمارا فتویٰ قرآن و حدیث کی کسی نص سے ماخوذ ہے۔

بعض روایات میں صراحت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ اِلَی عَلِيّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ: اِنِّیْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِیْ اَلْفًا. قَالَ: بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ، اَقْسِمْ سَائِرَهُنَّ بَيْنَ نِسَائِكَ.
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳-۱۴ و سنن دار قطنی ۲/۴۳۳)

یعنی خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاقوں سے تو تمہاری یہ بیوی بائنہ ہوگئی اور نو سو ستانوے طلاقیں تم اپنی دوسری بیویوں پر تقسیم کردو۔

ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات محض غصہ میں کہی تھی ورنہ تین سے زیادہ طلاقوں کو دوسری بیویوں پر تقسیم کرنے کا قائل کوئی بھی نہیں۔ یہی غصہ والی بات ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ میں بھی کارفرما تھی جنہوں نے ایک وقت میں ایک سے زیادہ دی ہوئی طلاقوں کو واقع بتلایا۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے جاری کردہ حکم کا سبب بھی یہی تھا کہ لوگوں کی بے راہ روی کے سدِ باب کیلئے انہوں نے یہ اقدام کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ غیر نبی کی زبان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے غصہ کی حالت میں نکلی ہوئی ایسی باتوں کو حجتِ شرعی نہیں قرار دیا جا سکتا کہ جب غیر نبی کی یہ باتیں خلاف نصوص ہوں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا فرمان کے مطابق جس آدمی نے اپنی ایک بیوی کو تین سے زیادہ سیکڑوں طلاقیں دے ڈالی ہوں ان میں سے تین۔ تین طلاقیں اس کی دوسری بیویوں پر بھی واقع ہو جائیں گی پھر وہ تمام بیویوں سے محروم ہو جائے گا۔ اس معاملہ میں ہمارے مخالفین میں سے کوئی شخص بھی حضرت علیؓ کے فرمانِ مذکور کو دلیل و حجت نہیں بناتا۔ اس کے سبب پوچھنے پر یہ مخالفین اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ایسے آدمی کی دوسری بیویوں پر یہ طلاقیں اس لیے نہیں واقع ہوں گی کہ یہ طلاقیں بے موقع و بے محل ہیں۔ اور حضرت علیؓ کا فرمان نصوص کے خلاف ہونے کے سبب ناقابل اعتبار ہے۔ پھر یہی اصول جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوی پر بھی جاری کیا جائے تو بھلا یہ اقدام کیونکر درست نہیں ہوگا؟

اس احقر کی تو یہ رائے ہے کہ ہزار میں سے جو باقی بچیں (یعنی کم از کم ۹۹۷) وہ بھی کیوں ضائع ہو جانے دی جائیں! یہ ان علماء کرام کی ازواج پر پڑ جانی چاہئیں جو اس زمانے میں اکٹھی تین طلاق کے نفاذ کا علم سنبھالے ہوئے ہیں کہ اس عائلی خدمت کے صلہ میں انہیں اس قسم کے اعزاز و اکرام کا مستحق ضرور سمجھا جانا چاہیے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولم ینقل احد عن النبی ﷺ	نبی علیہ السلام سے ایک بھی روایت مروی
باسناد منقول أن أحدا طلق	نہیں کہ کبھی کسی نے اپنی بیوی کو تین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امرأة ثلاثا بكلمة واحدة ما لزمه الثلاث، بل روى في ذلك أحاديث كلها كذب باتفاق أهل العلم ولكن جاء في أحاديث صحيحة أن فلانا طلق امرأته ثلاثا متفرقة. (فتاوی ابن تیمیہ ۲/۸۸)

طلاقیں دی ہوں اور آپ ﷺ نے انہیں تین قرار دیا ہو۔ اس سلسلہ میں جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب بالاِجماع جھوٹی ہیں۔ ہاں متعدد صحیح احادیث میں اس طرح آتا ہے کہ فلاں نے اپنی بیوی کو الگ الگ تین طلاقیں دیں۔

گیارھویں دلیل: حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو ہمبستری سے پہلے تین طلاقیں دے دیں فرمایا کہ تین طلاقیں متصور ہوں گی اور وہ عورت پہلے خاوند کیلئے تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے حلال نہ ہوگی۔ اور حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسا شخص لایا جاتا تو آپ اس کو سزا دیا کرتے تھے۔ (سنن الکبری ۷/۳۳۴)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ جس عورت کے ساتھ خاوند نے ہمبستری نہیں کی ہوتی تھی جب کہ وہ اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو حضرت عمرؓ ان کو تین ہی قرار دے دیتے۔

جواب: غیر مدخول بہا عورت کے لیے طلاق کا کوئی وقت خاص نہیں۔ ضرورت پر ہمہ وقت طلاق دی جا سکتی ہے لیکن عدداً ایک طلاق سے زائد دینی بدعت اور ممنوع ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی تینوں طلاقیں بیک جملہ یا بیک وقت دے دیتا ہے تو واقع ہوتی ہیں یا نہیں؟ مدخول بہا کی طرح اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔لیکن اس میں قدرے تفصیل ہے۔ علماءِ اَحناف کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عدد کی تصریح کے ساتھ بیک لفظ تینوں طلاقیں دیتا ہے مثلاً کہتا ہے: "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلاثًا" تجھ کو تین طلاقیں، تو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہے اور بیوی کلیۃً حرام ہو جاتی ہے اور اگر تینوں طلاقیں متفرق طور پر دی جائیں تو بیوی پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور دوسری، تیسری طلاقیں لغو ہوں گی۔ اس صورت میں شوہر دوبارہ نکاح کر کے بیوی کو واپس لے سکتا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجلس واحد کی تینوں طلاقیں ہر صورت واقع ہوتی ہیں خواہ وہ بیک لفظ دی گئی ہوں یا متفرق طور پر۔ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ طُہرِ واحد کی ساری طلاقیں بہرحال ایک شمار ہوں گی بیوی مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا۔ بیک کلمہ دی گئی ہوں یا متفرق طور پر۔ فرق اتنا ہے کہ غیر مدخول بہا کو واپس لینے کیلئے دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔

چونکہ اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں۔ اس لیے سارے مکتب فکر کا مُستدل اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے فتاوی ہیں یا رائے وقیاس۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ دفعۃً تین طلاقیں دینے سے صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ اس میں فرق کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

بارھویں دلیل: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو ہمبستری سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔

(سنن الکبریٰ ۷/۳۳۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب: اس کا جواب گیارھویں دلیل حضرت انسؓ کی روایت کے جواب میں آ گیا ہے۔

نیز حضرت علیؓ سے ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تین طلاقیں تو اس کو تجھ پر حرام کر دیتی ہیں اور باقی ماندہ طلاقیں اپنی دوسری بیویوں پر تقسیم کر دے۔ (سنن الکبریٰ ۳۳۵/۷)

اس روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک کلمہ اور ایک مجلس کی تین طلاقیں تینوں ہی متصور ہوتی ہے۔

اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک دفعۃً تین طلاقوں کا تین طلاقیں متصور ہونا، دوسرے باقی طلاقوں کا دوسری بیویوں پر تقسیم ہو کر ان کا حرام ہونا۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ ہمارے مقلدین حضرات تین طلاقوں کے تین ہونے کو تو مانتے ہیں۔ مگر باقی طلاقوں سے دوسری عورتوں کے حرام ہونے کو نہیں مانتے۔ حالانکہ روایت ایک ہی ہے اس کے ایک حصہ کو ماننا اور دوسرے حصہ سے انکار کرنا یہ "قسمة ضيزى" ہے نیز یہ حضرات یہ بھی بڑے زور شور سے دعویٰ کرتے ہیں کہ طلاقِ ثلاثہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کے اقدام کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ لہٰذا یہ امت کا اِجماعی مسئلہ ہے۔

یہاں بھی روایت زیر بحث میں خلیفہ راشد حضرت علیؓ کا فتویٰ ہے کہ باقی طلاقوں کو دوسری بیویوں پر تقسیم کر کے وہ بھی حرام ہو جاتی ہیں یہاں بھی خلیفہ راشد کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ لہٰذا جیسے حضرت عمرؓ کا فتویٰ بقول ان حضرات کے امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ ایسے ہی حضرت علیؓ کا فتویٰ بھی ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرات کے نزدیک امت کا اجماعی مسئلہ ہونا چاہئے مگر حیرانی کی بات ہے کہ ہمارے یہ مقلدین حضرات، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوی کو تو مانتے ہیں لیکن حضرت علیؓ کے فتوی کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں ہی خلیفہ راشد ہیں یہ بھی "قسمة ضیزی" ہے۔

تیرھویں دلیل: حضرت حسن بن علیؓ سے روایت اس طرح آئی ہے کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر جب لوگوں نے بیعت کی تو آپ کی بیوی عائشہ خثعمیہ نے آپ کو خلافت کی مبارک دی۔ آپ سمجھے شاید اس نے حضرت علیؓ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے مبارک باد دی جا رہی ہے۔ آپ نے اسے تین طلاقیں دے ڈالیں۔ عدت گزرنے پر پچھتائے اور فرمایا:

لَوْ لَا اَنِّیْ سَمِعْتُ جَدِّیْ اَوْ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ اَنَّهٗ سَمِعَ جَدِّیْ یَقُوْلُ: اَیُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا مُبْهَمَةً اَوْ ثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَاءِ لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ لَرَاجَعْتُهَا. (دار قطنی ۲/۴۳۷)

اگر میں نے یا میرے باپ نے نبی ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو اکٹھی یا تین طہروں میں تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کیلئے جائز نہیں یہاں تک وہ کسی غیر سے نکاح کرے، تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دے چکنے کے بعد رجوع کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ متفرق طور پر تین اطہار میں تین طلاقیں دینے کے بعد حرام ہے۔

جواب: مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

في إسناده عمرو بن شمر الجعفي، الكوفي، الشيعي. قال يحيى بن معين: ليس بشيء. وقال ابن حبان: رافضي، يشتم الصحابة، يروي الموضوعات. وقال البخاري: منكر الحديث. (تعلیق المغنی ۲/ ۴۳۷)

اس کی سند میں عَمر و بن شمر جعفی، کوفی، شیعہ ہے یحیٰی بن مَعین نے کہا یہ کوئی مال نہیں۔ ابن حبان نے کہا یہ رافضی تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتا تھا اور موضوعات بیان کرتا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے منکر الحدیث کہا۔

عَمر و بن شمر نے عمران بن مسلم سے روایت کیا ہے جسے ابو احمد الزبیدی نے ''رافضی، کا نہ جرو کلب'' کہا ہے۔

بیہقی میں اس کی ایک دوسری سند کے متعلق ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

وأما حديث سُوَيد بن غَفَلَةَ عن الحسن فمن رواية محمد ابن حميد الرازي. قال أبوزُرعة الرازي: كذاب. وقال صالح جزرة: ما رأيت أحزق بالكذب منه، ومن الشاذكوني وسلمة الفضل. قال أبوحاتم: منكر الحديث. (اغاثہ ۱/ ۳۱۹)

اس میں محمد بن حمید رازی کو ابوزُرعہ نے کذاب کہا ہے۔ صالح کہتے ہیں میں نے محمد بن حمید رازی، شاذکونی اور سلمہ بن فضل سے زیادہ جھوٹ میں ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ ابوحاتم نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے: **فيه نظر**.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وكذبه أبوزرعة وعن ابن عوسج قال: أشهد أنه كذاب. قال صالح: ما رأيت أجرأ على الله منه كان يأخذ أحاديث الناس فيقلب بعضه بعضا. (ميزان)

اسے ابوزُرعہ نے کذاب کہا۔ ابن عوسج نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کذاب ہے۔ صالح نے کہا میں نے اس سے زیادہ اللہ پر دلیر کسی کو نہیں دیکھا۔ لوگوں کی حدیثیں لے کر الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا۔

اس سند میں ایک اور راوی سلمہ بن فضل القرشی ہے اسے ابو حاتم نے "منکر الحدیث" اور ابوزُرعہ نے "لا اعرفه" کہا ہے۔ (میزان) قال علی: خَرَجْنَا مِنَ الرَّيِّ حَتّٰى رَمَيْنَا بحديثه. (تہذیب ابن حجر) علی نے کہا رَیّ سے جا کر ہم نے اس کی مرویات کو پھینک دیا۔

چودھویں دلیل: فتاویٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ: حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے۔ جس سے مجھے گمان ہوا کہ وہ اس طلاق کو طلاقِ رجعی قرار دیں گے مگر انہوں نے کہا کہ لوگ حماقت کر بیٹھتے ہیں پھر یہاں آ کر اے ابن عباسؓ اے ابن عباسؓ! پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾. "جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے راہ پیدا کر دیتے ہیں۔" تم اللہ سے نہیں ڈرتے اس لیے میں تمہارے لیے کوئی راہ نہیں پا رہا ہوں۔ تم نے اللہ کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہوگئی۔ (ابوداؤد، دارقطنی ص ۴۵۱۔ بیہقی ۷/۳۳۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کی مختلف روایت میں تقریباً کوئی آٹھ فتوے منقول ہوئے ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ وہ طلاق ثلاثہ کو نافذ مانتے تھے وہ خواہ ایک طُہر میں دی گئی ہوں یا متفرق اطہار میں۔ بیک جملہ دی گئی ہوں یا متعدد الفاظ میں۔ اور ان کے یہ فتوے ان کے بہت سے شاگردوں نے روایت کئے ہیں۔ چنانچہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء بن رباح ومجاهد وعِكرِمة وعَمرو بن دينار ومالك بن الحارث ومحمد بن إياس بن البكير ورويناه عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري كلهم عن ابن عباس أنه أجاز الطلاق الثلاث وأمضاهن. (بیہقی ص ۳۳۷)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ان سب شاگردوں نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے طلاقِ ثلاثہ کو بحال کیا ہے اور ان کو نافذ مانا ہے۔

ایک عقدۂ لاینحل: جو لوگ امور شرعیہ میں اقوال کو حجت نہیں مانتے وہ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فتوے کو یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ "وَاَمَّا الْاَثَرُ فَلا اَثَرَ لَهُ" لیکن جن کے یہاں اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حجت شرعیہ کی حیثیت رکھتے ہیں وہ عجب کش مکش میں مبتلا ہوں گے۔ کیونکہ اس اثر کی رو سے جس طرح "انت طالق، انت طالق، انت طالق"، اور "وانت طالق، طالق، طالق". اور "أنت طالق ثلاثا، وأنتِ طالق ثلاثا"، طلاق السنہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح متفرق اطہار کی طلاق ثلاثہ کی بھی حرمت ثابت ہے۔ اور جس طرح طہر واحد میں طلاق ثلاثہ کا جمع کرنے والا عاصی و گنہگار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔ اسی طرح متفرق اطہار میں بھی طلاق ثلاثہ کا جمع کرنے والا عاصی و نافرمان ہوتا ہے۔ کیونکہ جس طرح طہر واحد میں تینوں طلاقوں کو جمع کر کے نادم ہونے والا رجعت کی گنجائش نہیں پاتا اور اس کے لے راہِ تدارک مسدود ہوتی ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بدرجہ اتم اس شخص کے لیے تدارک کی صورت اور رجعت کی گنجائش ناپید ہو جاتی ہے۔ جو اطہارِ متفرقہ میں تینوں طلاقیں دیدینے کی جرأت کر بیٹھتا ہے۔ حالانکہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے اصول مستنبطہ کی رو سے اطہار مختلفہ کے اندر طلاقِ ثلاثہ کو جمع کرنے والے کیلئے رجعت کی گنجائش باقی رہنی چاہیے۔ کیونکہ یہ معصیت نہیں۔

اب یا تو امام مالک رحمہ اللہ کی طرح طلاقِ ثلاثہ کو مطلقاً حرام و معصیت قرار دیا جائے یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مستنبطہ قاعدہ کو غلط قرار دیا جائے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اگر چہ بیشتر فتاوے حرمت زوجہ کے ہیں اس کے باوجود ان کے بعض فتوے اس کے خلاف بھی ملتے ہیں چنانچہ امام ابو داؤد نے بطریق حماد بن زید عن أیوب عن عِکرِمة عن ابن عباس روایت کیا ہے کہ:

«إذا قال أنت طالق ثلاثا فهي واحدة». (ابوداؤد ۱/۳۰۶)

اگر عدد کی تصریح کے ساتھ بیوی سے بیک جملہ ''انتِ طالق ثلاثا'' کہتا ہے تو یہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔

اسی طرح مصنف عبدالرزاق اور سنن کبری بیہقی میں عکرمہ، عطاء، طاؤس اور جابر بن زید سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس عورت کے بارے میں جس کی شوہر کے ساتھ یکجائی نہیں ہوئی ہے فرماتے تھے کہ اگر شوہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین طلاقیں دیتا ہے خواہ بیک لفظ یا بچند الفاظ۔ بہر صورت وہ ایک طلاق شمار ہوگی۔ اور عورت شوہر پر حرام نہیں ہوگی۔ (عون ۲/ ۲۲۷، وبیہقی ۷/ ۲۵۵)

اور امام طاؤس بیان کرتے ہیں کہ:

وَاللّٰهِ! مَا كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَجْعَلُهَا اِلَّا وَاحِدَةً. اللہ کی قسم! ابن عباس رضی اللہ عنہ تو اس کو صرف ایک طلاق شمار کرتے تھے۔

(ابوداؤد مع عون المعبود ۲/ ۲۲۷)

الغرض مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں کی طلاقوں کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاوے باہم متعارض ہیں۔ اور طلاقِ واحد کا فتوی کسی طرح بھی طلاق ثلاثہ کے فتوے سے کمزور نہیں، اس لیے ان کے وہ فتاوے جو اُن کی روایت کے خلاف ہیں۔ ان کی روایت پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور روایت بدستور قابل استدلال رہے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

قرآنِ مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نمبر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجلس واحد کی تین طلاق کو طلاقِ مغلظہ بائنہ مانتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے کے مسلک کو حضرت علی، عبد اللہ بن مسعود، عبد الرحمن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا معروف مسلک تو یہی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو وہ تین طلاق مانتے تھے۔ مگر ان کی طرف یہ قول بھی منسوب ہے کہ وہ اِس طلاق کو ایک طلاق مانتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے:

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بِفَمٍ وَاحِدٍ، فَهِيَ وَاحِدَةٌ. (عون المعبود ۲/۲۷۰)

حضرت عکرمہ سے مروی ہے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایک دفعہ ''أنتِ طالق ثلاثا'' کہا تو یہ ایک طلاق ہوگئی۔

ایک اور صحیح روایت میں حضرت طاؤس سے مروی ہے:

وَاللّٰهِ مَا كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَجْعَلُهَا إِلَّا وَاحِدَةً. (عون المعبود ۲/۲۷۲)

بخدا! ابن عباس رضی اللہ عنہ اسے ایک ہی شمار کرتے تھے۔

مولانا عامر عثمانی مدیر ''تجلی'' نے طلاق نمبر میں چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست دی ہے۔ جن کے متعلق ان کا دعوی ہے کہ یہ حضرات دفعۃً دی گئی تین طلاق کو تین ہی سمجھتے تھے۔ ذیل میں ہم ان حضرات کا نمبروار ذکر کریں گے اور طلاق کے سلسلے میں ان کی اصل پوزیشن واضح کریں گے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف یہ فتوی منسوب کیا گیا ہے کہ ایک وقت کی طلاق ثلاثہ تین طلاقیں قرار پائیں گی۔

جواب: مگر اس فتوی کے خلاف امام نخعیؒ سے مروی ہے:

اِنَّ عُمَرَ وَابْنَ مَسْعُوْدٍ قَالَا: اَلْبَتَّةُ تَطْلِيْقَةٌ وَهُوَ اَمْلَكُ بِهَا. (مصنف ابن ابی شیبہ ۶۶/۵)	حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں، طلاق البتہ کو ایک رجعی طلاق قرار دیتے تھے۔

ہمارے خیال میں مذکورہ بالا روایت اس بات کی دلیل ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی الواقع ایک وقت کی طلاق ثلاثہ کو ایک رجعی طلاق قرار دیا کرتے تھے۔ مگر ابن مسعودؓ سے بہرحال صحیح سند سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک وقت کی طلاق ثلاثہ، تین ہی ہوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن مسعودؓ اس مسئلہ میں دو مختلف فتاوی دیا کرتے تھے۔ کبھی نصوص کتاب و سنت کے مطابق، کبھی حضرت عمرؓ کے تعزیری قانون کے مطابق۔ یہی حال حضرت ابن عباسؓ کا بھی تھا۔

۲۔ حضرت ابن عمرؓ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بخاری و مسلم کی روایات کے مطابق وہ طلاقِ ثلاثہ کو تین قرار دیتے تھے۔

جواب: یہ غلط ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت کا یہ مفاد ہرگز نہیں کہ موصوف ایک وقت کی طلاق ثلاثہ کو تین قرار دیتے تھے۔ بلکہ روایات صحیحین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں صرف یہ صراحت ہے کہ ابن عمرؓ تین طلاقوں کو تین کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ تین طلاقوں سے مراد تین مختلف اوقات میں متفرق طور پر دی ہوئی طلاقیں ہیں جنہیں ابن عمرؓ نے تین قرار دیا ہے۔ اور اہلحدیث کا مسلک بھی یہی ہے۔ صحیحین تو کیا کسی بھی معتبر روایت سے ثابت نہیں کہ ابن عمرؓ ایک وقت تین طلاقوں کو تین قرار دیتے تھے۔ البتہ حضرت ابن عمرؓ نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی میری طلاقِ واحد کو رسول اللہ ﷺ نے حکمِ شریعت کے مطابق کالعدم قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا اسی اصول کے تحت ایک وقت کی طلاق ثلاثہ معنوی طور پر صرف ایک قرار پاتی ہے۔

۳۔ حضرت علیؓ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بیک دفعہ تین طلاق کو بائنہ ہی سمجھتے تھے۔ ہم معترف ہیں کہ موصوف سے بیشک بطریق معتبر ایک فتوی اسی طرح کا منقول ہے۔ مگر ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت علیؓ کے ایک فتوی کا مفاد یہ ہے کہ تین سے زیادہ دی ہوئی کسی آدمی کی طلاقیں اس کی تمام بیویوں پر تقسیم کر دی جائیں گی۔ مگر اہلِ تقلید متفقہ طور پر حضرت علیؓ کے اس فتوی کو مردود قرار دیتے ہیں۔ پھر یہی لوگ اپنے موافق فتوی سے کیوں حجت پکڑتے ہیں۔ نیز امام ابن وضاح کے حسب تصریح حضرت علیؓ سے اس کے خلاف دوسرا فتوی، موقف اہلحدیث کے مطابق بھی مروی ہے۔ لہٰذا حضرت علیؓ کے معاملہ میں ہماری طرف سے اسی قسم کی بات کافی ہے۔ جو حضرت ابن مسعودؓ کے سلسلے میں ہم کہہ آئے ہیں۔

۴۔ خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ: معاویہ بن ابی یحییٰ فرماتے ہیں کہ بیک وقت دی ہوئی ہزاروں طلاقوں میں سے تین کو حضرت عثمانؓ واقع اور باقی کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عُدوان و کالعدم قرار دیتے تھے۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ بحوالہ سنن وکیع بن الجراح)

جواب: معاویہ بن ابی یحیٰ اَتباع تابعین میں سے ہیں۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے موقوف و مرسل و منقطع روایات کرتے ہیں۔ (ثقات ابن حبان ۷/ ۴۶۸۔ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ترجمہ معاویہ)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ روایت مذکور صحیح نہیں ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں یہی واقعہ دوسری سند سے یعنی قال إبراهيم أخبرني أبو الحويرث عن عثمان موجود ہے مگر ابو الحویرث کا لِقاء و سَماع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ نیز ابوالحویرث سے اسے روایت کرنے والے إبراهيم عن جعفر بن زبرقان پر بھی کلام ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اس فتویٰ کا انتساب صحیح نہیں ہے۔

۵۔ حضرت عمر فاروق رض: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ جس نے تین بار أنت طالق کہا تو یہ تین طلاقیں ہونگی۔ (سنن سعید بن منصور)

جواب: ہم معترف ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یقیناً اس اقرار کے ساتھ تعزیری طور پر ایک وقت کی طلاق ثلاثہ کو تین قرار دیئے جانے کا حکم نافذ کیا تھا کہ عہدِ نبویؐ و صِدّیقیؓ اور خود عہدِ فاروقی میں نصوص کتاب وسنت کے مطابق ایک وقت کی تین طلاقیں ایک قرار دیئے جانے کا رواج عام تھا۔ پھر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلاف نُصُوص اپنے اس اِقدام پر آخری زندگی میں افسوس بھی ہوا تھا۔ اور یہ افسوس رجوع کے قائم مقام تھا۔

۶۔ حضرت عمرو بن العاص رض: ان کے بارے میں بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ایک وقت کی تین طلاق کو تین ہی شمار کرتے تھے۔

جواب: مگر حقیقت یہ ہے کہ عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بجائے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عَمرو بن العاص سے اس طرح منقول ہے کہ غیر مدخولہ کو بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہونگی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ساتھ اس موضوع پر بحث کے دوران ان کے جلیل القدر شاگرد عطاء بن یسار نے واضح طور پر یہ کہا تھا کہ غیر مدخولہ کو بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں صرف ایک شمار ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲/۵)

ظاہر ہے کہ عطاء بن یسار نے یہ بات اپنے دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ اساتذہ کے فیضِ درس و اِفتاء نیز نصوص شرعیہ کی روشنی میں بجا طور پر سمجھی تھی اور انہی کی بات اس معاملہ میں حق وصواب ہے۔

۷۔ حضرت ابن عباسؓ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایک وقت کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیتے تھے۔

جواب: ہمیں اعتراف ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک فتوی موقف اہل تقلید کے مطابق، مگر دوسرا فتوی اس کے خلاف موقفِ اہلِ حدیث یعنی نصوص کے مطابق ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ مطابق نصوص فتوی ہی درست ہے اور خلافِ نصوص غیر درست ہے۔ بہر حال علی الاِ طلاق ابن عباس رضی اللہ عنہ کو موقفِ اہل تقلید کا حامی قرار دینا قطعاً غیر صحیح ہے۔

۸۔ حضرت ابوہریرہؓ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ بیک وقت طلاق ثلاثہ کو تین ہی شمار کرتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ غیر مدخولہ عورت سے متعلق ہے جس کا معاملہ بہرحال مدخولہ سے کئی صورتوں میں مختلف ہے۔ بعض صورتوں میں اہل تقلید بھی غیر مدخولہ کے معاملہ میں ہمارے موقف کے حامی ہیں۔

۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ: اہل تقلید بحوالہ طحاوی ذکر کرتے ہیں کہ ان کا فتویٰ بھی طلاق ثلاثہ کے بارے میں تین ہی کا تھا۔

جواب: مگر روایت طحاوی میں اس امر کی صراحت نہیں کہ فتوی انس رضی اللہ عنہ مدخولہ عورت کی بابت ہے یا غیر مدخولہ کی بابت، لیکن یہی روایت مصنف عبدالرزاق (۲۳۲/۶) وسنن بیہقی میں اس قید کے ساتھ ہے کہ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کا فتوی مذکورہ غیر مدخولہ سے متعلق ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ مطلق روایت مقید پر محمول ہوتی ہے۔ اِلَّا یہ کہ تفریق کی کوئی دلیل ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ غیر مدخولہ کا معاملہ مدخولہ سے مختلف ہے۔ اور بعض صورتوں میں اہل تقلید بیک وقت کی طلاق ثلاثہ کو ایک ہی شمار کرتے ہیں۔ اس لیے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کے فتوی کو زیر بحث مسئلہ میں موافق مذہب تقلید کہنا صحیح نہیں۔ پھر یہ بھی بعید نہیں کہ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ قانونِ فاروقی کے پیش نظر مذکورہ فتوی دیتے تھے۔ جیسا کہ اس روایت میں ہے کہ موصوف نے اپنے فتوی مذکورہ کو بیان کرکے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان یہی تھا۔ مگر بہرحال یہ روایت تو غیر مدخولہ کے ساتھ ہے۔

۱۰۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس نے فرط غضب میں بیوی کو سو طلاقیں دے دیں۔ اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہونگی، باقی فالتو ہوں گی۔ حافظ ابن قیمؒ نے اغاثہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یہ روایت کی اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

جواب: مذکورہ روایت کے ناقل اگرچہ مشہور ثقہ تابعی قیس بن ابی حازم بجلی احمسی ہیں مگر قیس سے اسے نقل کرنے والے طارق بن عبدالرحمٰن بجلی احمسی مختلف فیہ ہیں۔ امام یحییٰ بن سعید قطان ونسائی نے ان کو مجروح کہا ہے۔ امام ابوحاتم نے کہا "**لا بأس به یکتب حدیثه**" اور جس راوی کے بارے میں یہ کلمہ کہا جائے اس کی روایت بلا متابع مقبول نہیں۔ کیونکہ معنوی طور پر یہ بھی جرح ہے یہی بات ابن عدی نے بھی کہی ہے یعنی "**أرجو أنه لا باس به**" جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی روایت بلا متابع، بعض صحاح وسنن میں ان کی جن روایات کی تصحیح کی گئی ہے وہ محض متابع وشواہد کی بنا پر ہے۔ مگر روایتِ مذکورہ کا کوئی متابع و شاہد نہیں۔ اس لیے حضرت مُغیرہ کی طرف فتوی مذکور کا انتساب غیر صحیح ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اگر اس پر کلام نہیں کیا تو اس سے ہرگز یہ لازِم نہیں آتا کہ روایت مذکورہ فی نفسہ صحیح ہے۔

۱۱۔ حضرت عمران بن حصین: مصنف ابن ابی شَیبہ میں ہے کہ عمران بن حُصَین رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو واقع قرار دیا اور حرام و باعثِ گناہ بھی۔ اسے علامہ تُرکمانی وابن قیمؒ نے بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا مگر رد وقدح مطلق نہیں کی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ سند صحیح ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت مذکورہ کا ناقل جس شخص کو ظاہر کیا گیا ہے اس کا نام مصنف ابن ابی شیبہ کے اصل نسخہ میں سحبان، اور بعض میں ابن سحبان لکھا ہوا ہے۔ محشی مصنف ابن ابی شیبہ نے بخیال خویش اس نام کی تصحیح (بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۷) کر کے یہ نام "واقع بن سحبان"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتلایا ہے۔ (ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ مع حواشی ۱۰/۵، نیز ملاحظہ ہو سنن بیہقی ۷/۳۳۲)

عمران سے روایت مذکورہ کے ناقل کے نام میں اس اختلاف وعدم تعین کے باوصف معاملہ یہ ہے کہ موصوف کا تذکرہ عام کتب رجال میں نہیں۔ اور طبقات ابن سعد میں موصوف واقع بن سحبان کا ذکر نہیں ہے مگر محشی مصنف ابن ابی شیبہ کا دعوی ہے کہ ابن سعد سے یہ تصحیح کی گئی ہے کہ عمران سے روایت کرنے والے یہی واقع بن سحبان ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ واقع بن سحبان کی توثیق بھی کسی نے نہیں کی ہے، نہ ابن سعد اور نہ کسی اور نے۔ یعنی کہ موصوف مجہول ہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ ان کا عمران سے سَماع تھا یا نہیں۔ علاوہ ازیں موصوف واقع سحبان مجہول سے روایت کے ناقل حُمید طَوِیل ثقہ ہونے کے باوجود مدلس ہیں۔ جنہوں نے عَنْعَنَہ کے ساتھ یہ روایت نقل کی، اور یہ معلوم ہے کہ مدلس کی معنعن روایت ساقط الاعتبار ہے۔ یہ ساری باتیں اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ روایت مذکورہ ساقط الاعتبار ہے۔ اس پر رد وقدح سے ترکمانی کا سکوتِ محض اس لیے ہو سکتا ہے کہ روایت مذکورہ ترکمانی حنفی مذہب کے مطابق ہے اور مقلدین کا عام طور وطریق یہی ہے اور حافظ ابن قیمؒ کا اس پر رد وقدح سے سکوت کرنا آخر کیوں دلیلِ تصحیح ہوگیا؟ بہرحال روایت مذکورہ غیر معتبر ہے بنابریں عمران کی طرف فتوی مذکورہ کا انتساب غیر صحیح ہے۔

۱۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ کا بیان ہے کہ ان کی ماں تُماضِر بنت الاَصْبَغ کو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے تین طلاقیں ایک جملہ میں دے دیں (دارقطنی ۲/۴۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے ثابت ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں تین ہی سمجھتے تھے

جواب: یہ صرف مُغالَطَہ ہے۔ مندرجہ ذیل روایت سے اس مُغالَطہ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابواسحاق زُہری (متوفی ۹۵۔۹۶ھ) نے کہا کہ میرے باپ کی بیوی تُماضِر میں بدخُلقی پائی جاتی تھی۔ انہیں میرے والد عبدالرحمٰن بن عوف دو طلاقیں دے چکے تھے ان دونوں طلاقوں کے بعد میرے والد عبدالرحمٰن بیمار ہوئے تو ان کی بیماری کی حالت میں تُماضِر ان سے جھگڑنے لگی۔ اس پر عبدالرحمٰن نے کہا کہ اگر تم طلاق چاہتی ہو تو خدا کی قسم میں تمہیں طلاق دیدوں گا؟ تُماضِر نے کہا کہ ہاں مجھے طلاق دے دو۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ حیض سے جب تم پاک ہو جانا تو مجھے مطلع کرنا۔ چنانچہ حیض سے پاک ہونے پر اپنا قاصد تُماضِر نے عبدالرحمٰن کے پاس بھیجا۔ قاصِد کو عبدالرحمٰن کے گھر والوں میں سے کسی نے دیکھ کر کہا کہ تم جا کر تُماضِر کو سمجھا دو کہ ایسا نہ کریں۔ کیونکہ عبدالرحمٰن اپنی قسم پوری کرنے کیلئے انہیں ضرور طلاق دے دیں گے۔ قاصِد کے سمجھانے کا کوئی اثر تُماضِر پر نہ پڑا۔ لہٰذا عبدالرحمٰن نے انہیں طلاق دے دی۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ۷/۲۹۹، وتاریخ ابن عساکر، والجوہر النقی مع سنن بیہقی ۷/۳۳، شرح موطأ للزرقانی ۳/۵۵)

مذکورہ بالا روایت صحیحہ سے صاف ظاہر ہے کہ تُماضِر کو تیسری طلاق دینے سے پہلے دو طلاقیں اس کے شوہر عبدالرحمٰن بن عوف دے چکے تھے، جس کا نہایت واضح مطلب یہ ہوا کہ موصوفہ کو تینوں طلاقیں تین مختلف طُہروں میں دی گئی تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا واقعہ طلاق تُماضِر کے راوی تماضر کے شوہر کے جلیل القدر صاحبزادے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ جن کو بعض اہلِ علم نے صحابی کہا ہے۔ موصوف ابراہیم کا سَماع حدیث عمر بن خطاب (متوفی ۲۳ھ) سے بھی ثابت ہے۔ پھر تو ان کے باپ عبدالرحمٰن نے وفاتِ عمر رضی اللہ عنہ کے نو دس سال بعد (۳۲-۳۳ھ) میں اپنے مرض الموت میں تُماضِر کو آخری مرتبہ تیسری طلاق دی تھی۔ اس واقعۂ طلاق کی صحیح تفصیل ظاہر ہے کہ ابراہیم کو جس قدر معلوم ہوسکتی ہے کسی اور کو نہیں ہوسکتی۔ اور ان کے مذکورہ بالا بیان کا واضح مطلب یہ ہے کہ اپنے مرض الموت میں موصوف عبدالرحمان نے تُماضِر کو صرف ایک طلاق دی تھی۔ جس سے پہلے موصوف دو متفرق اوقات میں دو طلاقیں تُماضِر کو دے چکے تھے۔ ابراہیم سے روایتِ مذکورہ کے ناقِل ان کے صاحبزادے سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن ثقہ تابعی ہیں۔ اور سعد سے روایتِ مذکورہ کے ناقِل ان کے صاحب زادے ابراہیم مشہور ثقہ راوی ہیں۔ اور ابراہیم بن سعد بن ابراہیم سے روایتِ مذکورہ کے ناقل یزید بن ہارون مشہور ثقہ راوی ہیں۔ ان رُواۃ کے تَراجِم عام کتبِ رجال میں موجود ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ روایتِ مذکورہ مطلقاً صحیح ہے۔ اور مدیر ''تجلی'' جیسے لوگوں کے مَزَاعِمِ فاسدہ و اکاذیبِ باطِلہ کی تکذیب کیلئے اس لیے کافی ہے کہ اس میں صراحت ہے کہ عبدالرحمٰن نے تُماضِر کو صرف ایک طلاق دی تھی۔

«اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُصْعَبٍ القرقسائی حدثنا الأوزاعی عن الزهری عن طلحة بن عبدالله أن | یعنی طلحہ بن عبداللہ مشہور تابعی نے کہا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تُماضِر کو عبدالرحمٰن کی میراث سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عثمان ورث تُماضِر بنت الاصبغ عبدالرحمن وكان طلقها في مرضه بتطليقة وكان آخر طلاقها». (طبقات ابن سعد ۷/۲۹۹)	حصہ دلایا تھا، باوجودیکہ عبدالرحمٰن نے انہیں اپنے مرض الموت میں آخری، تیسری طلاق دے ڈالی تھی۔ اور حالتِ مرض والی یہ آخر کی طلاق صرف ایک طلاق تھی۔

مذکورہ بالا روایت بھی صحیح ہے۔ اور صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ تُماضِر کو جو تیسری طلاق عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں دی تھی وہ صرف ایک طلاق دی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ موطأ امام مالکؒ اور مدیر ''تجلی'' کے ہم مذہب امام ابن الترکمانی کی نقل کردہ متعدد روایاتِ صحیحہ میں وضاحت کے ساتھ صراحت موجود ہے کہ موصوف عبدالرحمٰن نے تُماضِر کو تین متفرق اوقات میں یکے بعد دیگرے تین طلاقیں دی تھیں۔ (الجوہر النقی مع سنن بیہقی ۷/۳۳۰،۳۳، موطأ امام مالکؒ مع شرح زرقانی وتنویر الحوالک)

چونکہ تین مختلف اوقات میں دی ہوئی تین طلاقوں کو بھی طلاق ثلاثہ بتہ ہی کہا جانے کا رواج عام دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا۔ اس لیے تُماضِر کو تین مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے دی ہوئی طلاقوں کو بھی طلاق ثلاثہ وطلاق بتہ کے لفظ سے بعض رُواۃ نے تعبیر کر دیا ہے۔ جس کو بعض غیر ثقہ رُواۃ نے تحریف وتصرف کر کے اس طرح بھی بیان کر دیا جس کو مدیر ''تجلی'' جیسے لوگوں نے اپنا دین وایمان قرار دے لیا۔

ظاہر ہے کہ تُماضِر کی طلاق سے متعلق مذکورہ روایت دارقطنی مندرجہ بالا روایاتِ صحیحہ وصریحہ کے خلاف ہے۔ اور ان روایات صریحہ وصحیحہ کے خلاف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنن دارقطنی میں منقول شدہ روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن عوف کے پوتے سلمہ بن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن کو حافظ ابن عبدالبر نے کہا: **لا یحتج بہ**. (لسان المیزان ۳/ ۶۸) اور سلمہ موصوف سے اس کے دادا محمد بن راشد مکحولی کی اگرچہ کچھ لوگوں نے توثیق کی ہے۔ مگر امام ابن حبان نے کہا کہ موصوف متروک قرار دئے جانے کے لائق ہیں۔ امام نسائیؒ نے ایک قول میں موصوف کو "**لیس بالقوی**" کہا اور دارقطنی نے "**یعتبر بہ**" کہا ہے۔ (تہذیب) امام دارقطنیؒ کے اس قول کا مطلب کتب مصطلح حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ بلا متابع موصوف کی روایت مقبول نہیں ہوسکتی۔ اور موصوف کے اس روایت کا متابع ہونا تو دور کی بات ہے اس کے خلاف موطأ والی روایت موجود ہے۔ لٰہذا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف فتوی مذکورہ کا انتساب غلط ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اس فعل کو وہ لوگ دلیل بناتے ہیں جن کا موقف یہ ہے کہ مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے تینوں طلاقیں دینی جائز ہیں مگر بعض دوسرے لوگ مختلف اوقات میں بھی یکے بعد دیگرے تینوں طلاقیں دینے کو ناجائز وحرام بتلاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس کا ذکر اوپر کر آئے ہیں۔ واقعہ مذکورہ کا کوئی بھی تعلق اکٹھی تین طلاق سے نہیں ہے۔ کیونکہ تُماضِر والی تین طلاقیں دراصل تین مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے دی گئی تھیں۔ ابو بکر جصّاص نے بھی وضاحت کی ہے کہ تماضر کو متفرق اوقات میں تینوں طلاقیں دی گئی تھین (احکام القرآن ص ۴۵۳ ج ۱) امام ابن وضاح ناقل ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک وقت کی طلاق ثلاثہ کو ایک قرار دینے والوں میں سے تھے۔ دریں صورت اگر فرض کرلیا جائے کہ یہ بات صحیح ہے کہ عبدالرحمٰنؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بیک وقت تین طلاقیں دی تھیں تو یہ ماننا ہوگا کہ موصوف کے اس مسئلہ میں دو مختلف اقوال تھے۔

۱۳- حضرت عائشہ صدیقہؓ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی مروی ہے کہ اکٹھی تین طلاق کو تین ہی تصور کرتی تھیں۔

جواب: بعض روایات میں صراحت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فتوی غیر مدخولہ عورت کی بابت تھا (مصنف عبدالرازق، ابن ابی شیبہ وموطأ وغیرہ) ظاہر ہے کہ یہ معاملہ ہمارے اصل مسئلہ سے قدرے مختلف ہے۔

۱۴- حضرت حسن بن علیؓ: دارقطنی میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا فتوی نقل کیا گیا ہے کہ وہ بھی اکٹھی تین طلاق کو تین ہی کہتے تھے۔

جواب: روایتِ مذکورہ کی ایک سند میں عمرو بن ابی قیس سے روایت کرنے والے سلمہ بن الفضل قاضی الری کو امام ابوزرعہ نے کذاب اور متعدد اہل علم نے مجروح قرار دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے توثیق بھی کی ہے مگر ظاہر ہے کہ اتنی سخت جرح، توثیق پر مقدم ہے۔ سلمہ سے اس کے راوی محمد بن حمید رازی کو متعدد اہل علم نے کذاب وغیر ثقہ کہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ روایت مذکورہ صحیح نہیں ہے۔ اس روایت کی دوسری سند عمرو بن شمر جعفی وضاع وکذاب اور رافضی ہے۔ (میزان الاعتدال)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِجماع

قرآن وحدیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اس مسئلہ میں اِجماعِ امت سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کے خلاف رائے غلط ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بعض دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اجماع کا دعوی کرنا بڑی جسارت ہے۔ کیونکر یہاں اجماع کا کوئی ثبوت فی الواقع موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعینؒ تبع تابعینؒ اور ہر دور کے محدثین اور فقہاء کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس اِجماع کو دعوی کیا جا رہا ہے پہلے اسکی تعریف معلوم کر لی جائے، تاکہ خوش فہمی دور ہو جائے۔ حضرت نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إذا خالف أهل الإجماع واحد من المجتهدين فقط فذهب الجمهور إلى أنه لا يكون إجماعا ولا حجة. قال الغزالي: المذهب إنه ينعقد مع مخالفة الأقل. وقيل: حجة وليس بإجماع، و رجحه ابن الحاجب. وقيل: لاينعقد مع مخالفة الاثنين دون الواحد. وقيل: مع الثلاثة دون الاثنين، وقيل ...... الخ. (حصول المأمول مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۷۴ء ص ۷۲، ۷۳)

''یعنی جمہور اہل علم کا مذہب وموقف یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں تمام اجماع کرنے والوں کے خلاف اگر ایک بھی مجتہد نے اختلاف کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھا ہو تو مسئلہ اجماعی نہیں۔ بلکہ وہ حجتِ شرعیہ بھی نہیں۔ مگر موقفِ جمہور کے خلاف غزالی کا کہنا ہے کہ ہمارا اختیار کردہ مذہب یہ ہے کہ تھوڑے لوگوں کے اختلاف رکھنے کے باوجود اکثریت کے اتفاق سے اِجماع منعقد ہو جاتا ہے۔ اور ایک قول میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں کے بالمقابل صرف ایک مجتہد کے اختلاف سے تو خیر اِجماع کے منعقد ہونے میں رکاوٹ نہیں۔ لیکن اگر دو مجتہدین کا اختلاف ہو تو ایسے مسئلہ کو اِجماع نہیں مانا جائے گا۔ اور ایک دوسرے قول میں کہا گیا ہے کہ دو مجتہدین کا اختلاف نہیں۔ مگر تین کا اختلاف اِنعقادِ اِجماع میں مانع ہے۔ اور ایک تیسرا قول یہ ہے کہ اگر پورے کے پورے لوگوں نے اجتہاد کیا ہو تو اس میں تمام لوگوں کے اتفاق رائے کے خلاف صرف ایک مجتہد کا اختلاف بھی مانعِ انعقادِ اجماع ہے۔ مثلاً ''عَول'' کے سلسلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اختلاف، لیکن اگر عام لوگوں نے اس ایک مجتہد پر نکیر کی ہو تو اس کے اختلاف کا اعتبار نہ ہوگا۔ حنفیہ میں رازی جُرجانی نے ایسا ہی کہا ہے۔ اور سرخسی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے''۔

اس عبارت میں صراحت ہے کہ جمہور اہل علم کا یہ اصول ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں پوری امت کے لوگ ایک طرف ہوں۔ مگر اس مسئلہ میں دوسری طرف پوری امت کے خلاف صرف ایک مجتہد ہو تو وہ مسئلہ اِجماعی نہیں، بلکہ اختلافی ہے۔ اور اس صورتِ حال کو نہ تو اجماع کہا جا سکتا ہے نہ اسے حجتِ شرعیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ البتہ جمہور کے خلاف غزالی کا قول یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالمقابل اقل لوگوں کی مخالفت کے باوجود بھی اجماع منعقد ہو جائے گا۔

حصول المأمول دراصل ارشاد الفحول کی تلخیص ہے اور ارشاد الفحول میں امام غزالی کے قول مذکور سے پہلے یہ عبارت ہے:

وقال الصيرفي: ولا يقال لهذا شاذ لأن الشاذ من كان في الجملة أن يكون محجوجا لهم ولا يقع اسم الإجماع إلا به إلا أن يجمعوا على شيء من آية فيلزم قبول قولهم إما من جهة الاجتهاد فلا، لأن الحق قد يكون معه.

عام اجماع کرنے والوں میں سے صرف ایک مجتہد نے اختلاف کر رکھا ہو تو جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ اس صورت میں اجماع منعقد نہیں ہوا۔ اور یہ صورت حجت بھی نہیں ہے۔ امام صیرفی نے کہا ہے کہ تمام لوگوں سے اختلاف کرنے والے اس ایک مجتہد کی بات وموقف کو شاذ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جو مجتہد تمام مجتہدین کے زمرہ میں شامل ہونے کے باوجود ان کے اختیار کردہ کسی موقف سے اختلاف کرتا ہے تو اس کے خلاف عام مجتہدین کی بات کے ذریعہ حجت نہیں قائم کی جا سکتی۔ کیونکہ اس مجتہد واحد کے متفق ہوئے بغیر عام لوگوں کے اختیار کردہ موقف کو اجماع کہا ہی نہیں جا سکتا، ازروئے حکایت تو اسے تمام لوگوں کا اجماع کہا جا سکتا ہے لیکن ازروئے اجتہاد نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ کبھی کبھی عام لوگوں کے بالمقابل مجتہد واحد کی تنہا بات ہی حق وصواب ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو ارشاد الفحول ص ۸۸، ۸۹ وحصول المامول ملخصاً)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شوکانیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ میں تمام لوگ ایک طرف ہوں مگر اس سے صرف ایک مجتہد کا اختلاف ہو، اسے نہ اجماع کہا جا سکتا ہے نہ وہ حجت ہے۔ اور اس مجتہد واحد کی بات کو شاذ بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہی حق پر ہو اور باقی سب لوگ غلطی پر۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إذا خالف واحد من الأمة أو اثنان لم ينعقد الإجماع دونه ولو مات لم يصر المسألة إجماعا خلافا لبعضهم......الخ.

(المستصفى مع فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۱/۲۰۲)

جس مسئلہ میں امت کے صرف ایک یا دو اہلِ علم نے اختلاف کر رکھا ہو اور اس ایک یا دو کے علاوہ سبھی لوگ دوسری طرف ہوں تو وہ مسئلہ اجماعی نہیں ہوگا۔ اگرچہ اختلاف کرنے والا یہ صاحبِ علم انتقال بھی کر گیا ہو تو بھی یہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے البتہ اس مسلک صحیح کے خلاف بعض لوگوں نے دوسرا موقف اختیار کر رکھا ہے کہ ایسی صورت میں یہ مسئلہ اجماعی ہوگا۔ مگر ان بعض لوگوں کا اختیار کردہ موقف غلط ہے اور جمہور کی رائے کے خلاف بھی''۔

امام غزالیؒ نے اپنی مذکورہ بالا بات دوسری جگہ اس طرح کہی ہے کہ:

«الإجماع من الأكثر ليس بحجة مع مخالفة الأقل وقال قوم هو حجة ...... الخ».

کسی مسئلہ میں امت کے اکثر لوگوں کا اختیار کردہ موقف جبکہ ان کے خلاف کچھ دوسرے اہل علم نے دوسرا موقف اختیار کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھا ہو، اجماع نہیں ہے بلکہ ایسی صورتِ حال میں اکثر لوگوں کا موقف حجت تک نہیں۔ اجماع تو بہت دور کی بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بہت سے مقامات پر اکثر لوگوں کے خلاف اقل حضرات کے موقف کی تصحیح وتصویب کرتے ہوئے اکثر لوگوں کے موقف کی تغلیط کی ہے۔ بلکہ اکثر لوگوں کو "لا یعقلون" بے عقل و ناسمجھ قرار دیا ہے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ البتہ کچھ لوگوں نے ایسے مسئلہ کو اجماعی کہا ہے۔ مگر ان کی بات غلط ہے۔ (ماحصل المستصفی ١/١٨٦-١٨٧، والمنخول ص ١٣٠)

«المبتدع اذا خالف لم ينعقد الاجماع دونه...... الخ».

اگر بدعت پرست صرف ایک مجتہد بھی پوری امت سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرلے تو وہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے بشرطیکہ اس بدعت پرست کی بدعت درجہ کفر کو نہ پہنچی ہو۔ (المستصفی ١/١٨٣، والمنخول ص ٣١٠-٣١١ وارشاد الفحول)

صرف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے مذکورہ بالا تصریحات نہیں کی ہیں بلکہ فنِّ اُصُول فقہ پر کتابیں لکھنے والے عام اہل علم نے اسی طرح کی تصریحات کی ہیں اور جُمہور اہل علم کا مسلک و موقف ان سبھی حضرات نے یہ بتلایا ہے کہ پوری امت سے اگر ایک دو اہل علم کا بھی کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو وہ مسئلہ اجماعی نہیں۔ بلکہ اختلافی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفصیل کیلئے الاحکام لابن حزم ١/٢١٣، ومسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ٢/٢٢٢)

واضح رہے کہ مُسَلَّم الثبوت حنفی مذہب کی مشہور اُصولی کتاب ہے۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی جمہور کا مذہب یہی بتلایا گیا ہے کہ جس مسئلہ میں صرف ایک یا دو اہلِ علم نے پوری امت سے اختلاف کر رکھا ہو اسے اجماعی نہیں بلکہ اختلافی کہا جائے گا۔ اور جمہور کا مذہب ہی حق وصواب ہے۔ اس کے خلاف دوسرا مذہب رکھنے والوں کا موقف غلط اور غیر صحیح ہے۔

اصول فقہ کی نہایت مشہور ومعروف اور مقبول ومعتبر کتاب الکوکب المنیر میں عام کتب اصول کی طرح یہ صراحت کی گئی ہے کہ:

ولا إجماع للصحابة مع مخالفة تابعي مجتهد...... الخ.

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں درجۂ اجتہاد کو پہنچ جانے والا صرف ایک مجتہد تابعی اگر تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماعی فیصلے سے اختلاف کرے تو اسے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع نہیں کہا جا سکتا۔ اکثر اہل علم وفقہاء ومتکلمین نیز امام احمد رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ (شرح الکوکب المنیر ۲/۲۳۱)

آگے چل کر اس کتاب میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ:

«وكونه لا إجماع للصحابة مع مخالفة مجتهد تابعي، كذلك لا إجماع للتابعين مع مخالفة مجتهدين تابعي التابعين ...... الخ».

یعنی جس طرح دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کسی ایک مجتہد تابعی کا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے اختلاف کرنا اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے انعقاد کو مانع ہے۔ اسی طرح تمام تابعین کے اتفاق کو ان کے زمانے کے صرف ایک تبع تابعین مجتہد کا اختلاف بھی ختم کر دیتا ہے...... الخ۔

(شرح الکوکب المنیر ۲/۲۳۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگے چل کر اسی کتاب میں یہ صراحت موجود ہے کہ:

«ولا قول الخلفاء الأربعة هم أبوبكر وعمر وعثمان وعلي ﷺ يكون إجماعا ولا حجة مع مخالفة مجتهد واحد وهذا هو المعتمد عند الأربعة».

یعنی چاروں تقلیدی اماموں کا مذہب معتبر یہ ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے متفق علیہ اور اجماعی موقف سے اگر کسی ایک بھی مجتہد نے اختلاف کر رکھا ہو تو خلفائے راشدین کا یہ اتفاق حجت و اجماع نہیں کہا سکتا۔ (شرح الکوکب ۲/۲۳۹)

جب خلفائے راشدِین رضی اللہ عنہم کا کسی معاملہ میں متفق ہونا صرف ایک مجتہد کے اختلاف کے سبب حجت نہیں ہو سکتا، نہ اسے اجماع کہا جا سکتا تو چاروں تقلیدی اماموں کے اتفاق کو کیسے اجماع کہا جا سکتا ہے؟ آخر میں مشہور اصولی امام ابواسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی متوفی ۴۷۶ھ کا بیان ملاحظہ فرما لیجئے کہ:

«إذا قالت الصحابة قولا وخالفهم واحد أو اثنان لم يكن ذلك إجماعا ...... الخ».

یعنی اگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ میں ایک بات کہیں مگر اس کے خلاف صرف ایک یا دو حضرات دوسری بات کہیں تو وہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے۔ البتہ ابن جَریر طَبری نے اسے اجماع کہا ہے۔

(تبصرہ فی اصول الفقہ للشیخ الامام ابواسحاق الفیروزآبادی ص ۳۶۱)

واضح رہے کہ کہ ابن جریر طَبری اور ان جیسے لوگوں کے مذکورہ بالا موقف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر عام اہل علم نے تنقید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو عام کتب اصول)

مذکورہ بالا باتوں کے ساتھ امام فیروز آبادی کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو کہ:

إذا أُدرك التابعي عصر الصحابة وهو من أهل الاجتهاد اعتبر رضاه في صحة الإجماع"۔

یعنی اگر مجتہد تابعی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا ہو تو کسی مسئلہ کے اجماعی قرار دیئے جانے کیلئے اس تابعی کا ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے موقف کے موافق ہونا شرط ہے۔ ورنہ اس تابعی کی مخالفت کی صورت میں مسئلہ اجماعی نہیں قرار پا سکتا۔ (تبصرہ ص ۳۸۴)

مذکورہ بالا بات علامہ فیروز آبادی ہی کی نہیں بلکہ عام اہل علم نے بھی یہی بات کہی ہے۔ چنانچہ عام کتب اصول فقہ میں مذکور شدہ مباحث اجماع کی طرف مراجعت کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ تقلید پرستی کا رواج تیسری صدی کے خاتمہ پر ہوا ہے۔

اور عام اہلِ علم نے صراحت کر رکھی ہے کہ اجماع کے اِنعقاد و عدم اِنعقاد میں مقلدین کے اتفاق و اختلاف کا کوئی اثر و دخل نہیں ہے۔
(عام کتب اصول فقہ بحث اجماع)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ مقلدین کا باہم کسی مسئلہ پر متفق ہو جانا کوئی شرعی معنی و اثر نہیں رکھتا لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں تمام تقلیدی مذاہب کے اتفاق و اجماع کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق ص ۲۱۰)

صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور ہر دور کے محدثین اور فقہاء ایک اچھی خاصی تعداد جُمہور کے خلاف ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی سمجھتی رہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ”باب من جوز الطلاق الثلاث“ (جس نے تین طلاق کو جائز قرار دیا) تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

«وفي الترجمة إشارة إلى أن من السلف من لم يجز وقوع الطلاق الثلاث».

”ترجمۃ الباب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سلف میں ایسے بھی لوگ ہیں جو تین طلاق کے وقوع کو جائز قرار نہیں دیتے“۔ (۲۸۹/۹)

کچھ دور آگے چل کر اسی سلسلہ کلام میں وہ فرماتے ہیں:

الرابع أنه مذهب شاذ فلا يعمل به وأجيب بأنه نقل عن علي وابن مسعود وعبدالرحمن بن عوف والزبير مثله نقل ذلك ابن مغيث في كتاب الوثائق له وعزاه لمحمد ابن وضاحٍ ونقل الغنوي ذلك عن مشائخ قرطبة كمحمد ابن تقي بن مخلد ومحمد بن عبدالسلام الخشني وغيرهما ونقله ابن المنذر عن أصحاب ابن عباس كعطاء وطاؤس وعَمرو بن دينار، ويتعجب من ابن التين حيث جزم بأن لزوم الثلاث لا اختلاف فيه وإنما الاختلاف في التحريم مع ثبوت الاختلاف كما ترى. (فتح الباری ۲۹۰/۹)

”چوتھی بات یہ کہی گئی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے ایک ہونے کی بات شاذ مسلک ہے۔ اس لیے اس پر عمل نہ ہوگا۔ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت علی، ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم سے اس طرح کی بات منقول ہے۔ اسے ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغیث نے کتاب الوثائق میں نقل کیا ہے اور اسے محمد بن وَضّاح کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور غنوی نے اس مسلک کو قرطبہ کے مشائخ کے ایک گروہ مثلاً محمد بن مخلد اور محمد بن عبد السلام خُشَنِی وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ابن المنذر نے اسے ابن عباسؓ کے اصحاب مثلاً عطاء، طاؤس اور عَمر و بن دینار سے نقل کیا ہے۔ اور ابن تین پر حیرت ہے کہ انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ تین طلاق کے لزوم میں اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف صرف تحریم میں ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اختلاف ثابت ہے''۔

اس سے چند سطر اوپر انہوں نے محمد بن اسحٰق صاحبِ مغازی کو اس مسلک کا قائل بتایا ہے۔ امام طحاویؒ شرح معانی الآ ثار میں فرماتے ہیں:

فذهب قوم إلى أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا معاً فقد وقعت عليها واحد إذا كان في وقت السنة، وذلك أن تكون طاهراً في غير جماع واحتجوا في ذلك بهذا الحديث. (۳۱/۲)

''تو ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ مرد جب اپنی۔ بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو عورت پر ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ جبکہ وقتِ سنت میں۔ یعنی اس وقت دی گئی ہو کہ وہ پاک ہو اور اس سے جماع نہ کیا گیا ہو۔ اور انہوں نے اس سلسلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے''۔

واضح رہے کہ امام طحاویؒ، امام ابن تیمیہؒ سے بہت پہلے کے مُحدِّث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ وہ امام بخاریؒ کے معاصر ہیں۔ گویا امام طحاوی کے زمانہ تک بھی اس مسلک کے قائل اتنے تھے کہ انہیں قوم (یعنی گروہ) سے تعبیر کیا جا سکتا تھا۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

ثم القائلون بهذا القول اختلفوا على قولين، الأول وهو اختيار كثير من علماء الدين أنه لو طلقها اثنين أو ثلاثا لايقع إلا الواحدة وهذا القول هو الأقيس لأن النهى يدل على اشتمال المنهى عنه على مفسدةٍ راجحة والقول بالوقوع سعى فى إدخال تلك المفسدة فى الوجود وأنه غير جائز فوجب أن يحكم بعدم الوقوع. (۱۰۳/۶)

''پھر اس قول کے قائین میں اختلاف ہو گیا اور ان کے دو قول ہیں ایک قول جو بہت سے علماءِ دین کا اختیار کردہ ہے۔ یہ ہے کہ اگر اس نے بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیں تو صرف ایک واقعہ ہو گی۔ اور یہی قول قیاس سے قریب تر ہے۔ کیونکہ ممانعت سے واضح ہوتا ہے کہ ممنوع چیز کوئی راجح مفسدہ رکھتی ہے اور وقوع کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کی کوشش ہے۔ جو غیر جائز ہے۔ تو ضروری ہوا کہ عدمِ وقوع کا حکم کیا جائے''۔

امام رازیؒ کے اس بیان سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ مسلک زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مسلک، شاذ مسلک نہیں بلکہ بہت سے علماءِ دین کا ہے۔

امام ابن قیمؒ نے بھی ''اِعلام المُوَقِّعین'' میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبع تابعین اور بعد کے علماء کا ذکر کیا ہے جو اس قول کے قائل ہیں۔

علامہ عینیؒ ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری'' میں فرماتے ہیں:

ذهب طاؤس وابن إسحق والحجاج بن أرطاة والنخعي وابن مقاتل والظاهرية إلى أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا معاً فقد وقعت عليها واحدة واحتجوا بحديث أبي الصهباء. (۲۰/۲۳۳)

''طاؤس، ابن اسحٰق، حجاج بن ارطاۃ، ابن مقاتل اور اہل ظاہر کا مسلک یہ ہے کہ جب آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیں تو اس پر ایک ہی واقع ہوگی۔ اور انہوں نے ابوصہباء کی حدیث سے استدلال کیا ہے''۔

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

والقول الثاني إنه إذا طلق ثلاثا تقع واحدة رجعية وهذا هو المنقول عن بعض الصحابة وبه قال داؤد الظاهري وأتباعه وهو أحد القولين لمالك وأصحاب أحمدؒ. (عمدۃ الرعایۃ ۲/۷۱)

''اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس نے بیک وقت تین طلاقیں دیں تو ایک رجعی واقع ہوگی۔ اور یہ قول بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور اس کے قائل داؤد ظاہری اور ان کے پیرو ہیں۔ اور یہ امام مالکؒ کے دو قولوں سے ایک قول اور امام مالکؒ کے بعض اصحاب کا قول ہے''۔

امام شوکانیؒ نے ''نیل الاوطار'' میں اس قول کو حضرت علیؓ، ابوموسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشعریؓ، ابن عباسؓ، طاؤسؒ، عطاءؒ، جابر بن یزیدؒ، ہادیؒ، قاسمؒ، ناصرؒ، احمد بن عیسیٰؒ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہؒ، زید بن علیؒ، اور اصحابِ ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (۶/۲۴۵)

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ نہ صرف یہ کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاق مغلظہ بائنہ ہونے پر اِجماع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ایک طلاق ہونے کا مسلک علماء کے قابل لحاظ تعداد کا ہے۔ (مجموعہ مقالات علمیہ ص ۱۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں بیان کیا گیا ہے عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عہد رسالت اور عہدِ صدیقیؓ کا اِجماع کس چیز پر تھا؟ رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تو اس کی جو توجیہ ابن قیم نے فرمائی ہے کہ یہ حکم عارضی تھا اور بطور تعزیر تھا۔ محمد حسین ہیکل نے بھی ''الفاروق عمرؓ'' میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کی نص میں اجتہاد کیا تھا۔ جس کی آج ہم مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ نصِ قرآنی کا مقصود یہ ہے کہ طلاق بالفعل ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ دینے پر واقع ہو۔ اور شوہر کیلئے دو دفعہ رجوع کا موقع باقی رہے۔ کیونکہ اس کے اثرات زندگی پر گہرے مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں۔ تو ایک طلاق ہی واقع ہوگی کیونکہ طلاق ایک فعل ہے جسے واقع ہونا ہے نہ کہ قول، جسے زبان سے ادا کرنا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین عراق وشام کی لونڈیوں کی کثرت ہوگئی تھی اس لیے لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے میں جلدی کر رہے تھے اور ان کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیک وقت تین طلاقیں دے کر جن لونڈیوں کی طرف ان کا دل راغب ہو جاتے تھے ان کو خوش اور مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اس قسم کے اسباب کی بنا پر حضرت عمرؓ نے کلمہ واحد کی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ موصوف آگے لکھتے ہیں:

هذا اجتهاد رأيٍ خالف عمرَ فيه مِن بعدُ غيرُ واحد من الفقهاء وخالفه أهل عصرنا الحاضر في طائفة من البلاد الإسلامية ولا ضَير على عمر من ذلك ولا ضير منه على مخالفيه، فعمر وغيره من الصحابة لم يكونوا يُفتُون برأيهم على سبيل الإلزام ولا على أنه وحده الحق بل على أنه رأى إن يكن صوابا فمن الله وإن يكن خطأ فمن صاحبه فهو يستغفر الله منه. (الفاروق عمر، محمد حسین ہیکل ۲/۲۸۶)

''یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد رائے ہے جس کی مخالفت انکے بعد متعدد فقہاء نے کی ہے۔ اور دورِ حاضر میں بھی بلاد اسلامیہ کا ایک گروہ اس کا مخالف ہے۔ لیکن اس سے نہ حضرت عمرؓ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ان سے اختلاف کرنے والوں پر' حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی رائے سے جو فتوی دیا کرتے تھے۔ وہ بطور لزوم کے ہوتا تھا اور نہ اس طور سے ہوتا تھا کہ وہی حق ہے۔ بلکہ ایک رائے ہے۔ اگر درست ہو تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو صاحبِ رائے کی طرف سے۔ چنانچہ آپؓ اس سلسلہ میں اللہ سے استغفار کرتے تھے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

«السُّنَّةُ ما سَنّهُ اللہُ وَرسولُہٗ لا تجعلوا خطأ الرّأيِ سُنَّةً للامّةِ». (ایضا)

"سنت وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سنت قرار دیا ہے۔ رائے کی غلطی کو امت کیلئے سنت نہ بناؤ"۔

مصر کی مشہور کتاب **"كتاب الفقه على المذاهب الاربعة"** کا مصنف رقم طراز ہے:

ولكن الواقع أنه لم يوجد إجماع فقد خالفهم كثير من المسلمين. ومما لا شك فيه أن ابن عباس من المجتهدين الذين عليهم المعوّل فى الدين فتقليده جائز كما ذكرنا ولا يجب تقليد عمر فيما رآه لأنه مجتهد وموافقة الأكثرين له لا تحتّم تقليدهُ على أنه يجوز أن يكون قد فعل ذلك لتحذير الناس من إيقاع الطلاق على وجه مغائر للسنة فإن السنة أن تطلق المرأة فى أوقات مختلفة على الوجه الذى تقدم بيانه، فمن يجرأ على تطليقها دفعة واحدة فقد خالف السنة وجزاء هذا أن يعاملَ بقوله زجراً له.

وبالجملة فإن الذين قالوا إن الطلاق الثلاث بلفظ واحد يقع به واحدةٌ لا ثلاثٌ لهم وجه شديد وهو أن ذلك هو الواقع فى عهد الرسول وعهد خليفة الأعظم أبى بكر وسنتين من خلافة عمر، واجتهاد عمر بعد ذلك خالفه فيه غيره فيصحّ تقليد المخالف كما يصح تقليد عمر، والله

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعالى لم يكلّفنا البحث عن اليقين فى الأعمال الفرعية لأنه يكاد يكون مستحيلا. (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۳۴۴-۳۴۳)

''لیکن واقعہ یہ ہے کہ کہ اس پر اجماع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ بہت سے مسلمانوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بلاشبہ مجتہدین میں سے تھے۔ جن کے اوپر دین کے معاملہ میں پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے لہٰذا آپ کی تقلید کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان کی رائے کے معاملہ میں تقلید کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ آپؓ بھی مجتہد ہی تھے۔ رہا اکثریت کا آپؓ سے اتفاق کرنا تو اس سے آپ کی تقلید لازم نہیں آتی۔ ممکن ہے آپ نے لوگوں کی تعزیر کی غرض سے اسے نافذ کیا ہو۔ جبکہ لوگ خلافِ سنت طریقہ پر طلاق دے رہے تھے۔ کیونکہ سنت یہی ہے کہ عورت کو مختلف اوقات میں طلاق دی جائے۔ جس کے طریقہ کا اوپر بیان ہو چکا۔ تو جو شخص یکبارگی طلاق دینے کی جراٗت کرتا ہے۔ وہ سنت کے خلاف کرتا ہے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔

مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں بلفظ واحد ایک واقع ہوتی ہے تین نہیں۔ ان کا کہنا معقولیت پر مبنی ہے کیونکہ عہدِ رسالت، خلیفہ اعظم حضرت ابوبکرؓ کے عہد اور خلافتِ عمرؓ کے ابتدائی دو برسوں تک ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جو اجتہاد کیا اس کی دوسروں نے مخالفت کی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اس طرح درست ہے جس طرح حضرت عمرؓ کی تقلید درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فروعی اعمال میں کرید کر یقینی صورت معلوم کرنے کا ہمیں مکلّف نہیں بنایا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا عملاً ممکن نہیں ہے"۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(وكذلك) اذا طلقها ثلاثا بكلمة أو كلماتٍ فى طهر واحد فهو محرّم عند جمهور العلماء وتنازعوا فيما يقع بها، فقيل يقع بها الثلاثُ وقيل لا يقع بها إلا طلقةٌ واحدةٌ وهذا هو الأظهر الذى يدلّ عليه الكتابُ والسُّنّة. كما قد بسط فى موضعه.

(وكذلك) الطلاق المحرّم فى الحيض بعد الوطئ هل يلزم؟ ...... فيه قولان للعلماء والأظهر أنه لايلزم النكاح المحرم والبيع المحرم وقد ثبت فى الصحيح عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول اللهِ ﷺ وأبى بكر وصدرا من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً، وثبت أيضا فى مسند أحمد أن رُكانة بن عبد يزيد طلق امرأته ثلاثا فى مجلس واحد، فقال النبى ﷺ: هى واحدة ولم يثبت عن النبى ﷺ خلاف هذه السنة بل ما يخالفها إما أنه ضعيف بل مرجوح وإما أنه صحيح لا يدل على خلاف ذلك كما قد بسط ذلك فى موضعه، والله اعلم. (فتاوى ابن تیمیہ ۸۶/۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اگر کوئی شخص ایک طہر میں ایک کلمہ میں یا تین کلموں میں تین طلاقیں دے دے تو جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے، لیکن ان کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تین واقع ہوں گی، اور ایک قول یہ ہے کہ ایک واقع ہو گی۔ اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ جس پر قرآن و سنت دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے''۔

''طلاق محرم جو مجامعت کے بعد حالتِ حیض میں دی جائے کیا وہ موثر ہوگی؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ نکاح حرام اور ربیع حرام مؤثر نہیں ہے اور صحیح حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ اور مسند احمد کی حدیث سے ثابت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو مجلس واحد میں تین طلاقیں دے دیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک ہی طلاق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سنت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ مروی ہے وہ یا تو ضعیف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے یا صحیح ہے۔ لیکن اس کے خلاف بات ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم''۔

شیخ الاسلام حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

فإن الله سبحانه إنما شرع الطلاق مرة بعد مرة ولم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يشرعه جملة واحدة أصلا. (اغاثۃ اللفھان ۱/۲۸۳)

''اللہ سبحانہ نے ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ طلاق دینا مشروع فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر تین طلاقیں بیک وقت دینا اصل میں مشروع ہی نہیں فرمایا ہے''۔

امام رازی لکھتے ہیں:

(الأول) وهو اختيار كثير من علماء الدين أنه لو طلقها اثنين أو ثلاثا لا يقع إلا الواحدة وهذا القول هو الأقيس لأن النهى يدل على اشتمال المنهى عنه على مفسدة راجحة. والقول بالوقوع سعى فى إدخال تلك المفسدة فى الوجود وأنه غير جائز فوجب أن يحكم بعدم الوقوع. (التفسیر الکبیر ۲/۲۶۰)

''یہ قول بہت سے علماءِ دین کا ہے کہ اگر مرد نے دو یا تین طلاقیں دی ہوں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی ممانعت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ ممنوعہ چیز بڑے مفسدہ پر مشتمل ہے۔ لہٰذا تطلیقاتِ ثلاثہ کے واقع ہونے کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کے مترادف ہے۔ جو جائز نہیں ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ عدمِ وقوع کا حکم لگایا جائے''۔

ان تمام تصریحات سے واضح ہوا کہ مجلس واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ (مجموعہ مقالات علمیہ ص ۶۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق جمہور کے تابع نہیں

ہمارے مقلدین حضرات اس بات پر بڑے خوش ہیں کہ طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ میں جُمہور اور ائمہ اربعہ ان کے ساتھ ہیں مگر یہ ان کی نری خوش فہمی ہے کیونکہ دین کی بنیاد جُمہوریت پر نہیں بلکہ کتاب وسنت پر ہے۔ لہٰذا کتاب و سنت کو ماننے والے تھوڑے بھی ہوں تو تشویش کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ کسی امر کا حق وصواب ہونا جمہور کے تابع نہیں۔ کتاب وسنت کے دلائل کے تابع ہے۔ اور دلائل یہاں طلاق ثلاثہ کو ایک ماننے والوں کے ساتھ ہیں۔ کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے بغرض استدلال اس مسئلہ میں ہمیں کسی جمہوریت یا اجماع کی احتیاج نہیں۔ تاہم صرف مخالفین کی تسلی کے لیے تائیداً اتنا عرض کریں گے کہ صحابہ کرام کے مسلک کے بارے میں آپ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت تک کسی صحابیؓ سے بھی اس کے خِلاف ثابت نہیں۔ اگر آپ چاہیں تو اسے اِجماعِ سکوتی کہہ سکتے ہیں۔ حنفیہ کی کتاب مجمع الانھُر (ص ۳۸۳) میں ہے:

«وَاعْلَمْ اَنَّ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ اِذَا اَرْسَلَ الثَّلَاثَ لَمْ یُحْکَمْ اِلَّا بِوُقُوْعِ وَاحِدَةٍ اِلٰی زَمَنِ عُمَرَ ثُمَّ حُکِمَ بِوُقُوْعِ الثَّلَاثِ لِکَثْرَةِ بَیْنَ النَّاسِ تَھْدِیْدًا»

معلوم ہونا چاہیے کہ پہلے زمانہ میں جب کوئی اکٹھی تین طلاقیں دیتا تھا تو ایک ہی قرار دی جاتی تھیں۔ پھر کثرت سے ایسا ہونے کی وجہ سے بطور ڈانٹ تین واقع ہو جانے کا فیصلہ صادر کیا جانے لگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام طحاوی لکھتے ہیں:

وَاَنَّہٗ کَانَ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ اِذَا اَرْسَلَ الثَّلَاثَ جُمْلَۃً لَمْ یُحْکَمْ اِلَّا بِوُقُوْعِ وَاحِدَۃٍ اِلٰی زَمَنِ عُمَرَ ثُمَّ حُکِمَ بِوُقُوْعِ الثَّلَاثَۃِ سِیَاسَۃً لِکَثْرَتِہٖ بَیْنَ النَّاسِ. (ص ۱۵۰)

پہلے زمانہ میں تا خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی اکٹھی تین طلاقیں دیتا تو ایک قرار دی جاتی۔ پھر لوگوں میں عام ایسا ہونے کی وجہ سے سیاستہً تین کا حکم جاری کیا جانے لگا۔

امام جعفر صادق بھی اسی کے قائل تھے:

القول الثانی أنه إذا طلق ثلاثا تقع واحدة رجعية وهذا هو المنقول عن بعض الصحابة وبه قال داؤد الظاهری وأتباعه وهو أحد القولين لِمَا لِكٍ وبعض أصحاب أحمد. (عمدة الرعايہ حاشیہ شرح وقایہ ۲/۴۷)

دوسرا قول یہ ہے کہ کوئی شخص تین طلاق دے تو ایک ہی رجعی واقع ہوتی ہے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے۔ داؤد ظاہری اور ان کے متبعین کا یہی خیال ہے۔ امام مالکؒ کا بھی یہی ایک قول ہے بعض حنابلہ بھی یہی کہتے ہیں۔

علامہ نظام الدین حسن نیشاپوریؒ فرماتے ہیں:

ثم من هؤلآء من قال لو طلقها ثنتين أو ثلاثا لا تقع إلا واحدة وهذا هو الأقيس، واختاره كثير من أهل البيت لأن النهي يدل على اشتمال المنهی عنه على مفسدة راجحة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والقول بالوقوع سعى فى إدخال تلك المفسدة فى الوجود. (تفسیر نیشاپوری علی حاشی ابن جریر ۲/۳۶۱)

وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ اگر دو یا تین طلاقیں دے تو ایک ہی واقع ہوتی ہے۔ اور یہی بات درست ہے اہل بیت کی اکثریت کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اس لیے کہ اکٹھی طلاقوں سے جو منع کیا گیا ہے وہ بت بڑی خرابی کی وجہ سے ہے۔ اس کا قائل ہو جانا اس خرابی کو وجود میں لانے کی ایک کوشش ہے۔

امام بخاریؒ کے معاصر امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فذهب قوم إلى أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا معا فقد وقعت عليها واحدة. (تھذیب الآثار)

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے تو ایک ہی واقع ہوتی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعض اصحاب مالکؒ، بعض اصحاب حنفیہؒ اور بعض اصحاب احمد بن حنبلؒ کے نزدیک طلاق ثلاثہ ایک کے حکم میں ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲/ص ۱۴ تا ۴۴) صحابہؓ و تابعینؒ سے یہی منقول ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۱۵۱) بلکہ مازری حنفی نے امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے خود ان کا اپنا ایک قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ (معلم)

امام رازیؒ کا مسلک بھی یہی ہے اور فرماتے ہیں:

هو اختيار كثير من علماء الدين. (تفسیر کبیر جلد ۲)

بہت سے علماءِ دین نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام بن جریرؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ (حوالہ ایضا)

نیز اسحاق بن راہویہؒ (اغاثہ ص ۳۲۴)

نیز فقیہ کوفہ حجاج بن ارطاۃؒ، محمد بن اسحاقؒ، ابن مقاتل (شرح مسلم نووی ص ۴۷۸)۔

ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں:

فقد ثبت من هؤلآء الصحابة حظر جمع الثلاث ولا يروى عن أحد من الصحابة خلافه فصار إجماعا.

ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا عدم نفاذ ثابت ہے۔ اس کا خلاف کسی سے مروی نہیں۔ پس اس پر اجماع ہوگیا۔

نواب صدیق الحسن خانؒ صاحب فرماتے ہیں:

''ہم چنیں ہر صحابی از زمانہ خلافتِ صدیق تا سہ سال از خلافتِ عمرؓ برہمیں بود کہ سہ طلاق یک طلاق است از روئے فتوی واقرارِ سکوت۔'' (مسک الختام ص ۴۵۱)

خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی تین سال تک ہر صحابی رضی اللہ عنہ کا یہی فتوی، یہی اقرار اور اسی پر سکوت تھا کہ تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔

مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں:

هذا حال كل صحابي من عهد الصديق إلى ثلاث سنين من خلافة عمر وهم يزيدون على الألف. (تعلیق المغنی ص ۴۲۴)

اس دوران تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک تھا۔ ان کی تعداد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہزار سے اوپر ہے۔

بلکہ حضرت عمرؓ کے بعد بھی عبد اللہ بن مسعودؓ جو مدینہ میں مفتی رہے۔ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو مکہ میں مفتی رہے۔ ایک طلاق کے حق میں فتوی دیتے رہے۔ اور اس کے مطابق حدیثیں بیان کرتے رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے بعد جو اجماع بیان کیا جاتا ہے وہ بھی اہل علم کے نزدیک محلِ نظر ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں نہایت قلیل تعداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدینہ شریف میں موجود تھی۔ اکثریت بیرونِ ملک جہاد پر تھی۔ ظاہر ہے وہ اصحاب سابق اجماع پر ہی رہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ وغیرہم من الائمۃ والفقہاء کے جو اقوال اوپر بیان ہوئے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اکثریت کا نام اگر اجماع ہے تو پھر اجماع ادھر ہے اُدھر نہیں ہے۔

شاذ؟ کیا ان سب کے مذہب کو شاذ ہی کہیے گا، اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہیے۔ کیا یہ واقعی ایسے ہی شاذ ہے جیسے مسئلہ انکارِ حدیث؟ جیسے عقیدہ اجراء نبوت؟ جیسے متعہ؟ یا جیسے بیوی سے لواطت؟ ایک آدھ شخص یا کسی گم کردہ راجماعت کے انفرادی مسائل پر مسئلہ ہذا کو (کہ جس کی مدد کیلئے قرآن بھی ہے، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ وغیرہم من الائمہ کا جم غفیر بھی ہے) قیاس کر کے شاذ کہہ دینا انتہائی ہلکی ذہنیت ہے۔ (تین طلاقیں ص ۱۰۰ از حافظ خواجہ قاسمؒ)

مقلدین یہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے خلاف چونکہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے لب کشائی یا اختلاف نہیں کیا، لہٰذا ان کا اِجماع ثابت ہو گیا۔ ظاہر ہے ایسا اجماع اگر ہو بھی تو سکوتی ہی کہلائے گا۔ اس اجماع کی اہمیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ ذیل ہے:

ویسمی ھذا إجماعا سکوتیا وھو مقبول عندنا وفیہ خلاف للشافعی. (نور الانوار ص ۲۱۷)

ایسا اجماع سکوتی کہلاتا ہے۔ یہ ہمارے نزدیک مقبول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک نہیں۔

رہی دوسری قسم یعنی اِجماع سکوتی تو ایسا اِجماع اِعتباری ہے ...... جُمہور کے نزدیک ایسا اجماع حجت نہیں۔ کیونکہ اس بات کو خارج از امکان نہیں قرار دیا جا سکتا کہ یہ صرف چند مجتہدین کی رائے ہو۔ (علم اصول الفقہ، لعبد الوہاب خلاّف ص ۵۱)

امام احمد بن حنبلؒ نے اجماع کا دعوی کرنے کیلئے نہایت محتاط روش اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ فرمایا:

من ادعی الإجماع فھو کذاب لعل الناس قد اختلفوا وما یدریہ ولم ینتہ إلیہ فلیقل لا نعلم الناس اختلفوا۔ (ایضاً ص ۴۹)

جو اجماع کا دعوی کرے وہ بہت جھوٹا ہے ہوسکتا ہے۔ کہ لوگوں نے اختلاف کیا ہو، مگر اس تک نہ پہنچا ہو۔ یوں کہنا چاہیے ہمیں کسی سے اختلاف معلوم نہیں۔

اما شوکانیؒ نے اِرشاد الفُحُول (ص ۶۴) میں بھی امام احمد بن حنبلؒ سے اس مفہوم کا قول نقل کیا ہے۔

پھر یہ اجماع اگر تھا تو اس بات پر تھا کہ یہ تعزیرِ عمرؓ ہے۔ اس بات پر نہیں تھا کہ یہ سنت رسول ﷺ ہے صحیح اجماع جو ہوتا ہے اس کی مخالفت انسان کو گنہگار بنا دیتی ہے۔ پھر اس کا حشر ﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَصِيرًا﴾ (النسآء) کی طرح ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أفترى الجاهل الظالم المعتدى بِجَعْلِ هؤلاء كلهم كفارا مباحة دماؤهم. (اغاثہ ۱/۳۲۹)

کیا پس تو دیکھے گا جاہل ظالم حد سے گزرنے والے کو کہ ان سب کو کافر اور واجب القتل قرار دے گا۔

ذرا سوچ کر اپنے فیصلہ سے آگاہ کیجئے۔ ٹالنے سے کام نہیں بنے گا۔ یہ تشدد کے مقابلہ غلو اور سختی کے مقابلہ میں سخت ردعمل کا نفسیاتی امر نہیں۔ بلکہ شرعی فیصلہ ہے۔ (تین طلاقیں ص ۱۰)

علماءِ کرام کی آراء: مصر جو جامعہ ازہر کے باعث علوم دینیہ و اسلامیہ کا مرکز ہے۔ اور جہاں اکابر علماء و محققین اسلام ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اس کے اَجلّہ علماء نے اس خاص مسئلہ میں بھی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ محمود شلتوت اپنے فتاوی میں صاف لکھتے ہیں:

الطلاق بالثلاث لا يقع الا واحدة رجعية ويرد الرجل زوجه بكلمة رجعية او بالمخالطة الخاصة. (الفتاوی ص ۳۰۶)

جو طلاقیں ایک مرتبہ دی جائیں ان سے ایک طلاق رجعی ہی واقع ہوگی۔ اور مرد کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو واپسی کے لفظ سے یا مخالطتِ خاص کے ذریعہ واپس لے لے۔

علامہ رشید رضا اپنی تفسیر ''المنار'' میں لکھتے ہیں۔ بعض فقہاء اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دانشوروں نے ہماری حکومتِ مصر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تین طلاقوں کے مسئلہ میں اصل کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ جس کے دلائل کو سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اوران کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ نے نہایت بسط وتفصیل سے اپنی کتاب ''اِعلام الموقِعین''، ''اغاثۃ اللھفان'' اور ''زادالمعاد'' میں بیان کیا ہے اور پھران دونوں حضرات کی تائید وموافقت امام شوکانیؒ، سید صدیق الحسن اوردوسرے علماء متاخرین نے کی ہے۔ (تفسیر المنار ۹/۶۸۳)

علاوہ ازیں عہد حاضر کے ایک جلیل القدر عرب عالم اور مفسر شیخ جمال الدین القاسمی نے نہایت عمدۃ کتاب ''الاستیناس لتصحیح انکحۃ الناس'' کے نام سے لکھی ہے۔ اور اس میں طلاق کے مسئلہ پر نہایت مفصل گفتگو کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جو تین طلاقیں دفعۃً واحدۃً واقع کی جائیں تو ان سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ شیخ نے اس مسئلہ پر مبسوط و مفصل گفتگو کے بعد آخر میں جو عبارت لکھی ہے، ہم اسکا ترجمہ نقل کرتے ہیں:

''اللہ کی قسم دل رنج والم کے مارے پاش پاش ہو جاتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ کہ آج جہالت اور علمِ دین سے بے خبری کے باعث مسلمانوں کی حالت کیا ہوگئی ہے۔ چنانچہ آج ہماری عدالتیں اور محاکمِ شرعیہ مظلوم عورتوں کی شکایتوں سے پُر ہیں۔ اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ شوہر اپنے ظلم وعُدوان اور بیویوں کے ساتھ حق تلفی وسخت بے رحمی کا معاملہ کرنے کے باعث اسلام کیلئے ننگ وعار بن گئے ہیں۔ دوسری قومیں یہ سب کچھ دیکھتی ہیں۔ اور ہمارا مذاق اڑاتی ہیں۔ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے ساتھ تمسخر کرتی ہیں۔

(بحوالہ حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۵۷)

اب مصری علماء جن میں علماء ازہر بھی شامل ہیں۔ اسی کے مطابق فتوے دیتے ہیں۔ اور وہاں کی عدالتیں بھی اسی قانون پر عمل پیرا ہیں۔

اسلامی حکومتیں: زمانے کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر نہ صرف مصری حکومت بلکہ دیگر کئی اسلامی ممالک نے بھی اس بارے میں قانون طلاق کی اصلاح کر لی ہے۔ انہوں نے تقلید کے بندھنوں کو توڑ کر اس قانون کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھال لیا ہے۔

چنانچہ جناب طاہر محمود نے اپنی کتاب "Muslim Law Reform" میں اسی سلسلہ کو تاریخ وار بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

مصر نے ۱۹۲۹ء میں، سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں، اردن نے ۱۹۵۱ء میں، شام نے ۱۹۵۳ء میں، مراکش نے ۱۹۵۹ء میں، اور پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں اکٹھی تین طلاق کے متعلق ایک رجعی طلاق کا قانون بنایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کے بھیانک نتائج

ہمارے زمانہ میں دفعۃً دی گئی تین طلاق کو تین شمار کرنے کے جو بھیانک اور خطرناک نتائج نکلتے ہیں۔ اس کے تصور سے شرافت و انسانیت چیخ اٹھتی ہے اور غیرت سر پٹکنے لگتی ہے۔ چنانچہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں۔

بیک وقت تین طلاق دے کر عورت کو جدا کر دینا نصوصِ صریحہ کی بنا پر معصیت ہے۔ علماءِ امت کے درمیان اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس امر میں ہے کہ ایسی تین طلاقیں ایک رجعی کے حکم میں ہیں یا تین مغلظہ کے حکم میں۔ لیکن اس کے بدعت و معصیت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فعل اس طریقہ کے خلاف ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے طلاق کیلئے مقرر فرمایا ہے۔ اور اس سے شریعت کی اہم مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں۔

ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ عام ہو گیا ہے کہ لوگ کسی فوری جذبہ کے تحت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیتے ہیں۔ پھر نادم ہوتے ہیں۔ اور شرعی حیلے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی جھوٹی قسمیں کھا کر طلاق سے انکار کرتا ہے اور کوئی دیوانہ یا پاگل بن کر ہوش و حواس کھو بیٹھنے کا عذر کرتا ہے۔ کوئی حلالہ کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کوئی طلاق مخفی رکھ کر بیوی کے ساتھ بدستور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلقات باقی رکھتا ہے۔ اس طرح ایک گناہ کے خمیازہ سے بچنے کیلئے متعدد گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان خرابیوں کا سدِ باب کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے کر عورت کو جدا کر دینے پر ایسی پابندیاں عائد کر دی جائیں جن کی وجہ سے لوگ اس فعل کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ مثال کے طور پر اس کی ایک صورت یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو جسے بیک وقت تین طلاقیں دی گئی ہیں۔ عدالت میں حرجانہ کا دعوی کرنے کا حق دیا جائے۔ اور حرجانہ کی مقدار کم از کم مہر فاطمی کی نصف مقدار تک مقرر کی جائے۔ اس کے علاوہ اور صورتیں بھی روک تھام کی نکل سکتی ہیں۔ (حقوق الزوجین ص ۹۶)

بعض دوسرے اہل قلم علماء عصر حاضر کو مشورہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں بیک وقت تین طلاقیں دیگر جو لوگ مَعصیت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس کے تدارک کیلئے اسلامی اصولوں کی روشنی میں ذیل کی تدابیر اختیار کی جانی چاہیں۔

جس طرح عام مسلمانوں کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مسائل بتانے اور سمجھانے کیلئے مختلف ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح طلاق و خلع کے مسائل سمجھانے اور بتانے کیلئے ان تمام ذرائع کو استعمال کرنا چاہیے۔ نیز اسلامی تعزیرات کے اصول سامنے رکھ کر بیک وقت تین طلاقیں دینے والے مردوں کیلئے جسمانی اور مالی سزا بھی تجویز کی جاسکتی ہے اور علماءِ احناف اس پر بھی غور کر سکتے ہیں کہ مسئلہ طلاق سے ناواقفیت کی حالت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک شمار کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ (اسلام کا نظام طلاق ص ۱۸۵)

اہل قلم میں سے ایک اور صاحب لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیک مجلس دی گئی تین طلاقوں کے تین شمار کیے جانے سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں جو مختلف مسائل اور مشکلات اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، ان کا حل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اوّلاً مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ کی روح بیدار کرنے کے ساتھ ہی انہیں طلاق دینے کے شرعی اصول اور طریقے سے آگاہ کیا جائے، اور انہیں بتایا جائے کہ اگر کوئی بدرجہ مجبوری طلاق دینا ہی چاہتا ہے تو اسے پاکی (طہر) کی حالت میں، جس کے اندر اس سے صحبت نہ کی ہو، ایک رجعی طلاق دے۔ تاکہ اگر باہمی نباہ کی کوئی شکل عدت کے وقفہ میں نکل آئے تو عدت گزرنے سے پہلے پہلے وہ رجوع کرے۔ اور پچھتانا نہ پڑے۔ اور اگر رجوع نہیں کرنا چاہتا، تو عدت گزار کر بیوی کو آزاد ہو جانے دے۔ عدت گزرنے کے بعد پھر اس عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کا موقع رہے گا۔

دوسری طرف ہمارے اربابِ فتاویٰ، حالاتِ زمانہ سے صَرفِ نظر کر کے فقہی مسلک کے تنگ خول میں بند رہ کر فتویٰ دینے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیں۔ اور ایک مجلس کی تین طلاق کو تین کے بجائے ایک شمار کیے جانے کا فتویٰ دیں۔

(مجموعہ مقالات علمیہ ص ۱۱۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلالہ کی شرعی حیثیت

حلالہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حلالہ شرعیہ (۲) اور حلالہ مروجہ غیر شرعیہ۔

حلالہ شرعیہ یہ ہے کہ پہلے شوہر کی طلاق مغلظہ کے بعد عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کر کے اس کی صحبت سے ہمکنار ہو جائے اور اس کے ساتھ حسن معاشرت سے زندگی بسر کرنے لگے اور اس دوسرے نکاح کے سابق شوہر عورت اور اس کے موجودہ شوہر ثانی جس کی زوجیت میں وہ اس وقت ہے ان تینوں میں سے کسی کی نیت حلالہ کی نہ ہو۔ پھر قضاءِ الٰہی سے شوہر فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو پہلے شوہر کو اس سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

حلالہ مروجہ غیر شرعیہ یہ ہے کہ طلاق بائنہ مغلظہ کے بعد منصوبہ کے تحت، وقتی طور پر، اس عورت کا کسی دیگر شخص سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ دوسرے روز ہمبستری کے بعد اسے طلاق دے دے گا۔ یہ نکاح باتفاقِ امت شریعت میں حرام ہے۔ تمام ائمۂ اسلام اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔ فقہاءِ حنفیہ فرماتے ہیں گو حلالہ جائز تو نہیں، لیکن اس ناجائز نکاح کے بعد وہ عورت پہلے خاوند کیلئے حلال ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ہدایہ میں مرقوم ہے:

وإذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه لقوله عليه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السلام: "لعن الله المحلل والمحلل له". وهذا هو محمله فان طلقها بعد وطئها حلت للأول لوجود الدخول فی نکاح صحیح إذ النکاح لا یبطل بالشرط وعن أبی یوسف رحمه الله أنه یفسد النکاح لأنه فی معنی المؤقت به ولا یحلها علی الأول لفساده، وعن محمد أنه یصح النکاح لما بیناه. ولا یحلها علی الأول لأنه استعجل ما أخره الشرع فیجازی بمنع مقصوده کما فی قتل الوارث. (۲۷۶/۲)

اگر کسی نے تحلیل کی شرط پر نکاح کیا تو یہ نکاح مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس پر جس نے حلال کرنے کی غرض سے نکاح کیا ہے اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے دونوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور یہ نکاح ہی اس کا محمل ہے لیکن اس کے باوجود اگر زوج ثانی نے صحبت کے بعد طلاق دیدی تو بعد انقضاءِ عدت زوجِ اول کیلئے حلال ہے۔ کیونکہ صحبت نکاح صحیح میں پائی گئی۔ اور کسی نامناسب شرط کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ خود شرط ہی باطل ہو جاتی ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد ہوگا۔ کیونکہ یہ نکاح مُوقّت اور متعہ کے معنی میں ہے۔ اور زوجِ اوّل کیلئے عورت حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ نکاح خود ہی فاسد تھا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نکاح تو صحیح ہوگیا لیکن اگر زوج ثانی نے طلاق دیدی تو عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ شریعت نے جس شے کو مؤخر کیا تھا یہ اس کو جلد لانا چاہتا ہے۔ پس بطور سزا اس کو مقصود سے روک دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے گا۔ جیسے وہ شخص جو وراثت پر قبضہ کرنی کی غرض سے اپنے کسی مورث کو قتل کرتا ہے تو وہ وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر زوج ثانی نے عورت کے زوج اول کیلئے حلال ہو جانے کی غرض سے نکاح کیا تو یہ نکاح فاسد قابل فسخ ہے شوہر پر مہر واجب ہوگا۔ اور عورت زوج اول کیلئے حلال بھی نہیں ہوگی اگرچہ زوج ثانی سے ہمبستری بھی ہو چکی ہو۔ (المحلی ص ۱۰/۱۸۱)

اور موطأ امام مالک میں ہے:

والمحلل يفرق بينهما على كل حال إذا أريد بالنكاح التحليل.

اگر تحلیل کے ارادے سے نکاح کیا ہے تو دونوں کے مابین بہرصورت تفریق کر دی جائے گی۔

اور محشی موطأ تحریر کرتے ہیں.

يعنى إذا عزم أن يطلقها إذا وطئها يفسد العقد فلو شرط التطليق فبالطريق الأولى وهو قول أحمد. (ص ۲۰۶)

اگر شوہر نے ارادہ کر لیا کہ وطی کے بعد اس کو طلاق دیدے گا، تو عقد فاسد ہو گیا۔ اور اگر طلاق دینے کی شرط کر دی تو بدرجہ اولی نکاح فاسد ہو جائے گا۔ اور یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام ترمذی حدیث "لعن الله المحلل والمحلل له" روایت کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد فرماتے ہیں:

اصحاب نبی ﷺ سے اہلِ علم مثلاً حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا اِسی حدیث پر عمل ہے۔ اور یہی قول بہت سے فقہاء تابعین کا ہے۔ سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام جارود کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام وکیع بھی اسی کے قائل تھے۔ اور امام وکیع فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص نے تحلیل کی غرض سے نکاح کیا پھر اسے خیال ہوا کہ بیوی کو اپنے نکاح میں رکھوں گا تو اس کیلئے جائز نہیں کہ بلا تجدیدِ نکاح عورت کو روک رکھے۔ (تحفہ ۲/۱۸۶)

حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "لَعَنَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ" اس پر جو عورت کو حلال کرتا ہے۔ اور اس پر جس کیلئے حلال کیا جاتا ہے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی ۳/۴۲۸)

اور اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت عُقبہ بن عامر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایتیں ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو خود امام ترمذیؒ ہی نے بیان کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح و تحسین فرمائی ہے۔ اور بقول ابن حجرؒ، ابن قطانؒ وابن دقیق العیدؒ نے اس کو بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

نیز اس حدیث کو امام نسائیؒ امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ نے بھی بیان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔ (تحفہ)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمدؒ، امام بزارؒ، ابو یعلی موصلیؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ نے اپنی اپنی سندوں سے بیان کیا ہے۔ اور علامہ حافظ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' (٣/٢٤٠) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام ابن ماجہ بایں الفاظ بیان کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا «ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا: بلىٰ يا رسول الله! قال: هو الْمُحَلِّلُ لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ». کیا میں تم کو مانگے کے بکرے کی خبر نہ دوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیوں نہیں۔ ضرور مطلع فرمائے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ حلال کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے، اور حلالہ کروانے والے دونوں پر لعنت کی ہے۔''

حلالہ مروجہ کے بارے میں علماءِ کرام کی آراء:

١۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

زواج المحلل حرام بإجماع الصحابة. (الفتاوی)

تمام صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حلالہ کا نکاح حرام ہے۔

٢۔ شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں:

إن نكاح التحليل شر من المتعة وأشد فسادا وعارا.

(تفسیر المنار ٢/٣١٢)

حلالہ کا نکاح متعہ سے بھی بدتر اور زیادہ خرابی و بے حیائی کا باعث ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ شیخ مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

فمن تزوج بامرأة بقصد إحلالها للزوج الأول كان زواجه غير صحيح ولا تحل به المرأة للأول إذا هو طلقها وهو معصية لعن الشارع فاعلها. (تفسیر المراغی ۲/۱۷۵)

جس شخص نے کسی عورت سے اس ارادہ سے نکاح کیا کہ وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے دوسرے شوہر کے طلاق دینے سے یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اور یہ نکاح اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

۴۔ امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

وفى الآية دليل على أنه لابد من أن يكون ذلك نكاحا شرعيا مقصودا لذاته لا نكاحا غير مقصود لذاته بل حيلة التحليل وذريعة إلى ردها إلى الزوج الأول فإن ذلك حرام للأدلة الواردة فى ذمه وذم فاعله وأنه التيس المستعار الذى لعنه الشارع ولعن من اتخذه لذلك. (تفسیر فتح القدیر ۱/۲۳۹)

آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ نکاح ہو تو شرعی مقصود بالذات ہو، وہ نکاح نہ ہو جو مقصود بالذات نہ ہو، بلکہ تحلیل کیلئے حیلہ ہو۔ کیونکہ ایسا نکاح حرام ہے۔ ان دلائل کی بنا پر جو حلالہ اور اس کے کرنے والے کے لیے مذمت کے وارد ہیں۔ اور وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مانگے کا بکرا ہے جس پر شارع علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے۔

۵- سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے لیے حلال کرنے کی خاطر کسی سے سازش کے طور پر اس کا نکاح کرائے۔ اور پہلے سے یہ طے کرے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دے دیگا۔ تو یہ سراسر ایک ناجائز فعل ہے۔ ایسا نکاح، نکاح نہ ہوگا۔ بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی۔ اور ایسے سازشی کا نکاح و طلاق سے عورت ہرگز اپنے سابق شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی۔ حضرت علی، ابن مسعود، ابوہریرہ اور عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (تفہیم القرآن ۱/۱۷۶)

۶- اہل قلم میں سے ایک صاحب لکھتے ہیں:

دفعۃً تین طلاق دینے سے متعدد خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ اگر طلاق دینے والا حنفی مسلک رکھتا ہے اور اسی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لامحالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے۔ شرط باندھ کر دوسرے سے نکاح کرتا ہے۔ کہ تم کل طلاق دے دینا۔ اس طرح وہ شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے «أن رسول اللہ ﷺ لعن المحلل والمحلل له». (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کیلئے حلالہ کیا جائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں پر لعنت فرمائی ہے)۔

یہ حدیث نسائی میں بھی موجود ہے اور ابن ماجہ میں عقبہ بن عامرؓ کی روایت اس طرح ہے:

«ألا أخبركم بالتيس المستعار؟» قالوا: بلىٰ يا رسول الله! ﷺ. قال: «هو المحلل، لعن الله المحلل والمحلل له».

''کیا میں تم کو مانگے کے بکرے سے آگاہ نہ کروں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کیلئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی، ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: «لا أوتى بمحلل ولا محلل له إلا رجمتهما». (میرے پاس جو بھی حلالہ کرنیوالا اور جس کیلئے حلالہ کیا گیا ہو لایا جائیگا تو میں اس کو سنگسار کر دوں گا) امام بیہقی نے (۷/۳۳۷ پر) نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے اگر کوئی شخص اس کی بیوی کو اس کیلئے حلال کر دے تو کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا: «من يخادع الله يخدعه». (جو اللہ کے ساتھ چالبازی کرے گا اللہ اس کی چال کو ناکام کر دے گا) یہ فتوی امام طحاوی نے بھی معانی الآثار میں (۲/۳۳ پر) نقل کیا ہے۔ موطأ امام مالکؒ میں ہے «والمحلل يفرق بينهما مع كل حال إذا أريد بالنكاح التحليل». (یعنی دونوں کے درمیان ہر حال میں تفریق کردی جائے گی اگر ان کا ارادہ تحلیل کا ہے۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے ائمہ میں سے صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحلیل سے بیوی زوجِ اول کیلئے حلال ہوتی ہے۔ ورنہ امام محمد وامام ابویوسف کے نزدیک دیگر ائمہ کی طرح علی وجہ التحلیل کیا ہوا نکاح غلط ہے۔ اور اس سے عورت زوجِ اول کیلئے حلال نہیں ہوگی۔ ویسے خود امام صاحب بھی تحلیل کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔ چنانچہ ہدایہ (۳۷۶/۱) میں ہے: «إذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه لقوله عليه السلام: «لعن الله المحلل والمحلل له». موطا امام مالکؒ کے حاشیہ میں ہے: «قال الشافعي وأبويوسف إذا نكح بشرط أنه إذا وطئ طلق، بطل». (امام شافعی وامام ابویوسف کا کہنا ہے کہ اگر شرط پر نکاح کیا گیا کہ ہم بستری کے بعد اس عورت کو طلاق دے دی جائے، تو نکاح باطل ہے۔)

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا ایک فتوی ملاحظہ کرتے چلئے۔ اخبار الجمعیہ دہلی، ۶ شعبان ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء میں تحریر فرماتے ہیں:

''حلالہ مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور پھر اس سے طلاق یا موت زوج کی وجہ سے علیحدہ ہوکر پہلے زوج کیلئے حلال ہو جاتی ہے اسی کا نام حلالہ ہے۔ لیکن زوج اول یا زوجہ یا اس کے کسی ولی کی طرف سے زوجِ ثانی سے یہ شرط کرنی کہ وہ طلاق دیدے اور زوجِ ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے اس سے نکاح کرنا یہ حرام ہے اور اس پر فریقین پر لعنت کی گئی ہے۔''

اب غور کرکے دیکھئے کہ ہمارے معاشرہ میں کون سی شکل رائج ہے۔ بالکل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتعۃ النساء کی طرح مشروط نکاح کیا جاتا ہے۔ اور اگلے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے۔ اس شکل میں بعض ایسے شرمناک اور حیا سوز قصے سننے میں آتے ہیں۔ کہ کسی طرح شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں۔ جب ہی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا دیا تھا ایسے لوگوں کو میں سنگسار کر دوں گا۔ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا طلاق ہی نہیں دیتا، تو اس طرح اس قضیے میں نزاع وفساد کا ایک دوسرا قصہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

(ایک مجلس کی تین طلاقیں ص۳۲-۳۳)

ہمارے شہر سیالکوٹ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ دیہاتی شخص نے غصہ میں آ کر اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاق دے دیں۔ بعد ازاں جب غصہ فرو ہوا تو نادم ہوا۔ اور کسی عالم دین سے فتوی پوچھا، تو وہ کہنے لگے اب تمہاری بیوی تم پر حرام ہوگئی ہے۔ بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوگی۔ حلالہ نکالنے کیلئے بھی اپنی ہی خدمات پیش کر دیں۔ دیہاتی سادہ آدمی تھا، مان گیا۔ چنانچہ ہفتہ عشرہ کیلئے اپنی بیوی کو اس مولوی صاحب کے ہاں چھوڑ گیا۔ مولوی صاحب نے اس عورت سے نکاح کر لیا اور میاں بیوی کی صورت میں رہنے لگے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب وہ دیہاتی اپنی بیوی لینے آیا تو مولوی صاحب فرمانے لگے کہ حلالہ میں نے نکال دیا ہے لہٰذا وہ اپنی بیوی سے پوچھ لے اگر وہ جانا چاہتی ہے تو لے جائیے۔ جب بیوی سے جانے کیلئے کہا تو وہ اس کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر گئی۔ دیہاتی چیخا چلایا اور رویا اور لوگوں کو بتایا کہ میں لٹ گیا۔ مولوی صاحب نے میری بیوی کو ورغلا کر ہتھیا لیا ہے۔ بعد ازاں وہ عورت مولوی صاحب کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے رہی۔ اب وہ دونوں ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ اور اگر وہ دیہاتی طاقتور ہوتا تو ضرور جھگڑا وفساد پیدا ہوتا پھر نا معلوم کیا نتیجہ نکلتا۔ ایسے نکاح کا عموماً انجام اچھا نہیں ہوتا۔

۷- ایک اور صاحب علم لکھتے ہیں:

''چونکہ عام طور پر لوگ طلاق کے شرعی طریقہ سے ناواقف ہیں۔ اور طلاق کے اسباب عموماً غضب اور غصہ ہی کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اس لیے جب بیک زبان، بیک مجلس طلاق دے کر ٹھنڈے پڑتے ہیں۔ اور انہیں صورتِ حال کا علم ہوتا ہے تو پچھتاتے اور تڑپتے ہیں۔ اس وقت ہمارے مفتیانِ کرام انہیں اپنا مسلک بتا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ اور طلاق دینے والا ناواقف مسکین اپنی بیوی کی جدائی، گھر کی بربادی اور بال بچوں کی کسمپرسی کو دیکھ کر روتا اور بلکتا ہے۔ اور اپنے مذہبی دائرے کی تنگی اور حکمتِ الٰہی سے ناواقفیت اور اللہ کی دی ہوئی رخصت وسہولت سے محرومی کا تصور کر کے کبھی اپنے آپ کو کوستا ہے کبھی اپنے مذہب کو اور کبھی اپنے مذہب کے مفتیانِ کرام کا ماتم کرتا ہے۔ لیکن حلالہ ملعونہ کے سوا اپنی بیوی کی واپسی کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اس وقت شرم وحیا کے دامن کو تار تار کر کے اپنی بیوی کی پاکیزگی اور طہارتِ نفس کا گلا گھونٹ کر حلالہ جیسی ملعون چیز کیلئے راہیں ڈھونڈتا اور ہموار کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ حلالہ جس چیز کا نام ہے اور شریعت نے اسے جس صورت میں جائز اور حلال قرار دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے وہ صرف یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ کہیں دوسری جگہ صحیح شرعی طریقہ پر نکاح کر کے نئے شوہر کی صحبت سے ہمکنار ہو جائے۔ اور اس کے ساتھ حُسنِ معاشرت کی پختہ نیت وارادہ رکھے۔ اور پہلے شوہر کو قطعاً فراموش کر جائے۔ اور اس سے ہر قسم کا تعلق زوجیت بالکلیہ منقطع کرلے۔ پھر بدقسمتی سے اگر اس کا شوہر ہلاک ہو جائے یا اس کو طلاق دیدے تو ایسی صورت میں پہلے شوہر کو اس سے نکاح کا حق حاصل ہوگا۔''

لیکن مروجہ حلالہ جس کا فتوی عام طور سے ہمارے علماء کرام دیا کرتے ہیں وہ ایک فعلِ لعنت ہے اور ہرگز زواجِ شرعی نہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کرنے اور کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور آنحضرتؐ کی لعنت دینِ فطرت کی کسی سنت پر کبھی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ کبائر ومعاصی ہی پر ہوتی ہے اور حلالہ حقیقۃً ایک معصیت ہے جس کی نسبت شریعتِ الٰہیہ کی طرف ایک شیطانی حرکت اور فضیحت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حلالہ کرنے والے کو کرایہ کا سانڈ کہا ہے۔ اور حلالہ کے نکاح کو کتاب اللہ کے ساتھ مذاق قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے۔ کہ میرے پاس کوئی بھی حلالہ کرنے والا لایا جائیگا تو میں اسے رجم کر دوں گا۔ عبداللہ بن عمرؓ سے حلالہ کرنے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ دونوں زانی ہیں۔ اور اس قسم کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صریح گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ زوجِ اول کیلئے حلالہ کی خاطر اگر بیس برس تک بھی عورت کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے نکاح میں روک رکھا جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حلالہ کرنے والے کو دھوکہ باز قرار دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اسی بنا پر اپنے فتوی کے ذریعہ رجعت کی پابندی لگائی تھی۔ کہ لوگ حلالہ جیسے لعنتی فعل کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ایک مجلس کی تین طلاق سے پرہیز کریں گے۔ اور شرع شریف کے مطابق ہی طلاق دیا کریں گے۔ یہ کون تصور کر سکتا تھا کہ کبھی ایسا دور بھی آئے گا کہ لوگ حلالہ جیسی ملعون چیز کا ارتکاب کرنا گوارہ کریں گے۔

حلالہ کی لعنتیں: حلالہ ایسی بے غیرت چیز ہے جس کا کوئی شریف اور خود دار شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے نکاح شرعی کا اعلان واشتہار ہوتا ہے جس پر خوشی اور مبارکبادی کا اظہار ہوتا ہے۔ تقریبات اور ولیمہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ لیکن حلالہ کے نکاح کو لوگ کانوں کان چھپاتے ہیں۔ نیز عورت کے نکاح کا داعیہ اس کے دین حسب ونسب اور مال وجمال سے ہوتا ہے۔ لیکن کیا حلالہ کرنے والا بھی ان میں سے کسی داعیہ کا طالب ہے؟ ذرا حلالہ کا نکاح کرنے والے سے پوچھیئے کہ کیا اس کے دل میں اپنی زوجہ کے نان ونفقہ اور اس کے لباس کا بھی احساس ہے یا نہیں؟ اور کیا حلالہ کیلئے نکاح کرائی جانے والی عورت عام شرعی نکاح کرنے والی عورتوں کی طرح خود کو سنوارتی اور مزین کرتی ہے؟

کیا لوگوں کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ حلالہ کے ذریعہ داغدار کی جانے والی کتنی ہی شریف زادیاں عزت وشرافت سے محروم ہو کر فسق وفجور کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بری راہوں کا شکار ہو گئیں۔ اور حلالہ کے عادی ملعون مرد نے کتنے گھرانے تباہ کیے اور کتنی حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ اپنی زوجیت میں رکھا۔

الغرض ایک مجلس کی تین طلاق کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہؓ کے خلاف تین مان لینے کی بنا پر آج یہاں سینکڑوں خاندان تباہ برباد ہیں۔ وہیں مخالفین اسلام کو بھی اس مسئلہ کی آڑ لے کر اسلام پر حملہ کا موقع ملتا ہے۔

ضرورت ہے کہ علماءِ امت اس مسئلہ کی تمام جزئیات پر بنظرِ تعمق غور و فکر کر کے امت کیلئے وہی فطری اور ربانی سہولتیں پیدا کریں جو عہدِ نبوی ﷺ میں امت کو حاصل تھیں۔

آخر میں خلاصۂ کلام کے طور پر عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ آج مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس مسئلہ کے بارے میں مسلکی تعصب و جمود کے خلاف شاکی ہیں۔ اور کسی انقلابی اور اصلاحی اقدام کے محتاج و منتظر ہیں۔ ضرورت ہے کہ وقت کے حق پرست علماء، تمام مسلکی حدود و قیود کو پھاند کر امت کی اس اہم ترین ضرورت پر فیصلہ کن اِقدام کریں۔ (ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۹۵)

۸۔ ایک اور صاحب علم رقم طراز ہیں:

چونکہ طلاق عموماً غصہ ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور بیوی کی ادنیٰ سی بات سے بھی ناراض ہو کر طیش و غضب کی حالت میں اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں۔ اور جب غیظ و غضب کی یہ آگ سرد پڑ جاتی ہے۔ اور حالات کا ٹھنڈے دل سے سامنا کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو پچھتاتے اور پریشان ہوتے ہیں۔ اور ارباب فتاوی کے یہاں دوڑتے ہیں۔ کہ ممکن ہے بیوی کی واپسی کا کوئی شرعی حیلہ وتدبیر نکل آئے۔ مفتی صاحب تو اپنا فقہی مسلک بتا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ اور مستفتی حیران وپریشان گھر کی ویرانی، بچوں کی آہ وبکا، اوران کی کسمپرسی کو دیکھتا اور رفیقۂ حیات جس کے ساتھ زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔ اس کے اپنی ہی حماقت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل جانے پر کفِ افسوس ملتا، سر پیٹتا ہے۔ کبھی خود کو کوستا ہے اور کبھی فقہی گروہ بندیوں پر نفرین کرتا اور اس سے اظہارِ بیزاری کرتا ہے۔ اور بیوی کو واپس لانے کی مختلف تدبیریں اور حیلے سوچتا ہے۔

مفتی اگر اپنے تقلیدی مسلک میں متشدد ہے تو اس کے پاس مطلقہ کو اپنی زوجیت میں دوبارہ واپس لانے کی حلالہ مروجہ کے سوا کوئی دوسری سبیل نہیں۔ چنانچہ غیرت وحمیت اور شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر بیوی کی طہارت وپاکیزگی اور حرمت وکرامت سے صَرفِ نظر کر کے اس فعل ملعون کیلئے راہ ہموار کرتا ہے۔ اور اس فعلِ حرام کا ارتکاب کر کے خود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی لعنت کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ اور مخالفینِ اسلام کیلئے اسلامی نظام کی تضحیک اور اس پر حرف زنی کا موقع فراہم کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل احادیث وآثار سے حلالہ مروجہ کی قباحت وشناعت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ.

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے مرد اور جس کیلئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے''۔

(۲) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: هُوَ الْمُحَلِّلُ، لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ.

''عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا میں تمہیں کرایہ کے بوک (بکرے) کی خبر نہ دوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

لَا اُوْتٰى بِمُحَلِّلٍ وَّلَا مُحَلَّلٍ لَهٗ اِلَّا رَجَمْتُهُمَا وَفِیْ رِوَايَةٍ، لَا اُوْتٰى بِمُحَلِّلٍ وَّلَا مُحَلَّلَةٍ اِلَّا رَجَمْتُهُمَا.

''میرے پاس جو بھی حلالہ کرنیوالا مرد اور جس کیلئے حلالہ کیا گیا ہے لایا جائیگا تو اسے سنگسار کردوں گا ایک روایت میں ہے کہ حلالہ کرنیوالا مرد اور حلال کی جانے والی عورت دونوں کو سنگسار کردوں گا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حلالہ کو سفاح (زنا) قرار دیتے تھے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں۔ کہ پہلا شوہر اور حلالہ کرنے والا دوسرا شوہر اور عورت ان تینوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے اگر کسی کی بھی نیت نکاحِ ثانی سے حلالہ ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔

ظاہر ہے کوئی مباح اور حلال کام مستوجب لعنت، باطل اور مستحقِ سزا نہیں ہو سکتا۔

حلالہ کی یہ ملعون شکل مسلم معاشرہ کے اندر جنسی بے راہ روی کا بھیانک پیش خیمہ ہے۔ مجھے خود بعض ایسے لوگوں کا علم ہے جنہوں نے اس سفاح کو جنسی ہوس رانی کا ذریعہ بن رکھا ہے۔ اور اس فعل شنیع پر کوئی نکیر کرنے والا نہیں۔ کہ امت کے ایک طبقہ نے اس کی گنجائش نکال دی ہے۔ حالانکہ شریعت میں جس تحلیل کا اعتبار ہے وہ یہ ہے کہ پہلے شوہر کے طلاق مغلظہ کے بعد عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کر کے اس کی صحبت سے ہمکنار ہو جائے اور اس کے ساتھ حُسنِ معاشرت سے زندگی بسر کرنے لگے اور اس دوسرے نکاح سے سابق شوہر، عورت اور اس کے موجودہ شوہر ثانی جس کی زوجیت میں وہ اس وقت ہے ان تینوں میں سے کسی کی نیت حلالہ کی نہ ہو۔ پھر قضاءِ الٰہی سے شوہر فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو پہلے شوہر کو اس سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

اندریں حالات بیک مجلس دی گئی تین طلاقوں کے تین شمار کئے جانے سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں جو مختلف مسائل اور مشکلات اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ ان کا حل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اولاً مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ کی روح بیدار کرنے کے ساتھ ہی انہیں طلاق دینے کے شرعی اصول اور طریقے سے آگاہ کیا جائے۔ اور انہیں بتایا جائے کہ اگر کوئی بدرجہ مجبوری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلاق دینا ہی چاہتا ہے تو اسے پاکی (طہر) کی حالت میں جس کے اندر اس سے صحبت نہ کی ہو ایک رجعی طلاق دے۔ تا کہ اگر باہمی نباہ کی کوئی شکل عدت کے وقفہ میں نکل آئے تو عدت گزرنے سے پہلے پہلے وہ رجوع کر لے اور پچھتانا نہ پڑے۔ اور اگر رجوع نہیں کرتا چاہتا تو عدت گزار کر بیوی کو آزاد ہو جانے دے۔ عدت گزرنے کے بعد پھر اس کو عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کا موقع رہے گا۔

دوسری طرف ہمارے اربابِ فتاوی حالاتِ زمانہ سے صَرفِ نظر کر کے فقہی مسلک کے تنگ خول میں بند رہ کر فتوی دینے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیں۔ اور ایک مجلس کی تین طلاق کو تین کے بجائے ایک شمار کیے جانے کا فتوی دیں۔ (ایک مجلس کی تین طلاقیں ص۱۱۲)

حضرت مولانا خواجہ حافظ محمد قاسم مرحوم لکھتے ہیں:

فقہ حنفیہ کا مروجہ ذخیرہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اجتہادات نہیں۔ بلکہ مختلف الخیال حنفی علماء (جن میں عقیدۃً معتزلہ، جہمیہ، مرجیہ اور شیعہ بھی شامل ہیں) کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ شیخ بوعلی سینا جیسے باطنی شیعہ عہدۂ قضاء پر فائز رہے۔ اور بحیثیت حنفی فتوے دیتے رہے۔ فقہ حنفی کچھ اسی قسم کی علمی کوششوں کا مرقع ہے۔ کلی طور پر اس کی نسبت امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف درست نہیں۔ حضرت امام صاحب ایسے متقی اور پرہیزگار آدمی سے ایسے مسائل کی توقع نہیں۔ ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسبت آپؒ کی طرف عقلاً ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ تفصیل کیلئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ تحلیل کی طرف رجوع کرنا چاہیے تین طلاقیں بیک وقت دی جائیں یا الگ الگ۔ یہ مرد کی غلطی ہے جس کے ازالہ کیلئے وہ رجوع پر آمادہ ہوتا ہے اور جائز یا ناجائز حیلے تلاش کرتا ہے لہٰذا اس غلطی کی سزا بھی مرد کو ملنی چاہیے۔ اگر فقہاءِ حنفیہ تھوڑا بہت تفقہ سے کام لیں۔ تو خاوند کیلئے کوئی سزا تجویز ہونا چاہیے۔ اسے جرمانہ کیا جائے یا درے وغیرہ لگائے جائیں۔ اگر جنسی سزا دینا ہی منظور ہو تو کوئی ایسا فقہی حیلہ پیدا فرمائیں۔ جس سے مرد کو کوئی سزا ازقسم حلالہ ملے۔ اور فقہاء کو چاہیے اس کیلئے کوئی حیلہ نکالیں۔ مرد کے گناہ کی سزا عورت بھگتے، وہ بے غیرت بنے اور غیر مردوں کے بستر کی زینت بننے کیلئے اپنے ستر کو ان کے سامنے پیش کرتی پھرے۔ آخر کیوں؟ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾

حلالہ تک نوبت اسی غلط طریق پر طلاق دینے سے پہنچتی ہے جب تک طلاق سنت کے مطابق رہی۔ کسی حلالہ کی مثال نہیں ملتی۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ونكاح التحليل لم يكن ظاهرا على عهد النبي ﷺ وخلفائه ولم ينقل قط أن امرأة أعيدت بعد الطلقة الثلاثة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی عهدهم إلی زوجها بنکاح تحلیل. (فتاوی ابن تیمیہ ۳/۲۲)

حلالہ کا نکاح نبی علیہ السلام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ظاہر نہیں تھا اور اس عہد میں کوئی عورت تیسری طلاق کے بعد حلالہ کے نکاح کے ساتھ شوہر کی طرف لوٹی ہو، ایسا کوئی واقعہ منقول نہیں ہے۔

یہ سامانِ لطف اندوزی اس وقت پیدا ہوا جب اکٹھی تین طلاقوں کو تین رکھنے پر اصرار کیا جانے لگا۔ اور پھر ابواب الحِیَل کھلنے لگے۔ اتنے بڑے بڑے فقہی مذاہب کے ارباب بست وکشاد نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ اس ذلیل حرکت کے بعد عورت کے اَخلاق پر کیا اثر پڑے گا۔ اس فقہی حادثہ کے بعد بیسیوں واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ عورت ہمیشہ کیلئے اَخلاق باختہ ہو کر رہ گئی اور اس کی حیاء وعفت کا آبگینہ ہمیشہ کیلئے چور ہو گیا۔ اب تو بحمد اللہ حنفیت کا یہ فقہی شاہکار عملاً ختم ہو چکا ہے۔ اب اس کا تذکرہ ذرا جھجک سے ہی کیا جاتا ہے۔ ورنہ ایک زمانہ قبل پیشہ ور حلالہ کرنے والے پیدا ہو گئے تھے جو اپنے آپ کو زوجین کا محسن سمجھتے تھے اور باقاعدہ کاروبار ہوتا تھا۔ مساجد کے ساتھ ایک کمرہ بطور حلالہ گاہ رکھا جاتا۔ اور ایک مستقل آدمی اس میں رسمی تحلیل کیلئے رکھا جاتا تھا۔ تاکہ بوقتِ ضرورت کام آسکے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

بے حیائی کے علاوہ خیال فرمایئے کرایہ کے سانڈ یعنی مُحلِّل کے پاس رات گزارنے کے بعد میاں، بیوی میں محبت کی پاکیزگی باقی رہ سکتی ہے؟ اور یہ کس قدر تعصب کی بات ہے کہ بیک وقت دی ہوئی طلقات ثلاثہ کو (جو ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلافی مسئلہ ہے) ایک رجعی طلاق اس لیے نہ مانا جائے کہ چند مخصوص ائمہ نے ایسا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اور نتیجۃً اس پر مترتب ہونے والی بے غیرتی یعنی مسئلہ حلالہ کو مؤثر مان لیا جائے۔ حالانکہ وہ اتفاقی طور پر حرام ہے بلکہ جسے زنا بھی کہا گیا ہے۔ وإن تعجب فعجب قولهم.

حلالہ کیلئے حیلہ تراشی کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ فقہ کی مشہور کتاب درمختار مصری (۲/۵۸۴) میں مرقوم ہے۔ ایک لطیف ...

نکاح کرنے والا ... کہے اگر ...

بائن ...

یہ طلاق ...

لَا طَلَاقَ ... قبل از نکاح کوئی طلاق نہیں۔

یہ ساری پریشانی اور فساد اسی لیے ہے کہ طلاق ثلاثہ کے معاملہ میں ٹھوکر کھائی گئی ہے۔ وہ عقل، ماتم کیے جانے کے قابل ہے جو زنا کو قبول کرتی ہے اور بوجہ ضد صحیح بات قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ (تین طلاقیں ص ۱۲۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہنسی مذاق کی طلاق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَّهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ.

(ترمذی ۴۹۰/۳)

تین چیزیں ایسی ہے جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے؛ نکاح، طلاق، اور رجعت۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے ہنسی مذاق میں نکاح کیا یا اسی طرح ہنسی مذاق میں بیوی کو طلاق دی۔ یا مطلقہ بیوی سے ہنسی مذاق میں رجعت کی۔ تو شریعت میں یہ سب چیزیں واقع اور معتبر ہوں گی؛ یعنی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ طلاق پڑ جائے گی۔ اور رجعت ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں اسلامی شریعت میں اتنی نازک اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے بارے میں ہنسی مذاق کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے۔ ان کے بارے میں جو کچھ آدمی کی زبان سے نکلے گا اس کو حقیقت اور سنجیدہ بات ہی سمجھا جائے گا دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلامی شریعت میں یہ میدان ہی ہنسی مذاق کا نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغلوب العقل کی طلاق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

«کُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقُ الْمَعْتُوْہِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰی عَقْلِہٖ». (ترمذی ۳/۴۹۶)

ہر طلاق درست و نافذ ہے سوائے اس آدمی کی طلاق کے جس کی عقل وفہم مغلوب ہوگئی ہو۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کسی مرض یا صدمہ کی وجہ سے آدمی کی عقل و دانش غیر متوازن اور مغلوب ہو جاتی ہے اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو عقل و فہم کی سلامتی کی حالت میں نہ کرتا اور اسے اپنی باتوں کا پورا شعور بھی نہیں ہوتا ایسے آدمی کو مَعْتُوہ اور مغلوب العقل کہا جائے گا۔ پس اگر ایسا شخص اس حالت میں بیوی کو طلاق دے تو وہ واقع نہ ہوگی۔ جس طرح دیوانے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تین آدمی شریعت میں ''مرفوع القلم ہیں'' یعنی ان کے کسی قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اس پر شرعی حکم مرتب نہیں ہوگا۔ ایک وہ جو نیند کی حالت میں ہو، دوسرے نابالغ بچہ اور تیسرے مغلوب العقل آدمی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی سونے کی حالت میں بڑبڑائے اور اس میں بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح چھوٹے بچے کی اور مغلوب العقل کی طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبردستی ک

...دی لی طلاق اور زبردستی کے
عتاق کا اعتبار نہیں''۔ (۲۶۱/ ...

یعنی اگر کوئی آدمی کو مجبور اور بالکل بے بس کر کے اس سے بیوی کو طلاق دلوائی گئی، یا اس کے غلام کو آزاد کرایا گیا یعنی اس کی زبان سے زبردستی طلاق یا عتاق کی بات کہلوائی گئی۔ تو شریعت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اکثر ائمۂ محدثین کا یہی مسلک ہے کہ جو طلاق زبردستی لی جائے جس کو اصطلاح میں ''طلاق مُکرَہ'' کہتے ہیں اس کا اعتبار نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ ہنسی مذاق کی طرح زبردستی والی طلاق کو بھی نافذ مانتے ہیں۔ مگر امام صاحب کا یہ قول احادیث کے خلاف ہے۔ اس لیے لائقِ التفات نہیں ہے۔

غضب کی حالت میں طلاق

غصہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طلاق عموماً غصہ میں ہی ہوتی ہے۔ اگر غصہ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا اور اس کے ہوش و حواس بالکل قائم نہ رہے ہوں۔ یہاں تک کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ کسی دوسرے نے بتایا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے خود اس کو پتہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ تو ایسی حالت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ دیوانہ کے حکم میں ہے ایک حدیث میں ”لا طلاق فی اغلاق“ ہے۔ اس کے معنی امام ابوداؤد نے غضب کے کئے ہیں اگرچہ یہ معنی کمزور ہیں مگر جب اس حد کو غضب پہنچ جائے تو اس پر لغوی معنی کے لحاظ سے اِغلاق کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ پس اس حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اگر غضب مذکورہ بالا حد کو پہنچ جائے تو طلاق نہیں ہوتی۔ مگر غضب والی طبیعت کوئی شاذ و نادر ہوتی ہے۔ اور اس کا اتفاق بہت کم ہوتا ہے۔ (فتاوی اہلحدیث ۲/ ۴۹۸)

نابالغ کی طلاق

امام احمدؒ کے مذہب پر لڑکا، بالغ، باتمیز جو مرد و عورت کے تعلق کو سمجھتا ہو طلاق دے سکتا ہے۔

جو طلاق عورت تک نہ پہنچے وہ واقع نہیں ہوتی

اگر کسی شخص نے طلاق لکھ کر کسی کے پاس امانت رکھی یا اس کو وکیل بنایا کہ یہ پہنچا دے اور اس نے نہیں پہنچائی تو ان دونوں صورتوں میں واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ اپنے محل پر نہیں پہنچی۔ بلکہ راستہ میں رہ گئی۔ بیوی تک طلاق کا پہنچنا ضروری ہے۔ خواہ کسی ذریعہ سے پہنچے۔ کیونکہ عدت کا تعلق عورت سے ہے طلاق کی خبر پہنچے بغیر وہ اس کی تعمیل نہیں کرسکتی۔ (فتاوی اہلحدیث ۲/ ۵۰۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرض الموت میں طلاق

مرضِ وفات کی طلاق کا اعتبار نہیں۔ بلکہ مرضِ وفات سے پہلے کی طلاق معتبر ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق نہیں

حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا:

«لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ لَهٗ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَاقَ لَهٗ فِيمَا لَا يَمْلِكُ». (ترمذی ۳/۴۸۶)	آدمی جس چیز کا مالک نہیں ہے نہ اسکی نذر مان سکتا ہے نہ اسے آزاد کر سکتا ہے اور نہ اسے طلاق دے سکتا ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص غیر منکوحہ کو "انتِ طالق" کہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ خواہ بعد میں وہ عورت اسکی منکوحہ بن جائے، البتہ اگر طلاق کی نسبت مِلک کی طرف کی گئی ہو جیسے "ان نكحتك فانت طالق" تو اس بارے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ایسی تعلیق مطلقاً درست ہو جاتی ہے۔ جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک علی الاطلاق اس قسم کی تعلیق باطل ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تعلیق میں عموم ہو یعنی تعلیق ایسی ہو جس کے بعد کسی بھی عورت سے نکاح کا اِمکان ہی باقی نہ رہے جیسے "كلما نكحت امرأة فهي طالق" تو ایسی تعلیق باطل ہے۔ البتہ اگر کسی خاص عورت یا کسی خاص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقہ یا خاص قبیلہ اور زمانہ کی نسبت سے تعلیق کی جائے تو ایسی تعلیق درست ہو جاتی ہے مثلاً: "ان نکحت فلانة" یا "ان نکحت من بلد کذا". "او من قبیلة کذا". یا "ان نکحت فی ھذا الشھر".

امام اوزاعی اور ابن ابی لیلی وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

عموم کی صورت میں تعلیق کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک حلال چیز یعنی نکاح بالکلیہ حرام کر دینے کے مترادف ہے جس کا اختیار کسی انسان کو نہیں ہے۔ شافعیہ، حنابلہ اور محدثین کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔

طلاق اور رجعت پر گواہ بنانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾ (الطلاق) اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنا لو جو تم میں سے صاحبِ عدل ہوں اور (اے گواہ بننے والو) گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کیلئے ادا کرو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد طلاق پر بھی گواہ بنانا ہے اور رجوع پر بھی (ابن جریر) حضرت عمران بن حصین سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر اس سے رجوع کر لیا مگر نہ طلاق پر کسی کو گواہ بنایا نہ رجوع پر؟ انہوں نے جواب دیا تم نے طلاق بھی سنت کے خلاف دی اور رجوع بھی سنت کے خلاف کیا۔ طلاق اور رجوع دونوں پر گواہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بناؤ اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (ابوداؤد ۱/۳۰۴)

لیکن محدثین اور ائمۂ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ طلاق اور رجعت اور فُرقت پر گواہ بنانا ان افعال کی صحت کیلئے شرط نہیں ہے کہ اگر گواہ نہ بنایا جائے تو نہ طلاق واقع ہو، نہ رجوع صحیح ہو اور نہ فُرقت۔ بلکہ یہ حکم اس احتیاط کیلئے دیا گیا ہے کہ فریقَین میں سے کوئی بعد میں کسی واقعہ کا انکار نہ کر سکے۔ اور نزاع پیدا ہونے کی صورت میں بآسانی فیصلہ ہو سکے۔ اور شکوک وشبہات کا دروازہ بھی بند ہو جائے۔ یہ حکم بالکل ایسا ہی ہے جیسے فرمایا ﴿وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَايَعۡتُمۡ﴾ جب تم آپس میں بیع کا کوئی معاملہ طے کرو تو گواہ بنالو۔ (البقرہ،۲۸۲) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیع پر گواہ بنانا فرض ہے اور اگر گواہ نہ بنایا جائے تو بیع صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ یہ ایک حکیمانہ ہدایت ہے جو نزاع کا سدِّ باب کرنے کیلئے دی گئی ہے۔ اور اس پر عمل کرنے ہی میں بہتری ہے۔ اسی طرح طلاق اور رجوع کے معاملہ میں بھی صحیح بات یہی ہے کہ ان میں سے ہر فعل گواہوں کے بغیر بھی قانوناً درست ہو جاتا ہے۔ لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جو فعل بھی کیا جائے اسی وقت یا اس کے بعد دوؔ صاحبِ عدل آدمیوں کو اس پر گواہ بنالیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خُلع

لغوی معنیٰ: لفظ "خُلع" خَلَعٌ سے نکلا ہے اس کے معنی اتارنے کے ہیں مناسبت یہ ہے کہ قرآن کریم نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے ارشاد ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرة)

"خلع کے ذریعہ ایک دوسرے سے علیحدگی لباس اتار دینے کے مترادف ہے۔"

چار قریب المعنی الفاظ اور ان کے درمیان فرق:

خُلع کے بارے میں چار الفاظ قریب المعنی مستعمل ہیں (۱) خلع (۲) طلاق علی مال (۳) فِدیہ (۴) مُباراۃ۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری، علامہ قُرطبیؒ نے اپنی تفسیر، اور علامہ ابن رُشد نے بدایۃ المجتہد میں ان کے درمیان فرق کیا ہے۔ کل مہر کو بدل مقرر کر لینا خلع ہے۔ اور جزو مہر کو بدل مقرر کر لینا فدیہ ہے۔ اور عورت کا شوہر کے ذمہ سے ہر ایسے حق کو ساقط کر دینا جو نکاح کے ساتھ تعلق رکھتا ہو مباراۃ ہے۔ اور طلاق علی المال واضح ہے یعنی مہر سے قطع نظر مال کی کوئی مقدار مقرر کر کے طلاق دینا۔

شرع اسلامی نے جس طرح مرد کو یہ حق دیا ہے کہ جس عورت کو وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناپسند کرتا ہے اور جس کے ساتھ وہ کسی طرح نباہ نہیں کر سکتا اسے طلاق دے۔ دے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ جس مرد کو وہ ناپسند کرتی ہو اور کسی طرح اس کے ساتھ گزر بسر نہ کر سکتی ہو اس سے خلع کر لے۔

اس باب میں احکامِ شریعت کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو اخلاقی ہے اور دوسرا قانونی۔

اخلاقی پہلو یہ ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت ہر ایک کو طلاق یا خلع کا اختیار صرف ایک آخری چارۂ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہئے نہ یہ کہ محض خواہشات کی تسکین کیلئے طلاق اور خلع کو کھیل بنا لیا جائے۔ چنانچہ احادیث میں نبی ﷺ کے ارشادات منقول ہیں کہ:

۱- إن الله لا يحب الذواقين والذواقات.

اللہ مزے چکھنے والوں اور مزے چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔

۲- لعن الله كل ذواق مِطلاق.

طالب لذت، بکثرت طلاق دینے والے پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

۳- أيما امرأة اختلعت من زوجها بغير نشوز فعليها لعنة الله والملئكة والناس أجمعين. المختلعات هن المنافقات.

جس کسی عورت نے اپنے شوہر سے اس کی کسی زیادتی کے بغیر خلع لیا اس پر اللہ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔ خلع کو کھیل بنا لینے والی عورتیں منافق ہیں۔

لیکن قانون جس کا کام اشخاص کے حقوق متعین کرنا ہے۔ اس پہلو سے بحث نہیں کرتا۔ وہ جس طرح مرد کو شوہر ہونے کی حیثیت سے طلاق کا حق دیتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اسی طرح عورت کو بھی بیوی ہونے کی حیثیت سے خلع کا حق دیتا ہے تاکہ دونوں کیلئے بوقتِ ضرورت عقدِ نکاح سے آزادی حاصل کرنا ممکن ہو اور کوئی فریق بھی ایسی حالت میں مبتلا نہ کر دیا جائے کہ دل میں نفرت ہے۔ مقاصدِ نکاح پورے نہیں ہوتے، رشتۂ ازدواج ایک مصیبت بن گیا ہے مگر جبراً ایک دوسرے کے ساتھ محض اس لیے بندھے ہوئے ہیں کہ اس گرفت سے آزاد ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ رہا یہ سوال کہ دونوں میں سے کوئی فریق اپنے حقوق کو بیجا طور پر استعمال کرے گا تو اس بارے میں قانون جہاں تک ممکن اور معقول ہے پابندیاں عائد کر دیتا ہے۔ مگر حق کے بجا یا بے جا استعمال کرنے کا انحصار بڑی حد تک خود استعمال کرنے والے کے اختیارِ تمیزی اور اس کی دیانت اور خدا ترسی پر ہے۔ اس کے اور خدا کے سوا کوئی بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ محض طالبِ لذت ہے، یا فی الواقع اس حق کے استعمال کی جائز حاجت رکھتا ہے۔ قانون اس کا فطری حق اسے دینے کے بعد اس کو بے جا استعمال سے روکنے کیلئے صرف ضروری پابندیاں اس پر عائد کر سکتا ہے۔ چنانچہ طلاق کی بحث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ مرد کو عورت سے علیحدگی کا حق دینے کے ساتھ اس پر متعدد قیود لگا دی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جو مہر اس نے عورت کو دیا تھا اس کا نقصان گوارا کرے۔ زمانہ حیض میں طلاق نہ دے۔ تین طہروں میں رجوع کر کر کے ایک طلاق دے۔ عورت کو زمانۂ عدت میں اپنے ساتھ رکھے۔ اور جب تین طلاق دے چکے تو پھر وہ عورت تحلیل کے بغیر دوبارہ اس کے نکاح میں نہ آ سکے۔ اسی طرح عورت کو بھی خلع کا حق دینے کے ساتھ چند قیود عائد کر دی گئی ہیں۔ جن کو قرآن مجید اس مختصری آیت میں بتمام وکمال بیان کر دیتا ہے۔

ﮦ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ "تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴿۲۲۹﴾ (البقرۃ)

کچھ تم بیویوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لو۔ الا یہ کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو کہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ایسی صورت میں کچھ مضائقہ نہیں اگر عورت کچھ معاوضہ دے کر عقد نکاح سے آزاد ہو جائے۔''

اس آیت سے حسبِ ذیل احکام مُستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ خلع ایسی حالت میں ہونا چاہیے جب کہ حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف ہو۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ اگر چہ خلع ایک بری چیز ہے جس طرح کہ طلاق بری چیز ہے لیکن جب یہ خوف ہو کہ حدود اللہ ٹوٹ جائیں گی تو خلع لینے میں کوئی برائی نہیں۔

۲۔ جب عورت عقدِ نکاح سے آزاد ہونا چاہیے تو وہ بھی اسی طرح مال کی قربانی گوارا کرے جس طرح مرد کو اپنی خواہش سے طلاق دینے کی صورت میں گوارا کرنی پڑتی ہے مرد اگر خود طلاق دے تو وہ اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا جو اس نے عورت کو دیا تھا۔ اور اگر عورت جدائی کی خواہش کرے تو وہ اس مال کا ایک حصہ یا پورا مال واپس کر کے جدا ہو سکتی ہے جو اس نے شوہر سے لیا تھا۔

۳۔ اِفتِداء (یعنی مُعاوَضہ دے کر رہائی حاصل کرنے) کیلئے محض فِدیہ دینے والی کو خواہش کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس مُعامَلہ کا اِتمام اس وقت ہوتا ہے جب کہ فدیہ لینے والا بھی راضی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ عورت محض ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

.... نہیں ہوتی۔ بلکہ علیحدگی کیلئے
... وہ پیش کر رہی ہے اس کو شوہر قبول کر کے طلاق
دے دے۔

۴- خلع کیلئے صرف اس قدر کافی ہے کہ عورت اپنا پورا مہر یا اس کا ایک حصہ پیش کر کے علیحدگی کا مُطالبہ کرے اور مرد اس کو قبول کر کے طلاق دے دے۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خلع کا فعل طرفین کی رضامندی سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو خلع کیلئے عدالتی فیصلے کو شرط قرار دیتے ہیں۔ جو معاملہ گھر کے اندر طے ہو سکتا ہے، اسلام اسے عدالت میں لے جانا ہرگز پسند نہیں کرتا۔

۵- اگر عورت فدیہ پیش کرے اور مرد قبول نہ کرے تو اس صورت میں عورت کو عدالت سے رجوع کرنے کا حق ہے جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہے اس آیت میں "خفتم" کا خطاب ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے "اولی الامر" ہی کی طرف ہے چونکہ "اولی الامر" کا اولین فرض حدود اللہ کی حفاظت ہے۔ اس لیے ان پر لازم ہوگا جب حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف متحقق ہو جائے تو عورت کو اس کا وہ حق دلوا دیں جو انہی حُدُود کے تحفظ کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کیا ہے۔

یہ مُجمل اَحکام ہیں جن میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف کن صورتوں میں متحقق ہوگا؟ فدیہ کی مقدار متعین کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں انصاف کیا ہے؟ اور اگر عورت افتداء پر آمادہ ہو لیکن مرد قبول نہ کرے تو ایسی صورت میں قاضی کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ ان مسائل کی تفصیلات ہم کو خلع کے ان مقدمات کی رودادوں میں ملتی ہیں جو نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش ہوئے تھے۔

صدرِ اول کے نظائر در باب خلع: (۱) خلع کا سب سے مشہور مقدمہ وہ ہے جس میں ثابتؓ بن قیس سے ان کی بیویوں نے خلع حاصل کیا ہے۔ اس مقدمہ کی تفصیلات کے مختلف ٹکڑے احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن کو ملا کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثابت رضی اللہ عنہ سے ان کی دو بیویوں نے خلع حاصل کیا تھا۔ ایک بیوی جُمیلہ بنت اُبَیّ بن سَلُول (عبداللہ بن اُبی کی بہن، بعض نے زینب بنت عبداللہ بن اُبی کہا ہے۔ مگر مشہور یہی ہے کہ ان کا نام جُمیلہ تھا۔ اور عبداللہ بن اُبی کی بیٹی نہیں۔ بلکہ بہن تھیں) کا قصہ یہ ہے کہ انہیں ثابت رضی اللہ عنہ کی صورت ناپسند تھی۔ انہوں نے نبی ﷺ کے پاس خلع کیلئے مُرافعہ کیا اور ان الفاظ میں اپنی شکایت پیش کی:

يا رسول الله لا يجمع رأسي ورأسه شيءٌ أبدا إني رفعت جانب الخباء فرأيته أقبَلَ في عِدة، فإذا هو أشدهم سوادا وأقصرهم قامة وأقبحهم وجها. (تفسیر قُرطبی ۳/۱۳۹)

یا رسولؐ اللہ! میرے اور اس کے سر کو کوئی چیز کبھی جمع نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنا گھونگھٹ جو اٹھایا تو وہ سامنے سے چند آدمیوں کیساتھ آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ان سب سے زیادہ کالا اور سب سے زیادہ پستہ قد اور سب سے زیادہ بدشکل تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والله ما كرهت منه دِينا ولا خُلُقا إلا أني كرهت دمامته.

(ابن جریر)

اللہ کی قسم میں دین یا اَخلاق کی کسی خرابی کے سبب سے اس کو ناپسند نہیں کرتی بلکہ مجھے اس کی بدصورتی ناپسند ہے۔

والله لولا مخافة الله إذا دخل عليّ بصقت في وجهه.

(ابن جریر)

اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آیا تھا اس وقت میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔

يا رسول الله! بي من الجمال ما ترى وثابت رجل دميم.

(عبدالرزاق بحوالہ فتح الباری)

یارسولؐ اللہ! میں جیسی خوبصورت ہوں آپؐ دیکھتے ہیں اور ثابت ایک بدصورت شخص ہے۔

وما أعتب عليه في خُلُق ولا دِين ولكني أكره الكفر في الإسلام. (بخاری ۳/ ۱۶۹۸، والنسائی)

میں اس کے دِین اور اَخلاق پر کوئی حرف نہیں رکھتی مگر مجھے اسلام میں کفر کا خوف ہے۔

نبی ﷺ نے یہ شکایت سنی تو فرمایا کہ: «أتردّين عليه حديقته التي أعطاك». جو باغ تجھ کو اس نے دیا تھا وہ تو واپس کر دے گی؟ انہوں نے عرض کیا ہاں یارسولؐ اللہ! بلکہ وہ زیادہ چاہے تو زیادہ بھی دوں گی۔ حضورؐ نے فرمایا: «إما الزيادة فلا، ولكن حديقته». زیادہ تو نہیں۔ مگر اس کا باغ واپس کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے۔ پھر ثابت کو حکم دیا کہ: «اقبل الحدیقۃ وطلّقھا تطلیقۃً»، باغ قبول کر لے اور اس کو ایک طلاق دیدے" (بخاری ونسائی)

ثابت کی ایک اور بیوی حبیبہ بنت سہل الانصاریہ تھیں جن کا واقعہ امام مالک اور امام ابوداؤد نے اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک روز صبح سویرے حضور ﷺ اپنے مکان سے باہر نکلے تو حبیبہ کو کھڑا پایا۔ دریافت فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ «لا أنا ولا ثابت بن قیس»، "میری اور ثابت کی نبھ نہیں سکتی"۔ جب ثابت رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ حبیبہ بنت سہل ہے۔ اس نے بیان کیا جو کچھ اللہ نے چاہا کہ بیان کرے۔ حبیبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو کچھ ثابتؓ نے مجھے دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے۔ حضور ﷺ نے ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ لے لے اور اس کو چھوڑ دے۔ بعض روایتوں میں "خلّ سبیلھا" کے الفاظ ہیں اور بعض میں "فارقھا" دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ابوداؤد اور ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے کہ ثابت رضی اللہ عنہ نے حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اتنا مارا تھا کہ ان کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آ کر حضور ﷺ سے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ: «خُذ بعضَ مالِھا وفارِقْھا»۔ اس کے مال کا ایک حصہ لے لے اور جدا ہو جا۔

مگر ابن ماجہ نے حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھی ثابت رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شکایت تھی وہ مار پیٹ کی نہیں، بلکہ بدصورتی کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے وہی الفاظ کہے جو دوسری احادیث میں جُمَیلہ سے منقول ہیں۔ یعنی اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو ثابتؓ کے منہ پر تھوک دیتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک عورت اور مرد کا مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے عورت کو نصیحت کی اور شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ دیا۔ عورت نے قبول نہ کیا۔ اس پر آپ نے اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا۔ تین دن قید رکھنے کے بعد آپ نے اسے نکالا اور پوچھا تیرا کیا حال رہا؟ اس نے کہا اللہ کی قسم مجھ کو انہی راتوں میں راحت نصیب ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو حکم دیا کہ: «اخلعها وبحك ولو من قُرطها». اس کو خلع دے دے خواہ وہ اس کے کان کی بالیوں کے عوض میں ہو۔ (کشف الغمہ)

(۳) رُبَیِّع بنت معوذ بن عَفراء نے اپنے شوہر سے اپنی تمام اَملاک کے معاوضہ میں خلع حاصل کرنا چاہا۔ شوہر نہ مانا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو حکم دیا کہ اس کی چوٹی کا موباف تک لے لے اور اس کو خُلع دے۔ «فأجازه وأمر بأخذ عقاص رأسها فما دونه». (عبدالرزاق بحوالہ فتح الباری)

احکام خلع: ان روایات سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱- ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾ کی تفسیر وہ شکایات ہیں جو ثابت بن قیس کی بیویوں سے منقول ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کی اس شکایت کو خلع کیلئے کافی سمجھا۔ کہ ان کا شوہر بدصورت ہے اور وہ ان کو پسند نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوبصورتی کے فلسفے پر کوئی لیکچر نہیں دیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر، شریعت کے مقاصد پر تھی۔ جب یہ امر متحقق ہو گیا کہ ان عورتوں کے دل میں شوہر کی طرف سے نفرت،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کراہت بہت بیٹھ چکی ہے۔ تو آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ کیونکہ نفرت و کراہت کے ساتھ ایک عورت اور مرد کو جبراً ایک دوسرے سے باندھ رکھنے کے نتائج دین، اخلاق اور تمدن کیلئے طلاق وخلع سے زیادہ خراب ہیں۔ ان سے مقاصدِ شریعت ہی کے فوت ہو جانے کا خوف ہے۔ پس نبی ﷺ کے عمل سے یہ قاعدہ نکلتا ہے کہ خلع کا حکم نافذ کرنے کیلئے محض اس بات کا تحقیق ہو جانا کافی ہے کہ عورت اپنے شوہر کو قطعی ناپسند کرتی ہے۔ اور اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ نفرت و کراہت کی تحقیق کیلئے قاضی شرع کوئی مناسب تدبیر اختیار کر سکتا ہے تا کہ کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اور بالیقین معلوم ہو جائے کہ اس جوڑے میں اب نباہ ہونا متوقع نہیں ہے۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفرت و کراہت کے اسباب کا کھوج لگانا ضروری نہیں ہے اور یہ ایک معقول بات ہے۔ عورت کو اپنے شوہر سے بہت سے ایسے اسباب کی بنا پر نفرت ہو سکتی ہے جن کو کسی کے سامنے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے اسباب بھی نفرت کے ہو سکتے ہیں جن کو اگر بیان کیا جائے تو سننے والا نفرت کیلئے کافی نہ سمجھے گا۔ لیکن جس کو ان اسباب سے رات دن سابقہ پیش آتا ہے اس کے دل میں نفرت پیدا کرنے کیلئے وہ کافی ہوتے ہیں۔ لہٰذا قاضی کا کام صرف اس واقعہ کی تحقیق کرنا ہے کہ عورت کے دل میں شوہر سے نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ یہ فیصلہ کرنا اس کا کام نہیں ہے کہ جو وجوہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت بیان کر رہی ہے وہ نفرت کیلئے کافی ہیں یا نہیں۔

۴۔ قاضی عورت کو وعظ و پند کر کے شوہر کے ساتھ رہنے کیلئے راضی کرنے کی کوشش ضرور کر سکتا ہے مگر اس کی خواہش کے خلاف اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خلع اس کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے اور اگر وہ اس امر کا اندیشہ ظاہر کرتی ہے کہ اپنی شوہر کے ساتھ رہنے میں وہ حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکے گی۔ تو کسی کو اس سے یہ کہنے کا حق نہیں کہ تو چاہے حدود اللہ توڑ دے مگر اس خاص مرد کے ساتھ بہرحال تجھ کو رہنا پڑے گا۔

۵۔ خلع کے مسئلہ میں دراصل یہ سوال قاضی کیلئے تنقیح طلب ہے ہی نہیں کہ عورت آیا جائز ضرورت کی بنا پر طالبِ خلع ہے یا محض نفسانی خواہشات کیلئے علیحدگی چاہتی ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے قاضی ہونے کی حیثیت سے جب مقدماتِ خلع کی سماعت کی تو اس سوال کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ اول تو اس سوال کی کماحقہٗ تحقیق کرنا کسی قاضی کے بس کا کام نہیں۔ دوسرے خلع کا حق عورت کیلئے اس حق کے مقابلہ میں ہے جو مرد کو طلاق کی صورت میں دیا گیا ہے۔ ذوّاقیت کا احتمال دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ مگر مرد کے حقِ طلاق کو قانون میں اس قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے کہ وہ ذوّاقیت کیلئے استعمال نہ کیا جائے۔ پس جہاں تک قانونی حق کا تعلق ہے عورت کے حقِ خلع کو بھی کسی اخلاقی قید سے مقید نہ ہونا چاہیے۔ تیسری بات یہ ہے کہ کوئی طالب خلع عورت دو حال سے خالی نہ ہوگی۔ یا وہ فی الحقیقت خلع کی جائز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت رکھتی ہوگی۔ یا محض ذوّاقہ ہوگی۔ اگر پہلی صورت ہے تو اس کے مطالبہ کو رد کرنا ظلم ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کو خلع نہ دلوانے سے شریعت کے اہم مقاصد فوت ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ جو عورت طبعاً ذَوّاقہ ہوگی وہ اپنے ذوق کی تسکین کیلئے کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے رہے گی۔ اگر آپ اس کو جائز طریقے سے ایسا نہ کرنے دیں گے تو وہ ناجائز طریقوں سے اپنی فطرت کے داعیات کو پورا کرے گی۔ اور یہ زیادہ برا ہوگا۔ ایک عورت کا پچاس شوہروں کو یکے بعد دیگرے بدلنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے نکاح میں رہتے ہوئے ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے۔

۶۔ اگر عورت خلع مانگے اور مرد اس پر راضی نہ ہو تو قاضی اس کو حکم دے گا کہ اسے چھوڑ دے۔ تمام روایات میں یہی آیا ہے کہ رسول ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ایسی صورتوں میں مال قبول کر کے عورت کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور قاضی کا حکم بہرحال یہی معنی رکھتا ہے کہ محکوم علیہ اس کے بجا لانے کا پابند ہے۔ حتی کہ اگر وہ بجا نہ لائے تو قاضی اس کو قید کر سکتا ہے۔ شریعت میں قاضی کی حیثیت صرف ایک مشیر کی نہیں ہے کہ اس کا حکم مشورہ کے درجہ میں ہو۔ اور محکوم علیہ کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار ہو۔ قاضی کی اگر یہ حیثیت ہو تو لوگوں کیلئے اس کی عدالت کا دروازہ کھلا ہونا محض بے معنی ہے۔

۷۔ خلع کا حکم نبی ﷺ کی تصریح کے مطابق ایک طلاق بائن کا ہے یعنی اس کے بعد زمانۂ عدت میں شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ حقِ رجوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقی رہنے سے خلع کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ عورت نے جو مال اس کو دیا ہے وہ عقدِ نکاح سے اپنی رہائی کے مُعاوَضَہ میں دیا ہے۔ اس لئے اگر شوہر معاوضہ لے لے اور اس کو رہائی نہ دے تو یہ فریب اور دغا ہوگا جس کو شریعت جائز نہیں رکھ سکتی۔ ہاں اگر عورت دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ طلاق مغلظ نہیں ہے جس کے بعد دوبارہ نِکاح کرنے کیلئے تحلیل شرط ہو۔

۸- خلع کے مُعاوَضَہ کی تعیین میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں لگائی ہے جیسے مُعاوَضے پر بھی زوجین راضی ہو جائیں اس پر خلع ہو سکتا ہے۔ لیکن نبی ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا کہ شوہر خلع کے مُعاوَضَہ میں اپنے دیئے ہوئے مہر سے زیادہ مال لے۔ آپ ﷺ کا اِرشاد ہے: «لَا يَأْخُذُ الرَّجُلُ مِنَ الْمُخْتَلِعَةِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا»۔ حضرت علی کرم اللہ وَجْہَہٗ نے بھی بالفاظ صریح اس کو مکروہ فرمایا ہے۔ اَئمۂ مجتہدین کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ بلکہ اگر عورت اپنے شوہر کے ظلم کی وجہ سے خلع کا مُطالَبَہ کرے تو شوہر کیلئے سرے سے مال ہی لینا مکروہ ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: «وإن كان النشوز من قِبله يكره له أن يأخذ منها عِوضا»۔ ان تصریحات کو دیکھتے ہوئے اس باب میں اُصُولِ شرع کے تحت یہ ضابِطہ بنایا جا سکتا ہے کہ اگر خلع مانگنے والی عورت اپنے شوہر کا نُشوز ثابت کر دے یا خلع کیلئے ایسے وجوہ ظاہر کرے جو قاضی کے نزدیک معقول ہوں۔ تو اس کو مہر کے ایک قلیل جزیا نصف کی واپسی پر خلع دلایا جائے اور اگر وہ نہ تو شوہر کا نُشوز ثابت کرے، نہ کوئی معقول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ ظاہر کرے تو اس کے لئے پورا مہر یا اس کا ایک بڑا حصہ واپس کرنا ضروری قرار دیا جائے۔ لیکن اگر اس کے رویے میں قاضی کو زواقیت کے آثار نظر آئیں تو قاضی سزا کے طور پر اس کو مہر سے زیادہ دینے پر مجبور کرسکتا ہے۔

مسئلہ میں ایک بنیادی غلطی: خلع کی اس بحث سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قانونِ اسلامی میں عورت اور مرد کے حقوق کے درمیان کس قدر صحیح توازُن قائم کیا گیا تھا۔ اب یہ ہماری اپنی غلطی ہے کہ ہم نے اپنی عورتوں سے خلع کے حق کو عملاً سلب کرلیا۔ اور اصول شرع کے خلاف خلع دینے یا نہ دینے کو بالکل مردوں کی خواہش پر منحصر ٹھہرایا دیا۔ اس سے عورتوں کی جو حق تلفیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان کی ذمہ داری اللہ اور رسول ﷺ کے قانون پر قطعاً نہیں ہے۔ اگر اب بھی عورتوں کے اس حق کا اِستقرار ہو جائے تو وہ بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں جو ہمارے اِزدِواجی معاملات میں پیدا ہو گئی ہیں بلکہ گتھیوں کا پیدا ہونا ہی بند ہو جائے۔

عورت سے خلع کے حق کو جس چیز نے عملاً بالکل سَلب کرلیا ہے وہ یہ غلط خیال ہے کہ شارع علیہ السلام نے خلع کا معاملہ کلیتہً زن و شوہر کے درمیان رکھا ہے۔ اور اس میں مداخلت کرنا قاضی کے حدود واختیار سے باہر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلع دینا، نہ دینا بالکل مرد کی مرضی پر موقوف ہو گیا ہے۔ اگر عورت خلع حاصل کرنا چاہے اور مرد اپنی شرارت یا خودغرضی سے نہ دینا چاہے تو عورت کیلئے کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ لیکن یہ بات شارِع علیہ السلام کے منشأ کے بالکل خِلاف ہے۔ شارع علیہ السلام کا یہ منشأ ہرگز نہ تھا کہ مُعامَلہ نکاح کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک فریق کو بالکل بے بس کر کے دوسرے فریق کے ہاتھ دے دے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بلند اخلاقی وتمدنی مقاصِد فوت ہو جاتے جو اس نے مُناکحت کے ساتھ وابستہ کئے ہیں۔

جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسلامی شریعت میں قانونِ اِزدِواج کی بناء ہی اس اصل پر رکھی گئی ہے کہ عورت اور مرد کا اِزدِواجی تعلق جب تک پاکیزگیٔ اَخلاق اور مَوَدَّت و رحمت کے ساتھ قائم رہ سکتا ہو اس کا استحکام مستحسن اور ضروری ہے اور اس کو توڑنا یا تڑوانے کی کوشش کرنا سخت نامحمود ہے۔ اور جب یہ تعلق دونوں کیلئے یا دونوں میں سے کسی ایک کیلئے اخلاق کی خرابی کا سبب بن جائے یا اس میں مودت و رحمت کی جگہ نفرت و کراہت داخل ہو جائے۔ تو پھر اس کا توڑ دینا ضروری ہے۔ اور اس کا باقی رہنا اَغراضِ شریعت کے خلاف ہے۔ اس اصل کے ماتحت شریعت نے معاملۂ نکاح کے دونوں فریقوں کو ایک ایک قانونی آلہ ایسا دیا ہے جس سے وہ عَقدِ نکاح کے ناقابلِ برداشت ہو جانے کی صورت میں حل وعقد کا کام دے سکتے ہیں۔ مرد کے قانونی آلہ کا نام طلاق ہے، جس کے استعمال میں اسے آزادانہ اختیار دیا گیا ہے۔ اور اس کے بالمقابل عورت کے قانونی آلہ کا نام خُلع ہے۔ جس کے استعمال کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ جب وہ عقدِ نکاح کو توڑنا چاہے تو پہلے مرد سے اس کا مطالبہ کرے اور اگر مرد اس کا مطالبہ پورا کرنے سے انکار کر دے تو پھر قاضی سے مدد لے۔

زوجَین کے حقوق میں توازُن اسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے درحقیقت یہی توازُن قائم کیا تھا۔ مگر قاضی کے اختیار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سماعت کو درمیان سے خارج کر کے یہ توازن بگاڑ دیا گیا۔ کیونکہ اس طرح وہ قانونی آلہ جو عورت کو دیا گیا تھا قطعاً بے کار ہو گیا، اور عملاً قانون کی صورت بگڑ کر یہ ہو گئی کہ اگر مرد کو ازدواجی تعلق میں حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو یا یہ تعلق اس کیلئے ناقابلِ برداشت ہو جائے تو وہ اسے قطع کر سکتا ہے۔ لیکن اگر یہی خوف عورت کو ہو یا ازدواجی تعلق اس کیلئے ناقابلِ برداشت ہو جائے تو اس کے پاس اس تعلق کو قطع کرانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ تاوقتیکہ مرد ہی اس کو آزاد نہ کر دے۔ وہ مجبور ہے کہ بہرحال اس تعلق میں بندھی رہے خواہ حدود اللہ پر قائم رہنا اس کیلئے محال ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اور مناکحت کے شرعی مقاصد بالکل ہی کیوں نہ فوت ہو جائیں۔ کیا کسی میں اتنی جسارت ہے، کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت پر اتنی کھلی ہوئی بے انصافی کا الزام عائد کر سکے؟ یہ جسارت اگر کوئی کرے تو اسے اقوالِ فقہاء سے نہیں، بلکہ کتاب و سنت سے اس کا ثبوت پیش کرنا چاہئے کہ اللہ اور رسول ﷺ نے خلع کے معاملہ میں قاضی کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔

مسئلہ خلع میں قاضی کے اختیارات: قرآنِ مجید کی جس آیت میں خلع کا قانون بیان کیا گیا ہے اس کو پھر پڑھیے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ﴿٢٢٩﴾﴾ (البقرة)

"اگر تم کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ان دونوں (یعنی زوجین) پر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ (یعنی عورت) کچھ فدیہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔"

اس آیت میں خود زوجین کا ذکر تو غائب کے صیغوں میں کیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا لفظ "فان خفتم" (اگر تم کو خوف ہو) کے مخاطب وہ نہیں ہو سکتے۔ اب لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے مخاطب مسلمانوں کے اُولی الامر ہیں۔ اور حکمِ الٰہی کا منشا یہ ہے کہ اگر خلع پر زوجین میں باہمی رضامندی حاصل نہ ہو تو اُولی الامر کی طرف رجوع کیا جائے۔

اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے۔ جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے پاس خلع کے دعوے لے کر عورتوں کا آنا اور آپ ﷺ کا ان کی سماعت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ جب زوجین میں خلع پر راضی نامہ نہ ہو سکے تو عورت کو قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اب اگر فی الواقع قاضی اس معاملہ میں صرف سماعت کا اختیار رکھتا ہو مگر مرد کے راضی نہ ہونے کی صورت میں اس سے اپنا فیصلہ منوانے کا اقتدار نہ رکھتا ہو تو قاضی کو مرجع قرار دینا سرے سے فضول ہی ہوگا کیونکہ اس کے پاس جانے کا نتیجہ بھی وہی ہے جو نہ جانے کا ہے۔ لیکن کیا احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی اس معاملہ میں بے اختیار ہے؟ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے جتنے فیصلے اوپر منقول ہوئے ہیں۔ ان سب میں یا تو صیغۂ امر آیا ہے جیسے طَلِّقْهَا (اسے طلاق دے) فَارِقْهَا (اس سے جدا ہو جا) اور خَلِّ سَبِيلَهَا (اس کو چھوڑ دے) یا یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے مرد کو حکم دیا کہ ایسا کرے۔ اور ابن جریر نے ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: "فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا". پھر آپ ﷺ نے ان کو جدا کر دیا"۔ اور یہی الفاظ اس روایت میں بھی ہیں جو خود جُمیلہ بنت ابی بن سلول سے منقول ہے اس کے بعد یہ شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ قاضی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلع کے معاملہ میں حکم دینے کا مجاز نہیں۔

رہا یہ سوال کہ اگر شوہر اس حکم کو محض مشورہ سمجھ کر ماننے سے انکار کر دے تو کیا قاضی اس سے جبراً اپنا حکم منوا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں تو ایسی مثال ہم کو نہیں ملتی۔ کہ آپ ﷺ نے کوئی فیصلہ صادر کیا ہو اور کسی نے اس سے سرتابی کی جرأت کی ہو۔ لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر ہم قیاس کر سکتے ہیں۔ جس میں آپ نے ایک ہیکڑ شوہر سے فرمایا تھا: «لست ببارح حتی ترضَیٰ بمثل ما رضیت به». یعنی تجھے نہ چھوڑا جائے گا جب تک کہ تو بھی اسی طرح حَکَمین کا فیصلہ قبول کرنے پر راضی نہ ہو جس طرح عورت راضی ہوئی ہے۔ اگر قاضی ایک شوہر کو حَکَمین کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار پر حراست میں رکھ سکتا ہے تو وہ خود اپنا فیصلہ منوانے کیلئے تو بدرجہ اَولیٰ قوت استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ دُنیا کے تمام معاملات میں سے صرف ایک خلع ہی کا مسئلہ ایسا ہو جسے قاضی کے اس حق سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ فقہ کی کتابوں میں متعدد جزئیات ایسے ملتے ہیں جن میں قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر شوہر اس کے حکم سے طلاق نہ دے تو قاضی خود تفریق کرا دے پھر کیوں نہ خلع کے مسئلہ میں بھی قاضی کو یہ اختیار حاصل ہو؟

آگے چل کر جو مباحث بیان ہوں گے ان سے یہ حقیقت اور بھی زیادہ واضح ہو جائے گی کہ عِنِّین ❶ اور مَجبوب ❷ اور خصی اور مُجذَامی ❸ اور مبرُوص ❹ اور مجنون

---

① نامرد ② مقطوع الذکر
③ کوہڑی ④ برص والا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوہروں کے مسئلہ میں فقہائے کرام نے جو ضوابط بیان کئے ہیں اور اسی طرح خیارِ بلوغ اور بعض دوسرے مسائل میں جو اجتہادی قوانین مقرر کئے گئے ہیں۔ ان کی موجودگی میں تو نہایت ضروری ہو گیا ہے کہ عورتوں کو خلع دلانے کے پورے اختیارات قاضی کو حاصل ہوں۔ ورنہ جو عورتیں ایسے حالات میں گرفتار ہو جائیں ان کیلئے بجز اس کے اور کوئی صورت ہی نہیں رہتی۔ کہ یا تو وہ تمام عمر مصیبت کی زندگی بسر کریں یا خودکشی کر لیں یا اپنے داعیاتِ نفس سے مجبور ہو کر فواحش میں مبتلا ہو جائیں یا مجبوراً مرتد ہو کر قیدِ نکاح سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ توضیحِ مدعا کیلئے ہم یہاں ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

عنین کے معاملہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اس کو ایک سال تک علاج کی مہلت دی جائے گی۔ اگر علاج کے بعد وہ ایک مرتبہ بھی ہم بستری پر قادر ہو گیا حتی کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ادھوری مباشرت بھی کر لی تو عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے بلکہ یہ حق ہمیشہ کیلئے باطل ہو گیا۔ اگر عورت کو نکاح کے وقت معلوم تھا کہ وہ نامرد ہے اور پھر وہ نکاح پر راضی ہوئی تو اس کو سرے سے قاضی کے پاس دعویٰ ہی لے جانے کا حق نہیں۔ اگر اس نے نکاح کے بعد ایک مرتبہ مباشرت کی اور پھر نامرد ہو گیا تب بھی عورت کو دعوے کا حق نہیں۔ اگر عورت کو نکاح کے بعد شوہر کے نامرد ہونے کا علم حاصل ہوا اور وہ اس کے ساتھ رہنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دے تب بھی وہ ہمیشہ کیلئے خیارِ فسخ سے محروم ہوئی۔ ان صورتوں میں عورت کا خیارِ فسخ تو یوں باطل ہو گیا۔ اس کے بعد ایسے ناکارہ شوہر سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی دوسری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ وہ خلع کر لے۔ مگر وہ اس کو مل نہیں سکتا۔ کیونکہ شوہر سے مطالبہ کرتی ہے تو وہ اس کا پورا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہر بلکہ مہر سے کچھ زائد لے کر بھی چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ اور عدالت سے رجوع کرتی ہے تو وہ اس کو مجبور کر کے طلاق دلوانے یا تفریق کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اب غور کیجئے کہ اس غریب عورت کا حشر کیا ہوگا؟ بس یہی نا کہ یا تو وہ خودکشی کر لے، یا عیسائی راہبات کی طرح نفس کشی کی زندگی بسر کرے اور اپنے نفس پر روح فرسا تکلیفیں برداشت کرے، یا قیدِ نکاح میں رہ کر اَخلاقی فواحش میں مبتلا ہو، یا پھر سرے سے دینِ اسلام ہی کو خیر باد کہہ دے۔ مگر کیا اسلامی قانون کا منشاً بھی یہی ہے کہ عورت ان حالات میں سے کسی حالت میں مبتلا ہو؟ کیا ایسے ازدواجی تعلق سے شریعت کے وہ مقاصد پورے ہو سکتے ہیں جن کے لئے قانونِ اَزواج بنایا گیا تھا؟ کیا ایسے زوجین میں مودت و رحمت ہوگی؟ کیا وہ باہم مل کر تمدن کی کوئی مفید خدمت کر سکیں گے؟ کیا ان کے گھر میں خوشی اور راحت کے رشتے داخل ہو سکیں گے؟ کیا یہ قیدِ نکاح کسی حیثیت سے بھی احصان کی تعریف میں آ سکے گی؟ اور اس سے دین اور اخلاق اور عفت کا تحفظ ہوگا؟ اگر نہیں تو بتایا جائے کہ ایک بے گناہ عورت کی زندگی برباد ہونے یا مجبوراً اس کے فواحش میں مبتلا ہو جانے یا دائرۂ دین سے نکل جانے کا وبال کس کے سر ہوگا۔ اللہ اور رسول ﷺ تو یقیناً بری الذمہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے قانون میں ایسا کوئی نقص نہیں چھوڑا ہے۔

قضائے شرعی: طلاق اور خلع کی بحث میں قانونِ اسلامی کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ قانون اس قاعدہ کلیہ پر وضع کیا گیا ہے کہ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق اگر قائم رہے تو حدود اللہ کی حفاظت اور مودت و رحمت کے ساتھ قائم رہے۔ جس کو قرآن میں امساك

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالمعروف کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگر اس طرح ان کا باہم مل کر رہنا ممکن نہ ہو تو تسریح باحسان ہونا چاہیے۔ یعنی جو میاں، بیوی سیدھی طرح مل کر نہ رہ سکتے ہوں وہ سیدھی طرح الگ ہو جائیں۔ اور ایسی صورتیں پیدا نہ ہونے پائیں کہ ان کے اختلاف سے نہ صرف ان کی اپنی زندگی تلخ ہو بلکہ خاندانوں میں فتنے برپا ہوں، سوسائٹی میں گندگی پھیلے، اخلاقی مَفاسِد کی اشاعت ہو اور آئندہ نسلوں تک ان کے برے اثرات متعدی ہو جائیں۔ انہی خرابیوں کا سدِّ باب کرنے کیلئے شریعت نے مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ تاکہ اگر وہ چاہیں تو خود تسریح باحسان کے اصول پر عمل کر سکیں[1]۔

لیکن بہت سی ایسی جھگڑا لو طبیعتیں بھی ہوتی ہیں جو نہ امساك بالمعروف پر عمل کر سکتی ہیں اور نہ تسریح باحسان پر آمادہ ہوتی ہیں۔ نیز ازدواجی معاشرت میں ایسی صورتیں بھی پیش آ جاتی ہیں جن میں زوجین کے درمیان یا تو حقوق کے باب میں اختلاف واقع ہوتا ہے، یا امساك بالمعروف اور تسریح باحسان دونوں پر عمل کرنا ان کیلئے ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے شریعت نے طلاق اور خلع کے علاوہ ایک تیسرا طریقہ بھی حقوق کے تصفیے اور حقوق اللہ کی حفاظت کیلئے مقرر کر دیا ہے جس کا نام قضاءِ شرعی ہے۔ (حق الزوجین از سید ابوالاعلیٰ مودودی)

---

[1] یہاں اس بات کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اسلامی شریعت، میاں، بیوی کے باہمی جھگڑوں کا پبلک میں علانیہ برسر عدالت میں آنا پسند نہیں کرتی۔ اس لیے اس نے عورت اور مرد دونوں کے لیے ایسے قانونی چارۂ کار رکھ دیے ہیں کہ حتی الامکان گھر ہی میں وہ اپنے جھگڑے نمٹالیں۔ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا بالکل آخری تدبیر ہے۔ جبکہ گھر میں فیصلہ کر لینے کا کوئی امکان نہ ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِیلاء اور اس کا حکم

عَرَب میں دُستور تھا کہ جب بیوی سے ناراض ہوتے یہ قسم کھا لیتے کہ اب میں تیرے پاس نہ آؤں گا زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو ستانے کا یہ ایک طریقہ تھا۔ اس سے نہ عورت بیوہ ہوتی اور نہ خاوند والی۔ عربی میں اس طرح کی قسم کیلئے لفظ اِیلاء آیا ہے۔ یہ اَلْو سے اِفعال کے وزن پر مصدر ہے۔ اَلْو کے لُغوی معنی کسی کام میں کوتاہی اور کمی کرنے کے ہیں۔ یہ عرب میں زمانۂ جاہلیت کی اِصطِلاح ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے جنسی تَعلُّقات نہ رکھنے کی قسم کھالیتا ہے۔ چونکہ اس کے مفہوم میں چھوڑ دینا موجود ہے۔ اس لئے قطع تعلق کیلئے یہ لفظ اِستعمال ہوتا ہے۔ اِسلام نے بھی اسے چند اصلاحات کے ساتھ باقی رکھا ہے۔

میاں اور بیوی کے درمیان تَعلُّقات ہمیشہ خوش گوار تو نہیں رہ سکتے، بگاڑ کے اسباب پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن ایسے بگاڑ کو اللہ کی شریعت پسند نہیں کرتی کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ قانونی طور پر رشتۂ اِزدِواج میں تو بندھے رہیں مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں اور بیوی نہیں ہیں۔ ایسے بگاڑ کیلئے اللہ تعالیٰ نے چار مہینے کی مدت مقرر کردی کہ یا تو اس دوران میں اپنے تعلقات درست کرلو ورنہ اِزدِواج کا رشتہ منقطع کردو تاکہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو کر جس سے نباہ کر سکیں اس کے ساتھ نکاح کرلیں۔ قرآنِ پاک کی آیت میں چونکہ ''قسم کھا لینے'' کے الفاظ استعمال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے ہیں۔ اس لیے فقہائے حنفیہ اور شافعیہ نے اس آیت کا منشأ یہ سمجھا ہے کہ جہاں شوہر نے بیوی سے تعلق زن وشوہر نہ رکھنے کی قسم کھائی ہو صرف وہیں اس حکم کا اطلاق ہوگا۔ باقی رہا قسم کھائے بغیر تعلق منقطع کر لینا۔ تو یہ خواہ کتنی ہی طویل مدت کیلئے ہوا، اس آیت کا حکم اس صورت پر چسپاں نہ ہوگا مگر فقہائے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ خواہ قسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئی ہو، دونوں صورتوں میں ترکِ تعلق کیلئے یہی چار مہینے کی مدت ہے۔ ایک قول امام احمدؒ کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ (بدایۃ المجتہد ۲/ ۸۸، طبع مصر ۱۳۳۹ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے رائے میں یہ حکم صرف اس ترک تعلق کیلئے ہے جو بگاڑ کی وجہ سے ہو۔ رہا کسی کی مصلحت سے شوہر کا بیوی کے ساتھ جسمانی رابطہ منقطع کر دینا جبکہ تعلقات خوشگوار ہوں تو اس پر یہ حکم منطبق نہیں ہوتا۔ لیکن دوسرے فقہاء کی رائے میں ہر وہ حلف جو شوہر اور بیوی کے درمیان رابطۂ جسمانی کو منقطع کر دے اِیلاء ہے اور اسے چار مہینے سے زیادہ قائم نہ رہنا چاہیے خواہ ناراضی سے ہو یا رضا مندی سے۔

حضرت عثمان، ابن مسعود، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہم کے نزدیک رجوع کا موقع چار مہینے کے اندر ہی ہے۔ اس مدت کا گزر جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کر لیا ہے۔ اس لیے مدت گزرتے ہی طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی۔ اور وہ ایک طلاق بائن ہو گی۔ یعنی دورانِ عدت میں شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ البتہ اگر وہ دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ حضرت عمر، ابنِ عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہم سے بھی ایک قول اسی معنی میں منقول ہے۔ اور فقہائے حنفیہ نے اسی رائے کو قبول کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعید بن مسیّب، مکحول، زُہری وغیرہ حضرات اس رائے سے یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی۔ مگر ان کے نزدیک وہ ایک طلاقِ رجعی ہوگی۔ یعنی دورانِ عدت میں شوہر کو رجوع کر لینے کا حق ہوگا۔ اور رجوع نہ کرے تو عدت گزر جانے کے بعد دونوں اگر چاہیں تو نکاح کر سکیں گے۔

بخلاف اس کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور اکثر فقہائے مدینہ کی رائے یہ ہے کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد معاملہ عدالت میں پیش ہوگا۔ اور حاکمِ عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عورت سے رجوع کرے یا اسے طلاق دے۔ حضرت عمر، حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے۔ اور امام مالکؒ، شافعیؒ نے اسی کو قبول کیا ہے۔

لِعان اور اس کا حکم

لِعان اور مُلاعَنَت کے معنے ایک دوسرے پر لعنت اور غَضَبِ الٰہی کی بد دعا کرنے کے ہیں۔ اصطلاحِ شرع میں: میاں اور بیوی دونوں کو چار خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو زنا کا الزام لگا دے، یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ میرے نُطفہ سے نہیں ہے۔ اور یہ عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے اس کو جھوٹا بتلا دے۔ اور اس کا مُطالَبَہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے۔ اس لئے شوہر پر تہمتِ زنا کی سزا اسی کوڑے جاری کی جائے تو اسوقت شوہر سے مُطالَبَہ کیا جائیگا کہ الزامِ زنا پر چار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو عورت پر حدِ زنا لگائی جائے گی۔ اگر وہ چار گواہ نہ لا سکا تو ان دونوں میں لِعان کر دیا جائیگا۔ یعنی اول مرد سے کہا جائیگا کہ وہ چار مرتبہ اُن الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ یہ شہادت دے کہ میں اس اِلزام میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رکے تو اس کو اس بات میں قید کر دیا جائے گا کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر دیا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسمیں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے تو اس کو قید رکھا جائے گا۔ اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونیکا اقرار کر لیا تو اس پر حدِ قذف یعنی تہمتِ زنا کی شرعی سزا جاری ہوگی۔ اور اگر الفاظ مذکورہ کیساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو پھر اسکے بعد عورت سے اُن الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی جو قرآن میں عورت کیلئے مذکور ہیں۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو اسوقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرے اور اپنے جرمِ زنا کا اقرار کرے۔ تو اس پر حدِ زنا جاری کر دی جائے اور یا پھر الفاظِ مذکورہ کیساتھ پانچ قسمیں کھائے۔ اگر وہ الفاظِ مذکورہ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جائے اور قسمیں کھالے تو اب لِعان پورا ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں دنیا کی سزا سے دونوں بچ گئے آخرت کا معاملہ اللہ تعالی کو معلوم ہی ہے کہ ان میں سے کون جھوٹا ہے، جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی۔ لیکن دنیا میں بھی جب دو میاں، بیوی میں لِعان کا معاملہ ہو گیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتے ہیں۔ خاوند کو اب طلاق دینے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ لعان خود طلاق کے حکم میں ہے۔ جن احادیث میں لعان کے بعد طلاق دینے کا ذکر ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر نہیں ہے۔ بلکہ مرد نے اپنے طور پر ایسا کیا ہے جس کی ضرورت نہیں تھی۔

لِعان کا قانون، شریعتِ اسلام میں شوہر کے جذبات و نفسیات کی رعایت کی بنا پر نافذ ہوا ہے۔ کیونکہ کسی شخص پر الزامِ زنا لگانے کا قانون جو قرآن پاک کی آیات میں آیا ہے اس کی رو سے یہ ضروری ہے کہ الزامِ زنا لگانے والا چار گواہ عینی پیش کرے۔ اور جو یہ نہ کر سکے تو الٹی اسی پر تہمتِ زنا کی حد جاری کی جائے گی۔ عام آدمی کیلئے یہ تو ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزامِ زنا لگانے سے خاموش رہے تاکہ تہمتِ زنا کی سزا سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن شوہر کیلئے یہ معاملہ بہت سنگین ہے، جب اس نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں، اگر وہ بولے تو تہمتِ زنا کی سزا پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے۔ اور اس کی زندگی وبال ہو جائے۔ اس لئے شوہر کے معاملہ کو عام قانون سے الگ کر کے اسکا مستقل قانون بنا دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا، کہ لعان صرف میاں، بیوی کے معاملہ میں ہی ہو سکتا ہے۔ دُوسروں میں نہیں۔

لعان کا پہلا واقعہ: کتبِ احادیث میں لِعان کے سلسلہ میں دو واقعے ذکر کیئے گئے ہیں۔ ان میں سے آیاتِ لعان کا شانِ نزول کونسا واقعہ ہے؟ اس میں أئمہ تفسیر کے اقوال مختلف ہیں۔ قُرطبی نے آیات کا نزُول مکرر مان کر دونوں کو شانِ نزُول قرار دیا ہے۔ حافظ ابنِ حجَر شارِح بخاری اور نوَوِی شارِح مُسلِم نے دونوں میں تطبیق دے کر ایک ہی نزُول میں دونوں کو شانِ نزُول آیاتِ لعان کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا ہے۔ ان کی توجیہ زیادہ صاف ہے۔ جو آگے آ جائے گی۔ ایک واقعہ ہلال بن اُمیہ اور ان کی بیوی کا ہے، جو صحیح بخاری میں بروایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ مذکور ہے۔ اور اس واقعہ کا ابتدائی حصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے مسند احمد میں اسطرح آیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں حدِ قذف کے احکام کی آیات نازل ہوئیں:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَٰنِينَ جَلْدَةً﴾ (النور)	''جس میں کسی عورت پر زنا کا الزام لگانیوالے مرد پر لازم کیا گیا ہے کہ یا تو اس الزام پر چار گواہ پیش کرے۔''

جن میں ایک یہ خود ہوگا اور جو ایسا نہ کر سکے تو اسکو جھوٹا قرار دے کر اس پر اسّی کوڑوں کی حد اور ہمیشہ کیلئے مردود الشہادت ہونے کی سزا جاری کی جائے گی۔ یہ آیات سُن کر انصارِ مدینہ کے سردار حضرت سعد بن عُبادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ آیات اسی طرح نازل ہوئی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ (کو سعد بن عُبادہؓ کی زبان سے ایسی بات سن کر بڑا تعجب ہوا) آپؐ نے حضرات انصار کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سن رہے ہیں کہ آپ کے سردار کیا بات کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! آپ ان کو ملامت نہ فرمائیں۔ ان کے اس کلام کی وجہ ان کی شدتِ غیرت ہے۔ پھر سعد بن عُبادہؓ نے خود عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میں پوری طرح مانتا ہوں کہ یہ آیات حق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ لیکن مجھے اس بات کا تعجّب ہے کہ اگر میں بے حیا بیوی کو اس حال میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھوں کہ غیر مرد اس پر چڑھا ہوا ہے تو کیا میرے لیئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ میں اسکو وہاں ڈانٹوں اور وہاں سے ہٹا دوں۔ بلکہ میرے لئے یہ ضروری ہوگا کہ میں چار آدمیوں کو لا کر یہ حالت دکھلاؤں اور اس پر گواہ بناؤں؟ اور جب تک میں گواہوں کو جمع کروں وہ اپنا کام کر کے بھاگ جائے۔ (حضرت سعدؓ کے الفاظ اس جگہ مختلف منقول ہیں خلاصہ سب کا ایک ہی ہے۔قُرطبی)

آیاتِ حدِ قَذف نازِل ہونے اور سَعد بن عُبادہؓ کے اس کلام پر تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ہِلال بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے واپس ہوئے تو اپنی بیوی کےساتھ ایک مرد کو بچشم خود دیکھا اور انکی باتیں اپنے کانوں سے سنیں۔مگر کوئی اِقدام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ سن کر دل برا ہوا اور بڑا بھاری محسوس کیا۔ادھر حضرات انصار جمع ہو گئے اور آپس میں تذکرہ کرنے لگے کہ جو بات ہمارے سردار سعدؓ بن عبادہ نے کہی تھی۔ ہم اسی میں مبتلا ہو گئے۔اب قانون شرعی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہِلال بن اُمیہ کو اسّی کوڑے حدِ قَذف کے لگائیں گے اور لوگوں میں انکو ہمیشہ کیلئے مَردُودُ الشہادت قرار دیں گے مگر ہِلال بن اُمیَّہ نے کہا کہ اللہ کی قسم مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے نکالیں گے۔ اور صحیح بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال کا مُعامَلَہ سن کر قرآنی حکم کے مطابق ہلالؓ سے فرما بھی دیا کہ یا تو اپنے اس دعوے پر بَیِّنَہ (چار گواہ) لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حدِ قذف جاری ہوگی۔ہِلال بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے عرض کیا کہ: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کیساتھ بھیجا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ میں اپنے کلام میں سچا ہوں۔ اور ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازِل فرمائیں گے جو میری پیٹھ کو حدِّ قذف کی سزا سے بری کردے گا''۔ یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ جبرائیل امین یہ آیات جن میں لعان کا قانون ہے لے کر نازل ہوئے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ﴾ الآیۃ.

ابو یَعلی نے یہی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب آیاتِ لعان نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن اُمَیہ رضی اللہ عنہ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مُشکِل کا حل نازل فرما دیا۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اسی کی اُمید لگائے ہوئے تھا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہِلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بھی بلوا یا۔ اور جب دونوں میاں، بیوی جمع ہو گئے تو بیوی سے معاملہ کے متعلق پوچھا گیا، اس نے کہا میرے شوہر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جو (اللہ کے عذاب سے ڈر کر) توبہ کرے اور سچی بات ظاہر کر دے؟ اس پر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ میں نے بالکل سچ بات کہی ہے۔ اور جو کچھ کہا ہے حق کہا ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نازِل شدہ آیاتِ قرآن کے مطابق دونوں میاں، بیوی سے لعان کرایا جائے۔ پہلے حضرت ہلال رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم چار مرتبہ اُن الفاظ سے شہادت دو جو قرآن میں مذکور ہیں۔ یعنی میں اللہ کو حاضر، ناظر سمجھ کر کہتا ہوں میں اپنے الزام میں سچا ہوں۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق چار مرتبہ اسکی شہادت دی۔ جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا جس کے الفاظ قرآنی یہ ہیں کہ: ''اگر میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔'' اس وقت آنحضرت ﷺ نے تاکید کے طور پر ہلال بن امیہؓ سے فرمایا کہ دیکھو ہلال! اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے۔ اور اللہ کا عذاب لوگوں کی دی ہوئی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ اور یہ پانچویں شہادت آخری شہادت ہے۔ اسی پر فیصلہ ہونا ہے۔ مگر ہلال بن امیہؓ نے عرض کیا میں بقسم کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس شہادت پر آخرت کا عذاب نہیں دیں گے۔ (کیونکہ بالکل سچی شہادت ہے۔) جیسا کہ اللہ کے رسولؐ مجھے دنیا میں حدِ قذف کی سزا نہیں دیں گے۔ اور پھر یہ پانچویں شہادت کے الفاظ ادا کر دیے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہلالؓ کی بیوی سے اسی طرح کی چار شہادات یا چار قسمیں لیں۔ اس نے بھی ہر دفعہ میں قرآنی الفاظ کے مطابق یہ شہادت دی کہ: ''میرا شوہر جھوٹا ہے۔'' جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو۔ پھر اس عورت سے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ یہ پانچویں شہادت آخری بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب لوگوں کے عذاب یعنی زنا کی حدِ شرعی سے کہیں زیادہ سخت ہے۔'' یہ سن کر وہ قسم کھانے سے جھجکنے لگی۔ کچھ دیر اسی کیفیت میں رہی مگر پھر آخر میں کہا: ''واللہ میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی۔'' اور پانچویں شہادت بھی ان لفظوں کیساتھ ادا کر دی کہ: ''اگر میرا شوہر سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔'' یہ لعان کی کاروائی مکمل ہو گئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میاں بیوی میں تفریق کر دی۔ یعنی ان کا نکاح توڑ دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس عورت کا بچہ کہلائے گا۔ باپ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ مگر بچے کو مطعون بھی نہ کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری بحوالہ مسند احمد عن ابن عباسؓ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لعان کا دوسرا واقعہ: دوسرا واقعہ بھی صحیحین: بخاری و مسلم میں مذکورہ ہے اور واقعہ کی تفصیل امام بغوی نے بروایت ابن عباسؓ اس طرح نقل فرمائی ہے کہ زنا کی تہمت لگانے والے پر حدِ قذف جاری کرنے کے احکام جن آیات میں نازل ہوئے یعنی ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ الایۃ، تو رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہوکر یہ آیات لوگوں کو سنائیں۔ مجمع میں عاصم بن عدی انصاریؓ بھی موجود تھے۔ یہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ میری جان آپ پر قربان ہو: اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی عورت کو کسی مرد کے ساتھ مبتلا دیکھے تو اگر وہ اپنے دیکھے ہوئے واقعہ کو بیان کرے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ہمیشہ کیلئے مردود الشہادت کر دیا جائیگا اور مسلمان اسکو فاسق کہا کریں گے۔ ایسی حالت میں ہم گواہ کہاں سے لائیں گے اور اگر گواہوں کی تلاش میں نکلیں گے تو گواہ آنے تک وہ اپنا کام کر کے بھاگ چکا ہوگا۔'' یہ وہی سوال تھا جو پہلے واقعہ میں حضرت سعد بن عبادہؓ نے کیا تھا۔ اس دوسرے واقعہ میں عاصم بن عدیؓ نے کیا ہے۔

یہ سوال ایک جمعہ کے دن کیا گیا تھا اسکے بعد یہ قصہ پیش آیا کہ عاصم بن عدیؓ کا ایک چچا زاد بھائی عُوَیمر تھا۔ جسکا نکاح بھی عاصم بن عدیؓ کی چچا زاد بہن خَولہؓ سے ہوا تھا۔ عُوَیمرؓ نے ایک روز دیکھا کہ ان کی بیوی خولہ، شریک بن سحماء کیساتھ مبتلا ہے۔ اور یہ شریک بن سحماء بھی عاصم کا چچا زاد بھائی تھا۔ عویمرؓ نے یہ واقعہ آ کر عاصم بن عدیؓ سے بیان کیا۔ عاصم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اگلے روز جمعہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ پچھلے جمعہ میں میں نے آپ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو سوال کیا تھا، افسوس ہے کہ میں خود اس میں مبتلا ہو گیا۔ کیونکہ میرے ہی اہل بیت میں ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا ہے“۔

بَغوی نے ان دونوں کو حاضر کرنے اور پھر آپس میں لعان کرانے کا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور صحیحَین میں اس کا خلاصہ حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کی روایت سے یہ مذکور ہے کہ عُوَیمر عَجلانی نے، رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: یا رسولؐ اللہ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے جس کے نتیجہ میں لوگ اس کو قتل کریں گے یا پھر وہ کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملے میں حکم نازل فرما دیا ہے۔ جاؤ بیوی کو لیکر آ ؤ۔ حضرت سہل بن سعد راویٔ حدیث فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو بلا کر، رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے اندر لعان کرایا (جس کی صورت واقعہ سابقہ میں بیان ہو چکی ہے) جب دونوں طرف سے پانچوں شہادات پوری ہو کر لعان ختم ہوا تو عُوَیمر عُجلانی نے کہا یا رسول اللہ، اگر میں اب اس کو بیوی بنا کر رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ اس لیے میں اسے تین طلاق دیتا ہوں۔“ (مظہری بحوالہ صحیحین)

ان دونوں واقعہ میں سے ہر ایک میں یہ مذکور ہے کہ آیات لعان اس کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اور شیخ الاسلام نوویؒ نے دونوں میں تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا واقعہ ہلال بن امیہ کا تھا اور آیاتِ لعان کا نزول اسی واقعہ کے بارے میں ہوا۔ اس کے بعد عویمر کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آ گیا۔ اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا ان کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہلال بن امیہ کا معاملہ سابقہ معلوم نہ ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتلایا کہ تمہارے معاملہ کا فیصلہ یہ ہے۔ اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ ہلال بن امیہ کے واقعہ میں تو الفاظ حدیث کے یہ ہیں "فنزل جبریل"، اور عویمرؓ کے واقعہ میں الفاظ یہ ہیں: "قد انزل الله فیك"، جس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واقعہ جیسے ایک واقعہ میں اس کا حکم نازل فرما دیا ہے، واللہ اعلم۔ (مظہری)

ان دو مقدموں کے علاوہ متعدد روایات ہم کو کتب احادیث میں ایسی بھی ملتی ہیں۔ جن میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ کن اشخاص کے مقدموں کی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض انہی دونوں مقدموں سے تعلق رکھتی ہوں، مگر بعض میں کچھ دوسرے مقدمات کا بھی ذکر ہے۔ اور ان سے قانونِ لعان کے بعض اہم نکات پر روشنی پڑتی ہے۔

ابن عمرؓ ایک مقدمے کی روداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زوجین جب لعان کر چکے تو نبی ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ (بخاری، مسلم، نَسائی، احمد، ابن جریر) ابن عمرؓ کی ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا گیا۔ پھر اس مرد نے حمل سے انکار کیا۔ نبی ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ اور فیصلہ فرمایا کہ بچہ صرف ماں کا ہو گا۔ (صحاح ستہ اور احمد) ابن عمرؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ مُلاعَنَت کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: "تمہارا حساب اب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں سے ایک بہرحال جھوٹا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے مرد سے فرمایا: «لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا». یعنی "اب یہ تیری نہیں رہی، نہ تو اس پر کوئی حق جتا سکتا ہے، نہ کسی قسم کی دست درازی یا دوسری منتقمانہ حرکت اس کے خلاف کرنے کا مجاز ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرد نے کہا یا رسولؐ اللہ! اور میرا مال؟ یعنی وہ مہر تو مجھے دلوایئے جو میں نے اسے دیا تھا۔ فرمایا: «لَا مَالَ لَكَ، اِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَاِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذٰلِكَ اَبْعَدُ وَاَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا» یعنی مال واپس لینے کا تجھے کوئی حق نہیں ہے، اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو وہ مال اس لذت کا بدل ہے جو تو نے حلال کر کے اس سے اٹھائی، اور اگر تو نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو مال تجھ سے اور بھی زیادہ دور چلا گیا، وہ اس کی بہ نسبت تجھ سے زیادہ دور ہے۔ (بخاری، مسلم، ابوداود)

دارقطنی نے علیؓ بن ابی طالب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے: ''سنت یہ مقرر ہو چکی ہے کہ لعان کرنے والے زوجین پھر کبھی باہم جمع نہیں ہو سکتے''۔ یعنی ان کا دوبارہ نکاح پھر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور دارقطنی ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ یہ دونوں پھر کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

قبیصہ بن ذُوَیب کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کے حمل کو ناجائز قرار دیا، پھر اعتراف کر لیا کہ یہ حمل اس کا اپنا ہے، پھر وضع حمل کے بعد کہنے لگا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر حدِ قذف جاری کی اور فیصلہ کیا کہ بچہ اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ (دارقطنی، بیہقی)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ:

ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: ''میری ایک بیوی ہے جو مجھے بہت محبوب ہے۔ مگر اس کا حال یہ ہے کہ کسی ہاتھ لگانے والے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ نہیں جھٹکتی۔'' (واضح رہے کہ یہ کنایہ تھا جس کے معنی زنا کے بھی ہو سکتے ہیں اور زنا سے کم تر درجے کی اَخلاقی کمزوری کے بھی)۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''طلاق دیدے۔'' اس نے کہا: ''مگر میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔'' فرمایا: ''تو اسے رکھے رہ۔'' یعنی آپ ﷺ نے اس سے اس کنایے کی تشریح نہیں کرائی اور اس کے قول کو الزامِ زنا پر محمول کر کے لعان کا حکم نہیں دیا۔ (نَسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایک اَعرابی نے حاضر ہو کر عرض کیا: ''میری بیوی نے کالا لڑکا جنا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ میرا ہے۔'' یعنی محض لڑکے کے رنگ نے اسے شبہ میں ڈالا تھا ورنہ بیوی پر زنا کا الزام لگانے کے لیے اس کے پاس کوئی اور وجہ نہ تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا تیرے پاس کچھ اونٹ تو ہوں گے؟ اس نے عرض کیا: ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ کہنے لگا: سرخ۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ان میں کوئی خاکستری بھی ہے؟ کہنے لگا: جی ہاں، بعض ایسے بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ رنگ کہاں سے آیا؟ کہنے لگا: شاید کوئی رگ کھینچ لے گئی۔ (یعنی ان کے باپ، دادا میں سے کوئی اس رنگ کا ہوگا اور اسی کا اثر اِن میں آ گیا۔) فرمایا: ''شاید اس بچے کو بھی کوئی رگ کھینچ لے گئی''۔ اور آپ ﷺ نے اسے نفیِ ولد (بچے کے نسب سے اِنکار) کی اجازت نہ دی۔ (بخاری، مسلم، احمد، ابوداود)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لعان پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

جو عورت کسی خاندان میں ایسا بچہ گھسا لائے جو اس خاندان کا نہیں ہے۔ (یعنی حرام کا پیٹ رکھوا کر شوہر کے سر منڈھ دے) اس کا اللہ سے کچھ واسطہ نہیں، اللہ اس کو جنت میں ہرگز داخل نہ کرے گا۔ اور جو مرد اپنے بچے کے نسب سے انکار کرے، حالانکہ بچہ اس کو دیکھ رہا ہو، اللہ قیامت کے روز اس سے پردہ کرے گا اور اسے تمام اگلی پچھلی خلق کے سامنے رسوا کر دے گا۔

(ابوداود، نسائی، دارمی)

ضابطۂ لعان کی اہم دفعات: آیتِ لعان اور یہ روایات ونظائر اور شریعت کے اصول عامہ، اسلام میں قانونِ لعان کے وہ مآخذ ہیں جن کی روشنی میں فقہاء نے لعان کا مفصل ضابطہ بنایا ہے۔ اس ضابطے کی اہم دفعات یہ ہیں:

۱۔ جو شخص بیوی کی بدکاری دیکھے اور لعان کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے قتل کا مرتکب ہو جائے، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ اس کو بطور خود حد جاری کرنے کا حق نہ تھا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے فعل پر کوئی مؤاخذہ ہوگا بشرطیکہ اس کی صداقت ثابت ہو جائے۔ (یعنی یہ کہ فی الواقع اس نے زنا ہی کے ارتکاب پر یہ فعل کیا) امام احمد اور اسحاق بن راہوَیہ کہتے ہیں کہ اسے اس امر کے دو گواہ لانے ہوں گے کہ قتل کا سبب یہی تھا۔ مالکیہ میں سے ابن القاسم اور ابن حبیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر مزید شرط یہ لگاتے ہیں کہ زانی جسے قتل کیا گیا وہ شادی شدہ ہو، ورنہ کنوارے زانی کو قتل کرنے پر اس سے قصاص لیا جائیگا۔ مگر جُمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اس کو قِصاص سے صرف اس صورت میں معاف کیا جائیگا جبکہ وہ زنا کے چار گواہ پیش کرے، یا مقتول مرنے سے پہلے خود اس امر کا اعتراف کر چکا ہو کہ وہ اس کی بیوی سے زنا کر رہا تھا، اور مزید یہ کہ مقتول شادی شدہ ہو۔ (نَیل الاوطار ۶/ ۲۲۸)

۲- لعان گھر بیٹھے آپس ہی میں نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے عدالت میں جانا ضروری ہے۔

۳- لعان کے مطالبے کا حق صرف مرد ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ عورت بھی عدالت میں اس کا مطالبہ کر سکتی ہے جبکہ شوہر اس پر بدکاری کا الزام لگائے یا اس کے بچے کا نسب تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

۴- کیا لعان ہر زوج اور زوجہ کے درمیان ہو سکتا ہے؟ یا اس کے لیے دونوں میں کچھ شرائط ہیں؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جس کی قسم قانونی حیثیت سے معتبر ہو اور جس کو طلاق دینے کا اختیار ہو وہ لعان کر سکتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صرف عاقل اور بالغ ہونا اہلیتِ لعان کے لیے کافی ہے۔ خواہ زوجین مسلم ہوں یا کافر، غلام ہوں یا آزاد، مقبول الشہادت ہوں یا نہ ہوں۔ اور مسلم شوہر کی بیوی ہو یا ذمی کی۔ قریب قریب یہی رائے امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی بھی ہے مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ لعان صرف ایسے آزاد مسلمان زوجین ہی میں ہو سکتا ہے جو قذف کے جرم میں سزا یافتہ نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ اگر عورت اور مرد دنوں کافر ہوں، یا غلام ہوں۔ یا قذف کے جرم میں پہلے کے سزا یافتہ ہوں تو ان کے درمیان لعان نہیں ہو سکتا۔ مزید براں اگر عورت کبھی اس سے پہلے حرام یا مشتبہ طریقے پر کسی مرد سے ملوث ہو چکی ہو، تب بھی لعان درست نہ ہوگا۔ یہ شرطیں حنفیہ نے اس بنا پر لگائی ہیں کہ ان کے نزدیک لعان کے قانون اور قذف کے قانون میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ کہ غیر آدمی اگر قذف کا مرتکب ہو تو اس کیلئے حد ہے۔ اور شوہر اس کا ارتکاب کرے تو وہ لعان کر کے چھوٹ سکتا ہے۔ باقی تمام حیثیتوں سے لعان اور قذف ایک ہی چیز ہے۔ علاوہ بریں حنفیہ کے نزدیک چونکہ لعان کی قسمیں شہادت کی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے وہ کسی ایسے شخص کو اس کی اجازت نہیں دیتے جو شہادت کا اہل نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے میں حنفیہ کا مسلک کمزور ہے اور صحیح بات وہی ہے جو امام شافعیؒ نے فرمائی ہے۔ اور اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے قذفِ زوجہ کے سلسلہ کو آیتِ قذف کا ایک جز نہیں۔ بلکہ اس کیلئے الگ قانون بیان کیا ہے۔ اس لیے اس کو قانونِ قذف کے ضمن میں لا کر وہ تمام شرائط اس میں شامل نہیں کی جا سکتیں جو قذف کیلئے مقرر کی گئی ہیں۔ آیتِ لعان کے الفاظ آیتِ قذف کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ اور دونوں الگ الگ حکم ہیں۔ اس لیے لعان کا قانون آیتِ لعان ہی سے اخذ کرنا چاہیے۔ نہ کہ آیتِ قذف سے۔ مثلاً آیتِ قذف میں سزا کا مستحق وہ شخص ہے جو پاک دامن عورتوں (محصنات) پر الزام لگائے۔ لیکن آیتِ لعان میں پاک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دامن بیوی کی شرط کہیں نہیں ہے۔ ایک عورت چاہے کبھی گناہ گار بھی رہی ہو اگر بعد میں وہ توبہ کر کے کسی شخص سے نکاح کر لے اور پھر اس کا شوہر اس پر ناحق الزام لگائے تو آیتِ لعان یہ نہیں کہتی کہ اس عورت پر تُہمت رکھنے کی یا اس کی اولاد کے نسب سے انکار کر دینے کی شوہر کو کھلی چھٹی دے دو۔ کیونکہ اس کی زندگی کبھی داغ دار رہ چکی ہے۔ دوسری اور اتنی ہی اہم وجہ یہ ہے کہ قذفِ اجنبیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان دونوں کے بارے میں قانون کا مزاج ایک نہیں ہو سکتا۔ غیر عورت سے آدمی کا کوئی واسطہ نہیں۔ نہ جذبات کا، نہ عزت کا، نہ معاشرت کا، نہ حقوق کا، اور نہ نسل و نسب کا۔ اس کے چال چلن سے اگر ایک آدمی کو کوئی بڑی سے بڑی باوقعت دلچسپی ہو سکتی ہے تو بس یہ کہ معاشرے کو بداخلاقی سے پاک دیکھنے کا جوش اسے لاحق ہو۔ اس کے برعکس اپنی بیوی سے آدمی کا تعلق ایک طرح کا نہیں، کئی طرح کا ہے اور بہت گہرا ہے وہ اس کے نسب اور اس کے مال اور اس کے گھر کی امانت دار ہے۔ اس کی زندگی کی شریک ہے، اس کے رازوں کی امین ہے۔ اس کے نہایت گہرے اور نازک جذبات اس سے وابستہ ہیں۔ اس کی بدچلنی سے آدمی کی غیرت اور عزت پر، اس کے مفاد پر اس کی آئندہ نسل پر سخت چوٹ لگتی ہے۔ یہ دونوں معاملے آخر کس حیثیت سے ہیں؟ کہ دونوں کیلئے قانون کا مزاج ایک ہی ہو۔ کیا ایک ذمی یا ایک غلام یا ایک سزا یافتہ آدمی کیلئے اس کی بیوی کا معاملہ کسی آزاد، اہلِ شہادت مسلمان کے معاملے سے کچھ بھی مختلف یا اہمیت اور نتائج میں کچھ بھی کم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ اگر وہ اپنی آنکھوں سے کسی کے ساتھ اپنی بیوی کو ملوث دیکھ لے یا اس کو یقین ہو کہ اس کی بیوی غیر سے حاملہ ہے، تو کون سی معقول وجہ ہے کہ اسے لعان کا حق نہ دیا جائے؟ اور یہ حق اس سے سلب کرنے کے بعد ہمارے قانون میں اس کیلئے اور کیا چارہ کار ہے؟ قرآن مجید کا منشاً تو صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شادی شدہ جوڑوں کو اس پیچیدگی سے نکالنے کی ایک صورت پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں بیوی کی حقیقی بدکاری یا ناجائز حمل سے ایک شوہر اور شوہر کے جھوٹے الزام یا اولاد کے نسب سے بے جا انکار کی بدولت ایک بیوی مبتلا ہو جائے۔ یہ ضرورت صرف اہل شہادت آزاد مسلمانوں کیلئے مخصوص نہیں ہے۔ اور قرآن کے الفاظ میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کو صرف انہی تک محدود کرنے والی ہو۔ رہا یہ استدلال کہ قرآن نے لعان کی قسموں کو شہادت قرار دیا ہے اس لیے شہادت کی شرائط یہاں عائد ہوں گی۔ تو اس کا تقاضا پھر یہ ہے کہ اگر عادل، مقبول الشہادت شوہر قسمیں کھالے اور عورت قسم کھانے سے پہلوتہی کرے تو عورت کو رجم کر دیا جائے۔ کیونکہ اس کی بدکاری پر شہادت قائم ہو چکی ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس صورت میں حنفیہ رجم کا حکم نہیں لگاتے۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ وہ خود بھی ان قسموں کو بعینہٖ شہادت کی حیثیت نہیں دیتے۔ بلکہ سچ یہ ہے خود قرآن بھی ان قسموں کو شہادت کے لفظ سے تعبیر کرنے کے باوجود شہادت نہیں قرار دیتا۔ ورنہ عورت کو چار کے بجائے آٹھ قسمیں کھانے کا حکم دیتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵- لعان محض کنایے اور استعارے یا اظہار شک وشبہ پر لازم نہیں آتا بلکہ صرف اس صورت میں لازم آتا ہے جبکہ شوہر صریح طور پر زنا کا الزام عائد کرے یا صاف الفاظ میں بچے کو اپنا بچہ تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ امام مالکؒ اور لیث بن سعد اس پر یہ مزید شرط بڑھاتے ہیں کہ قسم کھاتے وقت شوہر کو یہ کہنا چاہیے کہ "اس نے اپنی آنکھوں سے بیوی کو زنا میں مبتلا دیکھا ہے"، لیکن یہ قید بے بنیاد ہے۔ اس کی کوئی اصل نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔

۶- اگر الزام لگانے کے بعد شوہر قسم کھانے سے پہلوتہی کرے تو امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ اسے قید کر دیا جائے گا اور جب تک وہ لعان نہ کرے یا اپنے الزام کا جھوٹا ہونا نہ مان لے اسے نہ چھوڑا جائے گا۔ اور جھوٹ مان لینے کی صورت میں اس کو حدِ قذف لگائی جائے گی۔ اس کے برعکس امام مالکؒ، شافعیؒ، حسن بن صالح اور لیث بن سعد کی رائے یہ ہے کہ لعان سے پہلوتہی کرنا خود اِقرارِ کِذب ہے۔ اس لیے حدِ قذف واجب ہو جاتی ہے۔

۷- اگر شوہر کے قسم کھا چکنے کے بعد عورت لعان سے پہلوتہی کرے تو حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔ اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ لعان نہ کرے۔ یا پھر زنا کا اقرار نہ کر لے۔ دوسری طرف مذکورہ بالا ائمہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اسے رجم کر دیا جائے گا۔ ان کا استدلال قرآن کے اس ارشاد سے ہے کہ عورت سے عذاب صرف اس صورت میں دفع ہو گا جب کہ وہ بھی قسم کھا لے۔ اب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ وہ قسم نہیں کھاتی، اس لیے لامحالہ وہ عذاب کی مستحق ہے۔ لیکن اس دلیل میں کمزوری یہ ہے کہ قرآن یہاں ''عذاب'' کی نوعیت تجویز نہیں کرتا۔ بلکہ مطلقاً سزا کا ذکر کرتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ سزا سے مراد یہاں زنا ہی کی سزا ہو سکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کی سزا کیلئے قرآن نے صاف الفاظ میں چار گواہوں کی شرط لگائی ہے۔ اس شرط کو محض ایک شخط کی چار قسمیں پورا نہیں کر دیتیں۔ شوہر کی قسمیں اس بات کیلئے تو کافی ہیں کہ وہ خود قذف کی سزا سے بچ جائے، اور عورت پر لعان کے احکام مترتب ہوسکیں۔ مگر اس بات کیلئے کافی نہیں ہیں کہ اِن سے عورت پر زنا کا الزام ثابت ہو جائے۔ عورت کا جوابی قسمیں کھانے سے انکار شبہ ضرور پیدا کرتا ہے۔ اور بڑا قوی شبہ پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن شبہات پر حدود جاری نہیں کی جاسکتیں۔ اس معاملہ کو مرد کی حدِ قذف پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اسؒ کا قذف تو ثابت ہے جبھی تو اس کو لعان پر مجبور کیا جاتا ہے، مگر اس کے برعکس عورت پر زنا کا الزام ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس کے اپنے اقرار یا چار عینی شہادتوں کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا۔

۸- اگر لعان کے وقت عورت حاملہ ہو تو امام احمد کے نزدیک لعان بجائے خود اس بات کیلئے کافی ہے کہ مرد اس حمل سے بری الذمہ ہو جائے اور بچہ اس کا قرار نہ پائے۔ قطع نظر اس سے کہ مرد نے حمل کو قبول کرنے سے انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مرد کا الزامِ زنا اور نفیِ حمل دونوں ایک چیز نہیں ہیں اس لیے مرد جب تک حمل کی ذمہ داری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبول کرنے سے صریح طور پر انکار نہ کرے وہ الزام زنا کے باوجود اسی کا قرار پائے گا۔ کیونکہ عورت کے زانیہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو حمل بھی زنا ہی کا ہو۔

۹۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ دورانِ حمل میں مرد کو نفیِ حمل کی اجازت دیتے ہیں۔ اور اس بنیاد پر لعان کو جائز رکھتے ہیں۔ مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر مرد کے الزام کی بنیاد زنا نہ ہو، بلکہ صرف یہ ہو کہ اس نے عورت کو ایسی حالت میں حاملہ پایا ہے۔ جبکہ اس کے خیال میں حمل اس کا نہیں ہوسکتا۔ تو اس صورت میں لعان کے معاملے کو وضعِ حمل تک ملتوی کر دینا چاہیے۔ کیونکہ بسا اوقات کوئی بیماری حمل کا شبہ پیدا کر دیتی ہے اور درحقیقت حمل ہوتا نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر باپ بچے کے نسب سے انکار کرے تو بالاتفاق لعان لازم آتا ہے۔ اور اس امر میں بھی اتفاق ہے کہ ایک دفعہ بچے کو قبول کر لینے کے بعد (خواہ یہ قبول کر لینا صریح الفاظ میں ہو یا قبولیت پر دلالت کرنے والے اَفعال مثلاً پیدائش پر مبارک باد لینے یا بچے کے ساتھ پدرانہ شفقت برتنے، اور اس کی پرورش سے دلچسپی لینے کی صورت میں) پھر باپ کو انکارِ نسب کا حق نہیں رہتا۔ اور اگر کرے تو حدِ قذف کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ باپ کو کس وقت تک انکارِ نسب کا حق حاصل ہے؟ امام مالکؒ کے نزدیک اگر شوہر اس زمانے میں گھر پر موجود رہا ہے جبکہ بیوی حاملہ تھی، تو زمانۂ حمل سے لے کر وضعِ حمل تک اس کیلئے انکار کا موقع ہے۔ اس کے بعد وہ انکار کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق نہیں رکھتا۔ البتہ اگر وہ غائب تھا اور اس کے پیچھے ولادت ہوئی تو جس وقت اسے علم ہو وہ انکار کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر پیدائش کے بعد ایک دو روز کے اندر وہ انکار کرے تو لعان کر کے وہ بچے کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔ لیکن اگر سال دو سال بعد انکار کرے تو لعان ہوگا۔ مگر وہ بچے کی ذمہ داری سے بری نہ ہو سکے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ولادت کے بعد، یا ولادت کا علم ہونے کے بعد چالیس دن کے اندر اندر باپ کو انکارِ نسب کا حق ہے۔ اس کے بعد یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ مگر یہ چالیس دن کی قید بے معنی ہے صحیح بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہؒ نے فرمائی ہے۔ کہ ولادت کے بعد یا اس کا علم ہونے کے بعد ایک دو روز کے اندر ہی اِنکارِ نسب کیا جا سکتا ہے۔ اِلّا یہ کہ اس میں کوئی ایسی رکاوٹ ہو جسے معقول رکاوٹ تسلیم کیا جا سکے۔

۱۱- اگر شوہر طلاق دینے کے بعد مطلّقہ بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لعان نہیں ہوگا۔ بلکہ اس پر قذف کا مقدمہ قائم کیا جائے گا۔ کیونکہ لِعان زوجین کیلئے ہے۔ اور مطلقہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے۔ الا یہ کہ طلاق رجعی ہو اور مدتِ رجوع کے اندر وہ الزام لگائے۔ مگر امام مالکؒ کے نزدیک یہ قذف صرف اس صورت میں ہے جبکہ کسی حمل یا بچے کا نسب قبول کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ درمیان میں نہ ہو۔ ورنہ مرد کو طلاقِ بائن کے بعد بھی لعان کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ وہ عورت کو بدنام کرنے کیلئے نہیں۔ بلکہ خود ایک ایسے بچے کی ذمہ داری سے بچنے کیلئے لعان کر رہا ہے۔ جسے وہ اپنا نہیں سمجھتا۔ قریب قریب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی رائے امام شافعیؒ کی بھی ہے۔

۱۲- لعان کے قانونی نتائج میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض میں آئمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

متفق علیہ نتائج یہ ہیں: عورت اور مرد دونوں کسی سزا کے مستحق نہیں رہتے۔ مرد بچے کے نسب کا منکر ہو تو بچہ صرف ماں کا قرار پائے گا، نہ باپ کی طرف منسوب ہوگا، نہ اس سے میراث پائے گا۔ ماں اس کی وارث ہوگی۔ اور وہ ماں کا وارث ہوگا۔ عورت کو زانیہ اور اس کے بچے کو ولد الزنا کہنے کا کسی کو حق نہ ہوگا۔ خواہ لعان کے وقت اس کے حالات ایسے ہی کیوں نہ ہو۔ کہ لوگوں کو اس کے زانیہ ہونے میں شک نہ رہے۔ جو شخص لعان کے بعد اس پر یا اس کے بچے پر سابق الزام کا اعادہ کرے گا وہ حد کا مستحق ہوگا۔ عورت کا مہر ساقط نہ ہوگا۔ عورت دورانِ عدت میں مرد سے نفقہ اور مسکن پانے کی حق دار نہ ہوگی۔ عورت اس مرد کیلئے حرام ہو جائے گی۔

اختلاف دو مسئلوں میں ہے ایک یہ کہ لعان کے بعد عورت اور مرد کی علیحدگی کیسے ہوگی؟ دوسرے یہ کہ لعان کی بنا پر علیحدہ ہو جانے کے بعد کیا ان دونوں کا پھر مل جانا ممکن ہے؟ پہلے مسئلے میں امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جس وقت مرد لعان سے فارغ ہو جائے، اسی وقت فرقت آپ سے آپ واقع ہو جاتی ہے۔ خواہ جوابی لعان کرے یا نہ کرے۔ امام مالکؒ، لیث بن سعدؒ اور زفرؒ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں جب لعان سے فارغ ہوں، تب فرقت واقع ہوتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ اور محمدؒ کہتے ہیں کہ لعان سے فرقت آپ ہی آپ واقع نہیں ہو جاتی۔ بلکہ عدالت کے تفریق کرانے سے ہوتی ہے۔ اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوہر خود طلاق دیدے تو بہتر، ورنہ حاکم عدالت ان کے درمیان تفریق کا اِعلان کرے گا۔ دوسرے مسئلے میں امام مالکؒ، ابو یوسفؒ، زفرؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور حسن بن زیادؒ کہتے ہیں کہ لعان سے جو زوجین جدا ہوئے ہوں وہ پھر ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں۔ دوبارہ وہ باہم نکاح کرنا بھی چاہیں تو کسی حال میں نہیں کر سکتے۔ یہی رائے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی بھی ہے۔ بخلاف اس کے سعید بن میسّب، ابراہیم نخعی، شعبی، سعید بن جُبیر، ابو حنیفہ اور محمد رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر شوہر اپنا جھوٹ مان لے اور اس پر حدِ قذف جاری ہو جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے کیلئے حرام کرنے والی چیز لعان ہے۔ جب تک وہ اس پر قائم رہیں، حرمت بھی قائم رہے گی۔ مگر جب شوہر اپنا جھوٹ مان کر سزا پا گیا تو لعان ختم ہو گیا اور حُرمت بھی اٹھ گئی۔ (تفہیم القرآن للسید ابوالاعلیٰ مودودی)

ظِہار

ظِہار کی تعریف اور اسکا حکمِ شرعی: شریعت کی اصطلاح میں ظِہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرّماتِ آبدیہ ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عُضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کیلئے جائز نہیں۔ ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے۔ اس فعل کا نام ظہار ہے۔ ظَہر عربی زبان میں استعارے کے طور پر سواری کیلئے بولا جاتا ہے۔ مثلاً سواری کے جانور کو ظَہر کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی پیٹھ پر آدمی سوار ہوتا ہے۔ چونکہ وہ لوگ بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کیلئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے تھے کہ تجھے ظہر بنانا میرے اوپر حرام ہے۔ جیسے اپنی ماں کو ظہر بنانا اس لئے یہ کلمات زبان سے نکالنا اُن کی اصطلاح میں ظِہار کہلاتا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں اہلِ عرب کے ہاں یہ طلاق بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قطع تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس کے معنی یہ تھے کہ شوہر اپنی بیوی سے نہ صرف ازدواجی رشتہ توڑ رہا ہے بلکہ اسے ماں کی طرح اپنے اوپر حرام قرار دے رہا ہے۔ اسی بنا پر اہلِ عرب کے نزدیک طلاق کے بعد تو رجوع کی گنجائش ہوسکتی تھی۔ مگر ظہار کی صورت میں رسمِ جاہلیت کے مطابق اُن کے آپس میں میاں، بیوی ہو کر رہنے کی قطعاً کوئی صورت نہ تھی۔

ظِہار کے قانونی حکم سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ظہار کے وہ واقعات نگاہ میں رہیں، جو نبی ﷺ کے عہدِ مبارک میں پیش آئے تھے۔ کیونکہ اسلام میں ظِہار کا مفصل قانون سورۂ مُجادلہ کی آیات اور اُن فیصلوں سے مأخوذ ہے جو ان آیات کے نزول کے بعد حضورؐ نے پیش آمدہ واقعات میں صادر فرمائے۔

ظہار کا پہلا واقعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیان کے مطابق اسلام میں ظِہار کا پہلا واقعہ اَوس بن صامِت انصاریؓ کا ہے جن کی بیوی خَولہ کی فریاد پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ محدثین نے اس واقعہ کی جو تفصیلات متعدد راویوں سے نقل کی ہیں ان میں فروعی اختلافات تو بہت سے ہیں۔ مگر قانونی اہمیت رکھنے والے ضروری اجزاء قریب قریب متفق علیہ ہیں۔ خلاصہ ان روایات کا یہ ہے کہ حضرت اَوس بن صامتؓ بڑھاپے میں کچھ چڑ چڑے بھی ہو گئے تھے۔ اور بعض روایات کی رو سے ان کے اندر کچھ جُنون کی سی لٹک بھی پیدا ہو گئی تھی۔ جس کیلئے راویوں نے "کَانَ بِهِ لَمَمٌ" کے الفاظ استعمال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے ہیں۔ "لَمَم" عربی زبان میں دیوانگی کو نہیں کہتے۔ بلکہ اس طرح کی ایک کیفیت کو کہتے ہیں جسے ہم اردو زبان میں "غصے میں پاگل ہو جانے" کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس حالت میں وہ پہلے بھی متعدد مرتبہ اپنی بیوی سے ظہار کر چکے تھے۔ مگر اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ بیوی سے لڑ کر ان سے پھر اس حرکت کا صدور ہو گیا۔ اس پر ان کی اہلیہ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا قصہ آپ ﷺ سے بیان کر کے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! کیا میری اور میرے بچوں کی زندگی کو تباہی سے بچانے کیلئے رخصت کا کوئی پہلو نکل سکتا ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا: وہ مختلف راویوں نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ بعض روایات میں الفاظ یہ ہیں کہ "ابھی تک اس مسئلے میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے"۔ اور بعض میں یہ الفاظ ہیں کہ "میرا خیال یہ ہے تم اس پر حرام ہو گئی ہو"۔ اور بعض میں یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا "تم اس پر حرام ہو گئی ہو"۔ اس جواب کو سن کر وہ نالہ و فریاد کرنے لگیں، بار بار انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ انہوں نے طلاق کے الفاظ تو نہیں کہے ہیں۔ آپؐ کوئی صورت ایسی بتائیں جس سے میں اور میرے بچے اور میرے بوڑھے شوہر کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے۔ مگر ہر مرتبہ حضورؐ ان کو وہی جواب دیتے رہے۔ اتنے میں آپؐ پر نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور یہ سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد آپؐ نے ان سے کہا۔ اور بعض روایات کی رو سے ان کے شوہر کو بلا کر ان سے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ انہوں نے اس سے معذوری ظاہر کی تو فرمایا دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنے ہوں گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اوس کا حال تو یہ ہے کہ دن میں تین مرتبہ کھائیں پئیں نہیں تو ان کی بینائی جواب دینے لگتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر ۶۰ مسکینوں کو کھانا دینا پڑے گا۔ انہوں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرض کیا: وہ اتنی مقدرت نہیں رکھتے، اِلا یہ کہ آپؐ مدد فرمائیں۔ تب آپؐ نے انہیں اتنی مقدار میں سامان خوراک عطا فرمایا جو ۶۰ آدمیوں کی غذا کیلئے کافی ہو۔ اس کی مقدار مختلف روایات میں مختلف بیان کی گئی ہے اور بعض روایات میں یہ ہے کہ جتنی مقدار حضورؐ نے عطا فرمائی، اتنی ہی خود حضرت خولہؓ نے اپنے شوہر کو دی تا کہ وہ کفارہ ادا کر سکیں۔ (ابن جریر، مسند احمد، ابوداؤد، ابن ابی حاتم)

ظِہار کا دوسرا واقعہ: ظہار کا دوسرا واقعہ سَلمہ بن صَخر بیاضی کا ہے۔ ان صاحب پر اعتدال سے کچھ زیادہ شہوت کا غلبہ تھا، رمضان آیا تو انہوں نے اس اندیشہ سے کہ کہیں روزے کی حالت میں دن کے وقت بے صبری نہ کر بیٹھیں، رمضان کے اختتام تک کیلئے بیوی سے ظہار کر لیا۔ مگر اپنی اس بات پر قائم نہ رہ سکے۔ اور ایک رات بیوی کے پاس چلے گئے۔ پھر نادم ہو کر رسول اللہ ﷺ سے ماجرا عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ایک غلام آزاد کرو۔ انہوں نے کہا میرے پاس تو اپنی بیوی کے سوا کوئی نہیں جسے آزاد کر دوں۔ فرمایا: دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ روزوں ہی میں تو صبر نہ کر سکنے کی وجہ سے اس مصیبت میں پھنسا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: پھر ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ انہوں نے کہا: ہم تو اس قدر غریب ہیں کہ رات بے کھائے سوئے ہیں۔ اس پر آپؐ نے بنی زُرَیق کے مُحصّلِ زکوٰۃ سے ان کو اتنا سامانِ خوراک دلوایا کہ ۶۰ آدمیوں میں بانٹ دیں اور کچھ اپنے بال، بچوں کی ضروریات کیلئے بھی رکھ لیں (مسند احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی)

ظِہار کا تیسرا واقعہ: تیسرا واقعہ نام کی تصریح کے بغیر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہی اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مُباشَرت کرلی۔ بعد میں حضورؐ سے مسئلہ پوچھا۔ تو آپؐ نے حکم دیا کہ اس سے الگ رہو جب تک کفارہ ادا نہ کردو۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ)

ظہار کا چوتھا واقعہ: چوتھا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ اپنی بیوی کو بہن کہہ کر پکار رہا ہے۔ اس پر آپؐ نے غصے سے فرمایا: ''یہ تیری بہن ہے؟'' مگر آپؐ نے اسے ظہار قرار نہیں دیا۔ (ابوداؤد)

یہ چار معتبر واقعات ہیں جو مستند ذرائع سے احادیث میں ملتے ہیں اور انہی کی مدد سے قرآن مجید کے اس حکم کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے جو سورہ مُجادلہ کی آیات میں بیان ہوا ہے۔

ظہار کے سلسلہ میں اخذ کیے ہوئے قانون کی تفصیلات: فقہائے اسلام نے آیت کے الفاظ، رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور اسلام کے اصولِ عامہ سے اس مسئلے میں جو قانون اخذ کیا ہے، اس کی تفصیلات یہ ہیں:

۱- ظہار کا یہ قانون، عرب جاہلیت کے اس رواج کو منسوخ کرتا ہے۔ جس کی رو سے یہ فعل نکاح کے رشتے کو توڑ دیتا تھا۔ اور عورت شوہر کے لیے ابداً حرام ہو جاتی تھی۔ اسی طرح یہ قانون ان تمام قوانین اور رواجوں کو بھی منسوخ کرتا ہے جو ظہار کو بے معنی اور بے اثر سمجھتے ہوں۔ اور آدمی کیلئے اس بات کو جائز رکھتے ہوں کہ وہ اپنی بیوی کو ماں یا محرّمات سے تشبیہ دے کر بھی اس کے ساتھ حسب سابق زن وشو کا تعلق جاری رکھے۔ کیونکہ اسلام کی نگاہ میں ماں اور دوسری محرمات کی حُرمت ایسی معمولی چیز نہیں ہے کہ انسان ان کے اور بیوی کے درمیان مشابہت کا خیال بھی کرے۔ کجا کہ اس کو زبان پر لائے۔ ان دونوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتہاؤں کے درمیان اسلامی قانون نے اس معاملہ میں جو موقف اختیار کیا ہے، وہ تین بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک یہ کہ ظہار سے نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ عورت بدستور شوہر کی بیوی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ظِہار سے عورت وقتی طور پر شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ حُرمت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک شوہر کفارہ ادا نہ کر دے۔ اور یہ کہ صرف کفارہ ہی اس حُرمت کو رفع کر سکتا ہے۔

۲۔ ظہار کرنے والے شخص کے بارے میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ اس شوہر کا ظہار معتبر ہے جو عاقل و بالغ ہو اور بحالتِ ہوش و حواس ظہار کے الفاظ زبان سے ادا کرے۔ بچے اور مجنون کا ظہار معتبر نہیں ہے۔ نیز ایسے شخص کا ظہار بھی معتبر نہیں، جو ان الفاظ کو ادا کرتے وقت اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو۔ مثلاً سوتے میں بڑ بڑائے یا کسی نوعیت کی بیہوشی میں مبتلا ہو گیا ہو۔ اس کے بعد حسب ذیل امور میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

(الف) نشے کی حالت میں ظہار کرنے والے کے متعلق ائمۂ اربعہؒ سمیت فقہاء کی عظیم اکثریت یہ کہتی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی نشہ آور چیز جان بوجھ کر استعمال کی ہو، تو اس کا ظہار اس کی طلاق کی طرح قانوناً صحیح مانا جائے گا۔ کیونکہ اس نے یہ حالت اپنے اوپر خود طاری کی ہے۔ البتہ اگر مرض کی وجہ سے اس نے کوئی دوا پی ہو اور اس سے نشہ لاحق ہو گیا ہو، یا پیاس کی شدت میں وہ جان بچانے کیلئے شراب پینے پر مجبور ہوا ہو تو اس طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نشے کی حالت میں اس کے ظہار و طلاق کو نافذ نہیں کیا جائے گا۔ احناف، شوافع اور حنابلہ کی رائے یہی ہے۔ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عام مسلک بھی یہی تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عثمانؓ کا قول یہ ہے کہ نشے کی حالت میں طلاق وظہار معتبر نہیں ہے۔ احناف میں سے امام طحاوی اور کرخی اس قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ایسے نشے کی حالت میں ظہار معتبر ہوگا جس میں آدمی بالکل بہک نہ گیا ہو، بلکہ وہ مربوط اور مرتب کلام کررہا ہو، اور اسے یہ احساس ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

(ب) امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ظہار صرف اس شوہر کا معتبر ہے جو مسلمان ہو، ذمیوں پر ان احکام کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ﴿الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ﴾ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں۔ جن کا خطاب مسلمانوں سے ہے۔ اور تین قسم کے کفاروں میں سے ایک کفارہ قرآن میں روزہ بھی تجویز کیا گیا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ ذمیوں کیلئے نہیں ہوسکتا۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ احکام ذمی اور مسلمان، دونوں کے ظہار پر نافذ ہوں گے، البتہ ذمی کیلئے روزہ نہیں ہے۔ وہ یا غلام آزاد کرے یا ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

(ج) کیا مرد کی طرح عورت بھی ظہار کرسکتی ہے؟ مثلاً اگر وہ شوہر سے کہے کہ تو میرے باپ کی طرح ہے۔ یا میں تیرے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیری ماں کی طرح ہوں۔ تو کیا یہ بھی ظہار ہوگا ؟ ائمۂ اربعہؒ کہتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے۔ اور اس پر ظہار کے قانونی احکام کا سرے سے اِطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید نے صریح الفاظ میں یہ احکام صرف اس صورت کیلئے بیان کیے ہیں، جبکہ شوہر بیویوں سے ظہار کریں۔ ﴿اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ اور ظہار کرنے کے اختیارات اسی کو حاصل ہو سکتے ہیں، جسے طلاق دینے کا اختیار ہے۔ عورت کو شریعت نے جس طرح یہ اختیار نہیں دیا کہ شوہر کو طلاق دیدے، اسی طرح اسے یہ اختیار بھی نہیں دیا کہ اپنے آپ کو شوہر کیلئے حرام کر لے۔ یہی رائے سفیان ثوری، اسحٰق بن راہویہ، ابوثور اور لیث بن سعد کی ہے کہ عورت کا ایسا قول بالکل بے معنٰی اور بے اثر ہے۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں: کہ یہ ظہار تو نہیں ہے۔ مگر اس سے عورت پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔ کیونکہ عورت کا ایسے الفاظ کہنا یہ معنٰی رکھتا ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی ابن قُدامہ نے یہی نقل کیا ہے۔ امام اَوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اگر شادی سے پہلے عورت نے یہ بات کہی ہو کہ ''میں اس شخص سے شادی کروں تو وہ میرے لیے ایسا ہے جیسے میرا باپ''، تو یہ ظہار ہوگا۔ اور اگر شادی کے بعد کہے تو یہ قسم کے معنی میں ہوگا جس سے کفارۂ یمین لازم آئے گا۔ بخلاف اس کے حسن بصری، زُہری، ابراہیم نخعی اور حسن بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیاد لؤلؤی کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے اور ایسا کہنے سے عورت پر کفارۂ ظہار لازم آئے گا۔ البتہ عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ کفارہ دینے سے پہلے شوہر کو اپنے پاس آنے سے روک دے۔ ابراہیم نخعی اس کی تائید میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ کی صاحبزادی عائشہ سے حضرت زُبیرؓ کے صاحبزادے مُصْعَب نے نکاح کا پیغام دیا انہوں نے اسے رد کرتے ہوئے یہ الفاظ کہہ دیے کہ اگر میں ان سے نکاح کروں تو "هُوَ عَلَيَّ كَظَهْرِ اَبِيْ". (وہ میرے اوپر ایسے ہوں جیسے میرے باپ کی پیٹھ) کچھ مدت بعد وہ ان سے شادی کرنے پر راضی ہوگئیں۔ مدینہ کے علماء سے اس کے متعلق فتویٰ لیا گیا تو بہت سے فُقہاء نے جن میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے یہ فتویٰ دیا کہ عائشہ پر کفارہ ظہار لازم ہے۔ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابراہیم نخعی اپنی یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ اگر عائشہ یہ بات شادی کے بعد کہتیں تو کفارہ لازم نہ آتا۔ مگر انہوں نے شادی سے پہلے یہ کہا تھا جب انہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لیے کفارہ ان پر واجب ہوگیا۔

۳- جو عاقل و بالغ آدمی ظہار کے صریح الفاظ بحالت ہوش و حواس زبان سے ادا کرے اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہوسکتا کہ اس نے غصے میں یا مذاق مذاق میں یا پیار سے ایسا کہا یا یہ کہ اس کی نیت ظہار کی نہ تھی۔ البتہ جو الفاظ اس معاملہ میں صریح نہیں ہیں اور جن میں مختلف معنوں کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احتمال ہے ان کا حکم الفاظ کی نوعیت پر منحصر ہے۔ آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ ظہار کے صریح الفاظ کون سے ہیں اور غیر صریح کونسے۔

۴- یہ امر متفق علیہ ہے کہ ظہار اس عورت سے کیا جا سکتا ہے جو آدمی کے نکاح میں ہو۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا غیر عورت سے بھی ظہار ہو سکتا ہے اس معاملہ میں مختلف مسالک یہ ہیں:۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ غیر عورت سے اگر آدمی یہ کہے کہ میں تجھ سے نکاح کروں تو میرے اوپر تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ'' تو جب بھی وہ اس سے نکاح کرے گا، کفارہ ادا کیے بغیر اس سے ہاتھ نہ لگا سکے گا۔ یہی حضرت عمرؓ کا فتوی ہے۔ ان کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے یہ بات کہی اور بعد میں اس سے نکاح کر لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اسے کفارۂ ظہار دینا ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ بھی یہی بات کہتے ہیں اور وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اگر عورت کی تخصیص نہ کی گئی ہو، بلکہ کہنے والے نے یوں کہا ہو کہ ''تمام عورتیں میرے اوپر ایسی ہیں''، تو جس سے بھی وہ نکاح کرے گا اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ دینا ہوگا۔ یہی رائے سعید بن مسیّب، عُروہ بن زُبیر، عطاء بن ابی رَباح، حسن بصری اور اسحاق بن راہویہ کی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے ظہار بالکل بے معنی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ کی بھی یہی رائے ہے۔

۵- کیا ظہار ایک خاص وقت تک کیلئے ہو سکتا ہے؟ حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ اگر آدمی نے کسی خاص وقت کی تعیین کر کے ظہار کیا ہو تو جب تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ وقت باقی ہے بیوی کو ہاتھ لگانے سے کفارہ لازم آئے گا۔ اور اس وقت کے گزر جانے پر ظہار غیر مؤثر ہو جائے گا۔ اس کی دلیل سلمہ بن صخر بیاضی کا واقعہ ہے جس میں انہوں نے اپنی بیوی سے رمضان کیلئے ظہار کیا تھا۔ اور نبی ﷺ نے ان سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وقت کی تعیین بے معنی ہے۔ بخلاف اس کے امام مالکؒ اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ظہار جب بھی کیا جائے گا۔ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ اور وقت کی تخصیص غیر مؤثر ہوگی۔ کیونکہ جو حُرمت واقع ہو چکی ہے وہ وقت گزر جانے پر آپ سے آپ ختم نہیں ہو سکتی۔

۶۔ مشروط ظہار کیا گیا ہو تو جس وقت بھی شرط کی خلاف ورزی ہوگی، کفارہ لازم آ جائے گا۔ مثلاً آدمی بیوی سے یہ کہتا ہے اگر میں گھر میں آؤں تو میرے اوپر تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ" اس صورت میں وہ جب بھی گھر میں داخل ہوگا کفارہ ادا کیے بغیر بیوی کو ہاتھ نہ لگا سکے گا۔

۷۔ ایک بیوی سے کئی مرتبہ ظہار کے الفاظ کہے گئے ہوں، تو حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ خواہ ایک ہی نشست میں ایسا کیا گیا ہو یا متعدد نشستوں میں۔ بہر حال جتنی مرتبہ یہ الفاظ کہے گئے ہوں اتنے ہی کفارے لازم آئیں گے۔ اِلّا یہ کہ کہنے والے نے ایک دفعہ کہنے کے بعد اس قول کی تکرار محض اپنے پہلے قول کی تاکید کیلئے کی ہو۔ بخلاف اس کے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی مرتبہ اس قول کی تکرار کی گئی ہو قطع نظر اس سے کہ اعادہ کی نیت ہو یا تاکید کی تو کفارہ ایک ہی لازم ہوگا۔ یہی قول شَعبی، طاؤس، عطاء بن ابی رَباح، حسن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بصری اور اوزاعی رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر تکرار ایک نشست میں کی گئی ہو تو ایک ہی کفارہ ہو گا۔ اور مختلف نشستوں میں ہو تو جتنی نشستوں میں کی گئی ہو اتنے ہی کفارے دینے ہوں گے۔ قتادہ اور عَمر و بن دینار کی رائے بھی یہی ہے۔

۸- دو یا زائد بیویوں سے بیک وقت اور بیک لفظ ظہار کیا جائے مثلاً ''ان کو مخاطب کر کے شوہر کہے کہ تم میرے اوپر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پیٹھ'' تو حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر ایک کو حلال کرنے کیلئے الگ الگ کفارے دینے ہوں گے۔ یہی رائے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عُروہ بن زبیر، طاؤس، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، اور ابن شہاب زُہری کی ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں سب کیلئے ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔ ربیعہ، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور کی بھی یہی رائے ہے۔

۹- ایک ظہار کا کفارہ دینے کے بعد اگر آدمی پھر ظہار کر بیٹھے تو یہ امر متفق علیہ ہے کہ پھر کفارہ دیے بغیر بیوی اس کیلئے حلال نہ ہوگی۔

۱۰- کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر بیوی سے تعلق زن وشو قائم کر بیٹھا ہو تو اَئمہ اربعہؒ کے نزدیک اگرچہ یہ گناہ ہے اور آدمی کو اس پر استغفار کرنا چاہیے اور پھر اس کا اعادہ نہ کرنا چاہیے۔ مگر کفارہ اسے ایک ہی دینا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا کیا تھا ان سے آپ ﷺ نے یہ تو فرمایا تھا کہ استغفار کرو۔ اور اس وقت تک بیوی سے الگ رہو جب تک کفارہ ادا نہ کردو۔ مگر یہ حکم آپ ﷺ نے نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا تھا کہ کفارۂ ظہار کے علاوہ اس پر انہیں کوئی اور کفارہ بھی دینا ہوگا۔ حضرت عَمرو بن عاص، قَبِیصہ بن ذُوَیب، سعید بن جُبَیر، زُہری اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس پر دو کفارے لازم ہوں گے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی کی رائے یہ ہے کہ تین کفارے دینے ہوں گے۔ غالبًا ان حضرات کو وہ احادیث نہ پہنچی ہوں گی جن میں اس مسئلہ پر حضور ﷺ کا فیصلہ بیان ہوا ہے۔

۱۱- بیوی کو کس سے تشبیہ دینا ظہار ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

عامر شَعبی کہتے ہیں کہ صرف ماں سے تشبیہ ظہار ہے۔ اور ظاہرِیَّہ کہتے ہیں کہ ماں کی بھی صرف پیٹھ سے تشبیہ ظہار ہے۔ باقی اور کسی بات پر اس حکم کا اِطلاق نہیں ہوتا۔ مگر فقہاءِ امت میں سے کسی گروہ نے بھی اُن سے اس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا ہے۔ کیونکہ قرآن نے ماں سے تشبیہ کو گناہ قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ نہایت بیہودہ اور جھوٹی بات ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن عورتوں کی حُرمت ماں جیسی ہے، ان کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا بیہودگی اور جھوٹ میں اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اس کا حکم وہی نہ ہو جو ماں سے تشبیہ کا حکم ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں تمام وہ عورتیں داخل ہیں جو نسب یا رضاعت یا ازدواجی رشتہ کی بنا پر آدمی کیلئے ابداً حرام ہیں۔ مگر وقتی طور پر جو عورتیں حرام ہوں اور کسی وقت حلال ہوسکتی ہوں وہ اس میں داخل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہیں۔ جیسے بیوی کی بہن، اس کی خالہ، اس کی پھوپھی، یا غیر عورت جو آدمی کے نکاح میں نہ ہو، ابدی محرمات میں سے کسی عورت کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس پر نظر ڈالنا آدمی کیلئے حلال نہ ہو، ظہار ہوگا۔ البتہ بیوی کے ہاتھ، پاؤں، سر، بال، دانت، وغیرہ کو ابداً حرام عورت کی پیٹھ سے یا بیوی کو اس کے سر، ہاتھ، پاؤں جیسے اجزائے جسم سے تشبیہ دینا ظہار نہ ہوگا۔ کیونکہ ماں، بہن کے ان اعضاء پر نگاہ ڈالنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ تیرا ہاتھ میری ماں کے ہاتھ جیسا ہے۔ یا تیرا پاؤں، میری ماں کے پاؤں جیسا ہے، ظہار نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں صرف وہی عورتیں داخل ہیں جو ہمیشہ حرام تھیں اور ہمیشہ حرام رہیں۔ یعنی ماں، بہن، بیٹی وغیرہ۔ مگر وہ عورتیں اس میں داخل نہیں ہیں جو کبھی حلال رہ چکی ہوں۔ جیسے رضاعی ماں، بہن، ساس اور بہو، یا کسی وقت حلال ہوسکتی ہوں، جیسے سالی، ان عارضی یا وقتی حرام عورتوں کے سوا ابدی حرمت رکھنے والی عورتوں میں سے کسی کے ان اعضاء کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہوگا جن کا بغرضِ ظہارِ اکرام وتوقیر عادۃً نہیں کیا جاتا۔ رہے وہ اَعضاء جن کا ظہارِ اِکرام وتوقیر کیلئے کیا جاتا ہے تو ان سے تشبیہ صرف اس صورت میں ظہار ہوگی، جبکہ یہ بات ظہار کی نیت سے کہی جائے۔ مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لیے میری ماں کی آنکھ یا جان کی طرح ہے، یا ماں کے ہاتھ، پاؤں یا پیٹ کی طرح ہے، یا ماں کے پیٹ یا سینے سے بیوی کے پیٹ یا سینے کو تشبیہ دینا، یا بیوی کے سر، پیٹھ یا ہاتھ کو اپنے لے ماں کی پیٹھ جیسا قرار دینا، یا بیوی کو یہ کہنا کہ تُو میرے لے میری ماں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسی ہے۔ظہار کی نیت سے ہوتو ظہار ہے۔اور عزت کی نیت سے ہو تو عزت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر عورت جو آدمی کیلئے حرام ہو اس سے بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے۔حتی کہ بیوی سے یہ کہنا بھی ظہار کی تعریف میں آتا ہے کہ تو میرے اُوپر فلاں غیر عورت کی پیٹھ جیسی ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ ماں اور ابدی محرمات کے کسی عُضو سے بیوی کو یا بیومی کے کسی عُضو کو تشبیہ دینا ظہار ہے اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اعضاء ایسے ہوں جن پر نظر ڈالنا حلال نہ ہو۔ کیونکہ ماں کے کسی عضو پر بھی اس طرح کی نظر ڈالنا جیسی بیوی پر ڈالی جاتی ہے، حلال نہیں ہے۔

حنابلہ اس حکم میں تمام ان عورتوں کو داخل سمجھتے ہیں جو ابداً حرام ہوں، خواہ وہ پہلے کبھی حلال رہ چکی ہوں۔ مثلاً ساس، یا دودھ پلانے والی ماں۔ رہیں وہ عورتیں جو بعد میں کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں (مثلاً سالی) تو ان کے معاملہ میں امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ بھی ظہار ہے۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ ظہار نہیں ہے۔ نیز حنابلہ کے نزدیک بیوی کے کسی عُضو کو محرمات کے کسی عضو سے تشبیہ دینا ظہار کی تعریف میں آجاتا ہے۔ البتہ بال، ناخن، دانت جیسے غیر مستقل اجزاءِ جسم اس حکم سے خارج ہیں۔

۱۲- اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی سے یہ کہنا کہ ''تُو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے'' صریح ظہار ہے۔ کیونکہ اہلِ عرب میں یہی ظہار کا طریقہ تھا۔ اور قرآنِ مجید کا حکم اسی کے بارے میں نازل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے۔ البتہ اس امر میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ دوسرے الفاظ میں سے کون سے ایسے ہیں جو صریح ظہار کے حکم میں ہیں۔ اور کون سے ایسے ہیں جن کے ظہار ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ قائل کی نیت پر کیا جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ وہ ہیں جن میں صاف طور پر حلال عورت (بیوی) کو حرام عورت (یعنی محرات اَبدیہ میں سے کسی عورت) سے تشبیہ دی گئی ہو۔ یا تشبیہ ایسے عضو سے دی گئی ہو جس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے۔ جیسے یہ کہنا کہ تو میرے اوپر ماں یا فلاں حرام عورت کے پیٹ یا ران جیسی ہے۔ ان کے سوا دوسرے الفاظ میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ اگر کہے تو میرے اوپر حرام ہے۔ جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ صریح ظہار ہے لیکن امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہے۔ اور طلاق کی نیت ہو تو طلاق۔ اگر کہے کہ تو میری ماں جیسی ہے، یا میری ماں کی طرح ہے، تو حنفیہ کا عام فتویٰ یہ ہے کہ یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے۔ طلاق کی نیت سے طلاقِ بائن۔ اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو بے معنی ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک یہ قطعی ظہار ہے۔ اگر بیوی کو ماں یا بہن یا بیٹی کہہ کر پکارے تو یہ سخت بیہودہ بات ہے۔ جس پر نبی ﷺ نے غصے کا اظہار فرمایا تھا۔ مگر اُسے ظہار نہیں قرار دیا۔ اگر کہے کہ "تو میرے اوپر ماں کی طرح حرام ہے"، تو یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاق، اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ اگر کہے کہ تو میرے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماں کی طرح یا ماں جیسی ہے۔ تو نیت پوچھی جائے گی۔ عزت اور توقیر کی نیت سے کہا ہو تو عزت اور توقیر ہے۔ ظہار کی نیت سے کہا ہو تو ظہار ہے طلاق کی نیت سے کہا ہو تو طلاق ہے۔ کوئی نیت نہ ہو اور یونہی یہ بات کہہ دی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بے معنی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر ظہار نہیں۔ مگر قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ظہار ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے تو میرے نزدیک یا میرے ساتھ یا میرے لیے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ۔ یا تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یا تیرا جسم تیرا بدن، یا تیرا نفس میرے لیے میری ماں کے جسم یا بدن یا نفس کی طرح ہے ان کے سوا باقی تمام الفاظ میں قائل کی نیت پر فیصلہ ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک ہر وہ لفظ جس سے کسی شخص نے بیوی کو یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو کو کسی ایسی عورت سے جو اس کیلئے حرام ہے یا اُس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عُضو سے صاف صاف تشبیہ دی ہو، ظہار کے معاملہ میں صریح مانا جائے گا۔

مالکیہ کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے۔ البتہ تفصیلات میں ان کے فتوے الگ الگ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لیے میری ماں جیسی ہے۔ یا میری ماں کی طرح ہے مالکیوں کے نزدیک ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے، طلاق کی نیت سے ہو تو طلاق اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ حنبلیوں کے نزدیک یہ بشرطِ نیت صرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بیوی سے کہے کہ ''تو میری ماں ہے''، تو مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے۔ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ بات اگر جھگڑے اور غصے کی حالت میں کہی گئی ہو تو ظہار ہے۔ اور پیار ومحبت کی بات چیت میں کہی گئی ہو کو یہ بہت ہی بُری بات ہے۔ لیکن ظہار نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے ''تجھے طلاق ہے، تو میری ماں کی طرح ہے''، تو حنابلہ کے نزدیک یہ طلاق ہے، نہ کہ ظہار۔ اور اگر کہے تو میری ماں کی طرح ہے، تجھے طلاق ہے۔ تو ظہار اور طلاق دونوں واقع ہو جائیں گے۔ یہ کہنا کہ ''تو میرے اوپر ایسی حرام ہے جیسی ماں کی پیٹھ، مالکیہ اور حنابلہ دونوں کے نزدیک ظہار ہے۔ خواہ طلاق ہی کی نیت سے یہ الفاظ کہے گئے ہوں۔ یا نیت کچھ بھی نہ ہو۔ الفاظِ ظہار کی اس بحث میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فقہاء نے اس باب میں جتنی بحثیں کی ہیں وہ سب عربی زبان کے الفاظ اور محاورات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والے نہ عربی زبان میں ظہار کریں گے، نہ ظہار کرتے وقت عربی الفاظ اور فقروں کا ٹھیک ترجمہ زبان سے ادا کریں گے۔ اس لیے کسی لفظ یا فقرے کے متعلق اگر فیصلہ کرنا ہو کہ وہ ظہار کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں۔ تو اسے اس لحاظ سے نہیں جانچنا چاہیے کہ وہ فقہاء کے بیان کردہ الفاظ میں سے کس کا صحیح ترجمہ ہے۔ بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا قائل نے بیوی کو جنسی تعلق کے لحاظ سے محرمات میں سے کسی کے ساتھ صاف صاف تشبیہ دی ہے۔ یا اس کے الفاظ میں دوسرے مفہومات بھی احتمال ہے؟ اس کی نمایاں ترین مثال خود وہ فقرہ ہے جس کے متعلق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام فقہاء اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ عرب میں ظہار کیلئے وہی بولا جاتا تھا۔ اور قرآن مجید کا حکم اسی کے بارے میں نازل ہوا ہے، یعنی ''انتِ علیّ کظھر اُمّی''، (تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے۔) غالباً دنیا کی کسی زبان میں اور کم از کم اردو کی حد تک تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس فقرہ میں کوئی ظہار کرنے والا ایسے الفاظ استعمال نہیں کرسکتا، جو اس عربی فقرے کا لفظی ترجمہ ہوں۔ البتہ وہ اپنی زبان کے ایسے الفاظ ضرور استعمال کرسکتا ہے جن کا مفہوم ٹھیک وہی ہو، جسے ادا کرنے کیلئے ایک عرب یہ فقرہ بولا کرتا تھا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ ''تجھ سے مباشرت میرے لیے ایسی ہے جیسے اپنی ماں سے مباشرت'' یا جیسے بعض جُہلاء بیوی سے کہہ بیٹھتے ہیں کہ تیرے پاس آؤں تو اپنی ماں کے پاس جاؤں''۔

۱۳- قرآن مجید میں جس چیز کو کفارہ لازم آنے کا سبب قرار دیا گیا ہے وہ محض ظہار نہیں ہے۔ بلکہ ظہار کے بعد ''عَود'' ہے۔ یعنی اگر آدمی صرف ظہار کرکے رہ جائے اور عَود نہ کرے، تو اس پر کفارہ لازم نہیں آتا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ عَود کیا ہے جو کفارہ کا موجب ہے؟ اس بارے میں فقہاء کے مسالک یہ ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں: عَود سے مراد مباشرت کا ارادہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محض ارادے سے اور خواہش پر کفارہ لازم آجائے حتی کہ اگر آدمی ارادہ کرکے رہ جائے اور عملی اقدام نہ کرے تب بھی اسے کفارہ دینا پڑے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس حرمت کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفع کرنا چاہے جو اس نے ظہار کر کے بیوی کے ساتھ تعلق زن وشو کے معاملہ میں اپنے اوپر عائد کر لی تھی، وہ پہلے کفارہ دے۔ کیونکہ یہ حُرمت کفارہ کے بغیر رفع نہیں ہو سکتی۔

امام مالکؒ کے اس معاملہ میں تین قول ہیں۔ مگر مالکیہ کے ہاں ان کا مشہور ترین اور صحیح ترین قول اس مسلک کے مطابق ہے، جو اوپر حنفیہ کا بیان ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار سے جس چیز کو اس نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، وہ بیوی کے ساتھ مباشرت کا تعلق تھا۔ اس کے بعد عود یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ یہی تعلق رکھنے کیلئے پلٹے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی ابن قُدامہ نے قریب قریب وہی نقل کیا ہے، جو اوپر دونوں اماموں کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار کے بعد مباشرت کے حلال ہونے کیلئے کفارہ شرط ہے۔ ظہار کرنے والا جو شخص اسے حلال کرنا چاہے، وہ گویا تحریم سے پلٹنا چاہتا ہے۔ اس لیے اسے حکم دیا گیا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے کفارہ دے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی شخص ایک غیر عورت کو اپنے لے حلال کرنا چاہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے نکاح کرے۔

امام شافعیؒ کا مسلک اِن تینوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کا اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اسے حسب سابق بیوی بنائے رکھنا، یا بالفاظ دیگر اسے بیوی کی حیثیت سے روکے رکھنا عود ہے۔ کیونکہ جس وقت اس نے ظہار کیا اسی وقت گویا اس نے اپنے لیے یہ بات حرام کر لی کہ اسے بیوی بنا کر رکھے۔ لہٰذا اگر اس نے ظہار کرتے ہی فوراً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے طلاق نہ دی، اور اتنی دیر تک اسے روکے رکھا جس میں وہ طلاق کے الفاظ زبان سے نکال سکتا تھا تو اس نے عود کرلیا اور اس پر کفارہ واجب ہوگیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک سانس میں ظہار کرنے کے بعد اگر آدمی دوسرے ہی سانس میں طلاق نہ دے دے تو کفارہ لازم آ جائیگا۔ خواہ بعد میں اس کا فیصلہ یہی ہو کہ اس عورت کو بیوی بنا کر نہیں رکھنا ہے۔ اور اس کا کوئی ارادہ اس کے ساتھ تعلقِ زن وشور رکھنے کا نہ ہو۔ حتی کہ چند منٹ غور کر کے وہ بیوی کو طلاق بھی دے ڈالے تو امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے کفارہ اس کے ذمہ لازم رہے گا۔

۱۴۔ قرآن کا حکم ہے کہ ظہار کرنے والا کفارہ دے۔ قبل اس کے کہ زوجین ایک دوسرے کو "مَس" کریں۔ ائمہ اربعہؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں مس سے مراد چھونا ہے۔ اس لیے کفارہ سے پہلے صرف مباشرت ہی حرام نہیں ہے، بلکہ شوہر کسی طرح بھی بیوی کو چھو نہیں سکتا۔ شافعیہ شہوت کے ساتھ چھونے کو حرام کہتے ہیں۔ حنابلہ ہر طرح کے تلذُّذ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اور مالکیہ لذت کیلئے بیوی کے جسم پر بھی نظر ڈالنے کو ناجائز ٹھیراتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک صرف چہرے اور ہاتھوں پر نظر ڈالنا اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۵۔ ظہار کے بعد اگر آدمی بیوی کو طلاق دے دے تو رجعی طلاق ہونے کی صورت میں رجوع کر کے بھی وہ کفارہ دیے بغیر اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ بائن ہونے کی صورت میں اگر اس سے دوبارہ نکاح کرے تب بھی اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ حتی کہ اگر تین طلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے چکا ہو اور عورت دوسرے آدمی سے نکاح کے بعد بیوہ یا مطلقہ ہو چکی ہو اور اس کے بعد ظہار کرنے والا شوہر اس سے از سرِ نو نکاح کر لے، پھر بھی کفارہ کے بغیر اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اسے ماں یا محرمات سے تشبیہ دے کر اپنے اوپر ایک دفعہ حرام کر چکا ہے۔ اور یہ حُرمت کفارے کے بغیر رفع نہیں ہو سکتی۔ اس پر ائمہ اربعہؒ کا اتفاق ہے۔

۱۶- عورت کیلئے لازم ہے کہ جس شوہر نے اس کے ساتھ ظہار کیا ہے۔ اسے ہاتھ نہ لگانے دے جب تک وہ کفارہ ادا نہ کرے۔ اور چونکہ تعلق زن و شو عورت کا حق ہے جس سے ظہار کر کے شوہر نے اسے محروم کیا ہے۔ اس لے اگر وہ کفارہ نہ دے تو بیوی عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ عدالت اس کے شوہر کو مجبور کرے گی کہ وہ کفارہ دے کر حُرمت کی وہ دیوار ہٹائے جو اس نے اپنے اور اس کے درمیان حائل کر لی ہے۔ اور اگر وہ نہ مانے تو عدالت اسے ضرب یا قید یا دونوں طرح کی سزائیں دے سکتی ہے۔ یہ بات بھی چاروں مذاہبِ فقہ میں متفق علیہ ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مذہب حنفی میں عورت کیلئے صرف یہی ایک چارہ کار ہے۔ ورنہ ظہار پر خواہ کتنی مدت گزر جائے، عورت کو اگر عدالت اس مشکل سے نہ نکالے تو وہ تمام عمر معلّق رہے گی۔ کیونکہ ظہار سے نکاح ختم نہیں ہوتا، صرف شوہر کا حقِ تمتع سلب ہوتا ہے۔ مالکی مذہب میں اگر شوہر عورت کو ستانے کے لے ظہار کر کے معلّق چھوڑ دے تو اس پر ایلاء کے احکام جاری ہوں گے۔ یعنی وہ چار مہینے سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ عورت کو روک کر نہیں رکھ سکتا۔ شافعیہ کے نزدیک اگرچہ ظہار میں احکامِ ایلاء تو صرف اس وقت جاری ہو سکتے ہیں، جبکہ شوہر نے ایک مدتِ خاص کیلئے ظہار کیا ہو۔ اور وہ مدت چار مہینے سے زیادہ ہو۔ لیکن چونکہ مذہبِ شافعی کی رو سے شوہر پر اسی وقت کفارہ واجب ہو جاتا ہے، جب وہ عورت کو بیوی بنا کر رکھے رہے۔ اس لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ کسی طویل مدت تک اس کو معلق رکھے۔

۱۷۔ قرآن اور سنت میں تصریح ہے کہ ظہار کا پہلا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے اس سے آدمی عاجز ہو، تب دو مہینے کے روزوں کی شکل میں کفارہ دے سکتا ہے۔ اور اس سے بھی عاجز ہو تب ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ لیکن اگر تینوں کفاروں سے کوئی شخص عاجز ہو تو چونکہ شریعت میں کفارے کی کوئی اور شکل نہیں رکھی گئی ہے۔ اس لیے اسے اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا جب تک وہ ان میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے۔ البتہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ ایسے شخص کی مدد کی جانی چاہیے۔ تاکہ وہ تیسرا کفارہ ادا کر سکے۔ نبی ﷺ نے بیت المال سے ایسے لوگوں کی مدد فرمائی ہے۔ جو اپنی غلطی سے اس مشکل میں پھنس گئے تھے۔ اور تینوں کفاروں سے عاجز تھے۔

۱۸۔ قرآن مجید کفارہ میں رَقَبَہ آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جس کا اِطلاق لونڈی اور غلام دونوں پر ہوتا ہے۔ اور اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ شیر خوار بچہ بھی اگر غلامی کی حالت میں ہو تو اسے آزاد کر دینا کفارہ کیلئے کافی ہے۔ البتہ فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مومن اور کافر دونوں قسم کے غلام آزاد کیے جا سکتے ہیں یا صرف مومن غلام ہی آزاد کرنا ہوگا؟ حنفیہ اور ظاہرِیَّہ کہتے ہیں کہ غلام خواہ مومن ہو یا کافر، اس کا آزاد کر دینا کفارہ ظہار کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ قرآن میں مطلق رَقَبہ کا ذکر ہے۔ یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ مومن ہی ہونا چاہیے۔ بخلاف اس کے شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ اس کیلئے مومن کی شرط لگاتے ہیں۔ اور انہوں نے اس حکم کو ان دوسرے کفاروں پر قیاس کیا ہے، جن میں رَقَبہ کے ساتھ قرآن مجید میں مومن کی قید لگائی گئی ہے۔

۱۹- غلام نہ پانے کی صورت میں قرآن کا حکم ہے کہ ظہار کرنے والا مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے۔ قبل اس کے کہ زوجَین ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اس فرمانِ الٰہی پر عمل کرنے کی تفصیلات مختلف فقہی مذاہب میں حسب ذیل ہیں:

(الف) اس امر پر اتفاق ہے کہ مہینوں سے مراد ہلالی مہینے ہیں۔ اگر طلوع ہلال سے روزوں کا آغاز کیا جائے تو دو مہینے پورے کرنے ہوں گے۔ اگر بیچ میں کسی تاریخ سے شروع کیا جائے تو حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ۶۰ روزے رکھنے چاہئیں۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ پہلے اور تیسرے مہینے میں مجموعی طور پر ۳۰ روزے رکھے۔ اور بیچ کا ہلالی مہینہ خواہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا اس کے روزے رکھ لینے کافی ہیں۔

(ب) حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ روزے ایسے وقت شروع کرنے چاہئیں جبکہ بیچ میں نہ رمضان آئے، نہ عیدَین، نہ یوم النحر اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایامِ تشریق۔ کیونکہ کفارہ کے روزے رکھنے کے دوران میں رمضان کے روزے رکھنے اور عیدین اور یوم النحر اور ایامِ تشریق کے روزے چھوڑنے سے دو مہینے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ بیچ میں رمضان کے روزے رکھنے اور حرام دنوں کے روزے نہ رکھنے سے تسلسل نہیں ٹوٹتا۔

(ج) دو مہینوں کے دوران میں خواہ آدمی کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوڑے یا بلا عذر، دونوں صورتوں میں حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ یہی رائے امام محمد باقر، ابراہیم نخعی، سعید بن جُبیر اور سفیان ثوری کی ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مرض یا سفر کے عذر سے بیچ میں روزہ چھوڑا جا سکتا ہے۔ اور اس سے تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ البتہ بلا عذر روزہ چھوڑ دینے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ کفارہ کے روزے رمضان کے فرض روزوں سے زیادہ مؤکد نہیں ہیں۔ جب ان کو عذر کی بنا پر چھوڑا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو نہ چھوڑا جا سکے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصریؒ، عطاء بن ابی رَباح، سعید بن مسیّب، عَمرو بن دینار، شَعبی، طاؤس، مجاہد، اسحاق بن راہویہ، ابوعُبید اور ابوثور کا ہے۔

(د) دو مہینوں کے دوران میں اگر آدمی اس بیوی سے مباشرت کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹھے جس سے اس نے ظہار کیا ہو، تو تمام ائمہ کے نزدیک اس سے تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ کیونکہ ہاتھ لگانے سے پہلے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۰- قرآن و سنت کی رو سے تیسرا کفارہ (یعنی ۶۰ مسکینوں کا کھانا) وہ شخص دے سکتا ہے جو دوسرے کفارے (دو مہینے کے مسلسل روزوں) کی قُدرت نہ رکھتا ہو۔ اس حکم پر عملدرآمد کرنے کیلئے فقہاء نے جو تفصیلی احکام مرتب کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(الف) ائمہ اربعہؒ کے نزدیک روزوں پر قادر نہ ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی یا تو بڑھاپے کی وجہ سے قادر نہ ہو، یا مرض کے سبب سے، یا اس سبب سے کہ وہ مسلسل دو مہینے تک مباشرت سے پرہیز نہ کر سکتا ہو، اسے اندیشہ ہو کہ اس دوران میں کہیں بے صبری نہ کر بیٹھے۔ ان تینوں عذرات کا صحیح ہونا ان احادیث سے ثابت ہے جو اوس بن صامت انصاریؓ اور سلمہ بن صَخر بَیاضیؓ کے معاملہ میں دار ہوئی ہیں۔ البتہ مرض کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرض کا عذر اس صورت میں صحیح ہوگا جبکہ یا تو اس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو، یا روزوں سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر روزوں سے ایسی شدید مَشَقَّت لاحق ہوتی ہو جس سے آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ دو مہینے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوران میں کہیں سلسلہ منقطع نہ کرنا پڑے، تو یہ عذر بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی کا گمان غالب یہ ہو کہ وہ مستقبل میں روزہ رکھنے کے قابل ہو سکے تو انتظار کرلے۔ اور اگر گمان غالب اس قابل نہ ہو سکنے کا ہو تو مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ روزے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ بالکل کافی عذر ہے۔

(ب) کھانا صرف ان مساکین کو دیا جا سکتا ہے جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ واجب نہ ہوتا ہو۔

(ج) حنفیہ کہتے ہیں کہ کھانا مسلمان اور ذمی دونوں قسم کے مساکین کو دیا جا سکتا ہے۔ البتہ حربی اور مستأمِن کفار کو نہیں دیا جا سکتا۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ صرف مسلمان مَساکین ہی کو دیا جا سکتا ہے۔

(د) یہ امر متفق علیہ ہے کہ کھانا دینے سے مراد دو وقت کا پیٹ بھر کھانا دینا ہے۔ البتہ کھانا دینے کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو وقت کی شکم سیری کے قابل غلہ دے دینا، یا کھانا پکا کر دو وقت کھلا دینا، دونوں یکساں صحیح ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں اِطعام کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی خوراک دینے کے بھی ہیں۔ اور کھلانے کے بھی۔ مگر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ پکا کر کھلانے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ بلکہ غلہ دے دینا ضروری قرار دیتے ہیں۔ غلہ دینے کی صورت میں یہ امر متفق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ ہے کہ وہ غلہ دینا چاہیے۔ جو اس شہر یا علاقے کے لوگوں کی عام غذا ہو۔ اور سب مسکینوں کو برابر دینا چاہیے۔

(ھ) حنفیہ کے نزدیک اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ دن تک کھانا دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے۔ البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک ہی دن اسے ۶۰ دنوں کی خوراک دے دی جائے۔ لیکن باقی تینوں مذاہب ایک مِسکین کو دینا صحیح نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک ۶۰ ہی مساکین کو دینا ضروری ہے۔ اور یہ بات چاروں مذاہب میں جائز نہیں ہے کہ ۶۰ آدمیوں کو ایک وقت کی خوراک اور دوسرے ۶۰ آدمیوں کو دوسرے وقت کی خوراک دی جائے۔

(و) یہ بات چاروں مذاہب میں سے کسی میں جائز نہیں ہے کہ آدمی ۳۰ دن کے روزے رکھے اور ۳۰ مسکینوں کو کھانا دے۔ دو کفارے جمع نہیں کیے جا سکتے۔ روزے رکھنے ہوں تو پورے دو مہینوں کے مسلسل رکھنے چاہئیں۔ کھانا کھلانا ہو تو ۶۰ مسکینوں کو کھلایا جائے۔

(ز) اگر چہ قرآن مجید میں کفارۂ طعام کے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں، کہ یہ کفارہ بھی زَوجَین کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ادا ہونا چاہیے۔ لیکن فَحوائے کلام اس کا مقتضی ہے کہ اس تیسرے کفارے پر بھی اس قید کا اِطلاق ہوگا۔ اسی لیے ائمۂ اربعہ نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے کہ کفارہ طعام کے دوران میں آدمی بیوی کے پاس جائے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ جو شخص ایسا کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹھے اس کے متعلق حنابلہ یہ حکم دیتے ہیں کہ اسے ازسرنو کھانا دینا ہوگا۔ اور حنفیہ اس معاملہ میں رعایت کرتے ہیں کیونکہ اس تیسرے کفارے کے معاملے میں ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا﴾ کی صراحت نہیں ہے۔ اور یہ چیز رعایت کی گنجائش دیتی ہے۔

(تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدت

عدت کا لغوی اور اصطلاحی معنی: عدت کا معنی گنتی یا شمار ہے۔ امام فخر الدینؒ رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

عِدَّةٌ عَدٌّ سے بروزن فِعْلَةٌ بمعنی مَعْدُودٌ ہے جیسا کہ طِحْنٌ بمعنی مَطْحُونٌ اور اسی بنا پر انسانوں کی گنی ہوئی جماعت کو عِدَّةٌ کہتے ہیں اور عورت کی عدت بھی اسی معنی میں ہے، یعنی اس کے گنے ہوئے دن۔ (تفسیر کبیر ۲/۱۷۴)

امام راغبؒ اصفہانی لکھتے ہیں:

عِدَّةٌ کے معنی ہیں ''گنی ہوئی چیز'' چنانچہ ارشاد باری ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ﴾، ''اور نہیں رکھی ہم نے گنتی ان کی''۔ یہاں عِدَّتَهُمْ بمعنی عَدَدَهُمْ آیا ہے اور فرمایا ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾، ''تو گنتی چاہیئے اور دِنوں سے''۔ یعنی ماہِ رمضان چھوڑ کر دوسرے وقت اتنے ہی گنے ہوئے دن کے روزے رکھے جتنے کہ فوت ہوئے ہیں۔

اور ''عدت'' سے مراد عورت کی عدت ہے یعنی وہ ایام جن کے گزر جانے پر اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۝٤٩﴾ (الاحزاب) ''تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں جس کے پورے ہونے کا تم مطالبہ کر سکو۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا ''تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْعِدَّةَ ① (الطلاق) گنتے رہو عدت۔“

عِدَّۃٌ کی جمع عِدَدٌ ہے جیسا کہ سِدْرَۃٌ کی سِدَرٌ، تاج العروس میں ہے عِدَّۃٌ عَدٌّ کی طرح مصدر ہے اور اس کے معنی جماعت کے بھی آتے ہیں خواہ وہ چھوٹی جماعت ہو یا بڑی اور مطلقہ عورت کی عدت یا جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کی عدت اس کے حیض یا حمل کے وہ ایام ہیں جن کو وہ گنتی رہے یا چار ماہ دس دن نیز وہ ایام جن کو شوہر کے سوگ میں گزارے اور حیض اور وضع حمل تک وہ زمانہ کہ جن میں زینت سے اجتناب کرے۔

زمانۂ جاہلیت میں عدت: زمانۂ جاہلیت میں بھی عدت گزارنے کا رواج تھا، مصر کے مشہور محقق سید سابقؒ فرماتے ہیں:

«كَانَتِ الْعِدَّةُ مَعْرُوفَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانُوا لَا يَكَادُونَ يَتْرُكُونَهَا فَلَمَّا جَآءَ الْإِسْلَامُ أَقَرَّهَا لِمَا فِيهَا مِن مَّصَالِحِ». (فقہ السنۃ ۲/ ۳۲۵)

”زمانۂ جاہلیت میں بھی عدت گزارنے کا رواج تھا اور وہ اسے ترک نہیں کرتے تھے، پھر جب اسلام آیا تو اس نے چند مصالح کی خاطر اسے برقرار رکھا“۔

زمانۂ جاہلیت میں دُستور تھا کہ بیوہ ایک تنگ کمرہ میں، بدترین کپڑے پہن کر، سال بھر، مقید رہتی تھی اور اس عرصہ میں ہر طرح کی زینت سے احتراز کرتی تھی، سال گزرنے کے بعد کوئی جانور اس کے کمرے میں بھیجا جاتا جس سے پونچھ کر وہ اپنی شرمگاہ کو صاف کرتی پھر کمرے سے نکل کر اسے مینگنی دی جاتی جسے وہ اٹھا کر پھینکتی یہ اِنقضاءِ عدت کی علامت ہوتی تھی۔

عِدت کا وُجوب: عورت کے لیے عدت گزارنا واجب ہے اس پر تمام علماءِ امت کا اِجماع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ﴿٢٢٨﴾﴾. (البقرۃ)

''جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔''

قانونِ عدت میں حکمت: عدت کے اس قانون میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ رشتۂ نکاح کی عظمت وتقدس کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر عدت کا قانون نہ ہو اور عورت کو اجازت ہو کہ شوہر کی طرف سے طلاق کے بعد وہ اپنی حسبِ خواہش فوراً ہی دوسرا نکاح کر لے تو یقیناً یہ بات نکاح کی عظمتِ شان کے خلاف ہوگی اور نکاح بچوں کا ایک کھیل سا ہو جائے گا۔

دوسری مصلحت خاص کر طلاقِ رجعی کی صورت میں یہ بھی ہے کہ عدت کی اس مدت میں مرد کے لیے امکان ہوگا کہ وہ معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے رجعت کر لے اور پھر دونوں میاں بیوی بن کے زندگی گزارنے لگیں، یہی بات اللہ اور رسول کو زیادہ پسند ہے۔ اسی لیے طلاقِ رجعی کی عدت میں عورت کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنانے، سنوارنے کا اہتمام کرے اور اپنا رویہ ایسا رکھے کہ شوہر کی طبیعت پھر اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ رجعت کر لے۔ اور طلاقِ بائنہ کی صورت میں اگرچہ رجعت کا امکان تو نہیں رہتا لیکن زمانۂ عدت میں عورت کو دوسرا نکاح نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کی زیادہ گنجائش رہتی ہے کہ دونوں باہم راضی ہو کر دوبارہ نکاح کے ذریعہ اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑ لیں۔

ایک تیسری مصلحت یہ بھی ہے کہ عدت کے اس قانون کی وجہ سے عورت سے آئندہ پیدا ہونے والے بچے کے نسبت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر حال قانونِ عدت کی یہ چند کھلی ہوئی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے اکثر متمدن قوموں کے قوانین میں میاں بیوی کی علیحدگی کی صورت کسی نہ کسی شکل میں عدت کا ضابطہ موجود ہے لیکن بعض قوموں کے قانون میں یہ عدت بہت طویل رکھی گئی ہے۔ جو بیچاری عورت کے لیے تکلِیفُ مَا لاَ یُطَاقُ ہے، شریعت اسلام نے جو مدت مقرر کی ہے وہ یقیناً معتدل اور متوسط ہے۔

عِدَّت کی اَقسام

عدت کی چار اقسام ہیں (۱) جس عورت کو ماہواری آتی ہو اس کی عدت تین حیض ہیں، (۲) وہ عورت جس کو ماہواری آنی بند ہو گئی ہو یا ابھی سن ماہواری کو نہ پہنچی ہو اس کی عدت تین ماہ ہے، (۳) جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور وہ حاملہ بھی نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، (۴) وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور وہ حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

عدت کی اقسام کا یہ اجمالی ذکر ہے آگے چل کر ہم ان کی تفصیل بیان کریں گے۔ پھر عورت کی دو قسمیں ہیں مَدخُولہ ہو گی یا غیر مَدخُولہ۔

غیر مدخولہ کی عدت: جس عورت کی نکاح کے بعد خاوند سے ہمبستری نہ ہوئی ہو اس کو غیر مدخولہ کہتے ہیں، اس کو اگر طلاق ہو جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾ (۴۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(الاحزاب) کوئی عدت لازم نہیں جس کے
پورے ہونے کا تم مطالبہ کر سکو۔''

۱۔ اس آیت سے جو قانونی احکام نکلتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

آیت میں اگرچہ ''مومن عورتوں'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ کتابی عورتوں کے معاملہ میں قانون وہ نہیں ہے جو یہاں بیان ہوا ہے، لیکن تمام علماءِ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ معنًی یہی حکم کتابیات کے بارے میں بھی ہے۔ یعنی کتابی عورت سے بھی کسی مسلمان نے نکاح کیا ہو تو اس کی طلاق، اس کے مہر، اس کی عدت اور اس کو متعہ طلاق دینے کے جملہ احکام وہی ہیں جو مومن عورت سے نکاح کی صورت میں ہیں۔ علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مخصوص طور پر صرف مومن عورتوں کا ذکر جو کیا ہے اس سے مقصود دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مسلمانوں کے لیے مومن عورتیں ہی موزوں ہیں۔ یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح جائز ضرور ہے مگر مناسب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کے اس اندازِ بیان سے یہ بات مُترشّح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل ایمان سے توقع یہی ہے کہ وہ مومن عورتوں سے نکاح کریں گے۔

۲۔ ''ہاتھ لگانے'' یا ''مس'' کرنے سے مراد لغت کے اعتبار سے تو محض چھونا ہے، لیکن یہاں یہ لفظ کنایۃً مباشرت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس لحاظ سے ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر شوہر نے مباشرت نہ کی ہو تو خواہ وہ عورت کے پاس تنہائی میں رہا ہو، بلکہ اسے ہاتھ بھی لگا چکا ہو تب بھی طلاق دینے کی صورت میں عدت لازم نہ آئے۔ لیکن فقہاء نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برسبیل احتیاط یہ حکم لگایا ہے کہ اگر خلوت صحیحہ ہو جائے (یعنی جس میں مباشرت ممکن ہو) تو اس کے بعد طلاق دینے کی صورت میں عدت لازم آئے گی اور سقوطِ عدت صرف اس حالت میں ہوگی جبکہ خلوت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو۔

٣- طلاق، قبلِ خلوت کی صورت میں عدت ساقط ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ اس صورت میں مرد کا حقِ رجوع باقی نہیں رہتا اور عورت کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ طلاق کے فوراً بعد جس سے چاہے نکاح کر لے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حکم صرف طلاق قبلِ خلوت کا ہے۔ اگر خلوت سے پہلے عورت کا شوہر مر جائے تو اس صورت میں عدتِ وفات ساقط نہیں ہوتی بلکہ عورت کو وہی چار مہینے دس دن کی عدت گزارنی ہوتی ہے جو منکوحہ مدخولہ کے لیے واجب ہے۔ (عدت سے مراد وہ مدت ہے جس کے گزرنے سے پہلے عورت کے لیے دوسرا نکاح جائز نہ ہو)۔

٤- ﴿مَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ﴾ "تمہارے لیے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے۔" کے الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ عدت عورت پر مرد کا حق ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ صرف مرد ہی کا حق ہے۔ دراصل اس میں دو حق اور بھی شامل ہیں۔ ایک حقِ اولاد۔ دوسرے حق اللہ یا حق الشرع۔ مرد کا حق وہ اس بنا پر ہے کہ اس دوران اس کو رجوع کر لینے کا حق ہے، نیز اس بنا پر کہ اس کی اولاد کے نسب کا ثبوت اس بات پر منحصر ہے کہ عدت کے زمانہ میں عورت کا حاملہ ہونا یا نہ ہونا ظاہر ہو جائے۔ اولاد کا حق اس میں شامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اپنے باپ سے بچے کے نسب کا ثابت ہونا اس کے قانونی حقوق قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کے لیے ضروری ہے اور اس کے اخلاقی مرتبے کا انحصار بھی اس امر پر ہے کہ اس کا نسب مشتبہ نہ ہو۔ پھر اس میں حق اللہ (یا حق الشرع) اس لیے شامل ہو جاتا ہے کہ اگر لوگوں کو اپنے اور اپنی اولاد کے حقوق کی پرواہ نہ بھی ہو تو اللہ کی شریعت ان حقوق کی حفاظت ضروری سمجھتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو یہ پروانہ بھی لکھ کر دیدے کہ میرے مرنے کے بعد یا مجھ سے طلاق لے لینے کے بعد تیرے اوپر میری طرف سے کوئی عدت واجب نہ ہوگی تب بھی شریعت کسی حال میں اس کو ساقط نہ کرے گی۔

۵- ابن عباسؓ، سعیدؒ بن المسیب، حسنؒ بصری، علیؒ بن الحسین (زین العابدین)، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل نے آیت کے الفاظ ''جب تم نکاح کرو پھر طلاق دے دو'' سے یہ استدلال کیا ہے کہ طلاق اسی صورت میں واقع ہوتی ہے جبکہ اس سے پہلے نکاح ہو چکا ہو۔ نکاح سے پہلے طلاق بے اثر ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ''اگر میں فلاں عورت سے، یا فلاں قبیلے یا قوم کی عورت سے، یا کسی عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے''۔ تو یہ قول لغو و بے معنی ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوسکتی۔ اس خیال کی تائید میں یہ احادیث پیش کی جاتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''لاَ طَلاَقَ لِابْنِ آدَمَ فِي مَا لاَ يَمْلِكُ''. ''ابن آدم جس چیز کا مالک نہیں ہے اس کے بارے میں طلاق کا اختیار استعمال کرنے کا وہ حق نہیں رکھتا''۔ (احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ) اور ''لاَ طَلاَقَ قَبْلَ النِّكَاحِ''. ''نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں''۔ (ابن ماجہ) مگر فقہاء کی ایک بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ اس آیت اور ان احادیث کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطلاق صرف اس بات پر ہوتا ہے کہ کوئی شخص ایک غیر عورت کو جو اس کے نکاح میں نہ ہو یوں کہے کہ "تجھ پر طلاق ہے" یا "میں نے تجھے طلاق دی"۔ یہ قول بلاشبہ لغو ہے جس پر کوئی قانونی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ یوں کہے کہ "اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق ہے"۔ تو یہ نکاح سے پہلے طلاق دینا نہیں ہے بلکہ دراصل وہ شخص اس امر کا فیصلہ اور اعلان کرتا ہے کہ جب وہ عورت اس کے نکاح میں آئے گی تو اس پر طلاق وارد ہوگی۔ یہ قول لغو و بے اثر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جب بھی وہ عورت اس کے نکاح میں آئے گی اسی وقت اس پر طلاق پڑ جائے گی۔ یہ مسلک جن فقہاء کا ہے ان کے درمیان پھر اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ اس نوعیت کے ایقاعِ طلاق کی وسعت کس حد تک ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام زُفرؒ کہتے ہیں کہ خواہ کوئی شخص، عورت یا قوم یا قبیلے کی تخصیص کرے یا مثال کے طور پر عام بات اس طرح کہے کہ "جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس پر طلاق ہے"۔ دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابوبکر جصاص نے یہی رائے حضرت عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابراہیم النخعیؒ، مجاہدؒ اور عمر بن عبدالعزیز رحمھم اللہ سے بھی نقل کی ہے۔

سفیان ثوری اور عثمان البتی کہتے ہیں کہ طلاق صرف اُسی صورت میں پڑے گی جب کہنے والا یوں کہے کہ "اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے"۔

حسنؒ بن صالح، لیثؒ بن سعد اور عامرؒ الشعبی کہتے ہیں کہ اس طرح کی طلاق عمومیت کے ساتھ بھی پڑ سکتی ہے بشرطیکہ اس میں کسی نوع کی تخصیص ہو۔ مثلاً آدمی نے یوں کہا ہو کہ "اگر میں فلاں خاندان، یا فلاں قبیلے، یا فلاں شہر یا ملک یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوم کی عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے"۔

ابن ابی لیلیٰ اور امام مالکؒ اوپر کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مزید شرط یہ لگاتے ہیں کہ اس میں مدت کا بھی تعین ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر آدمی نے یوں کہا ہو کہ "اگر میں اس سال یا آئندہ دس سال کے اندر فلاں عورت یا فلاں گروہ کی عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے"۔ تب یہ طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں، بلکہ امام مالکؒ اس پر اتنا اضافہ اور کرتے ہیں کہ اگر یہ مدت اتنی طویل ہو جس میں اس شخص کا زندہ رہنا متوقع نہ ہو تو اس کا قول بے اثر رہے گا۔

اگر کسی عورت کی نکاح کے بعد خاوند سے خلوت نہیں ہوئی اور خاوند فوت ہو گیا تو اس کو بھی عدت گزارنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح خلوت کے بعد والی عورت کے لیے عدت گزارنا ضروری ہے۔

حائضہ عورت کی عدت: جس عورت کی اپنے خاوند سے ملاقات اور ہمبستری ہو چکی ہو اور اس کو ماہواری بھی آتی ہو تو اس کو اگر طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین قُرُوء ہے۔ اور لفظ قُرُوء قَرء کی جمع ہے۔ جس کے معنی حیض کے بھی آتے ہیں اور طہر کے بھی۔ حضرت امام شافعیؒ مطلقہ کی عدت تین طہر بتاتے ہیں جبکہ دیگر محدثین اور جمہور علماء تین حیض عدت کے قائل ہیں اور دلائل کے لحاظ سے یہ دوسرا مسلک ہی زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ اسی قول کو محقق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لفظ قرء کلام شارع علیہ السلام میں صرف حیض کے لیے آیا ہے کسی ایک موقع پر بھی طہر کے لیے نہیں آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مستحاضہ سے فرمایا: "دَعِي الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِكِ"۔ "اپنے ایامِ حیض میں نماز چھوڑ دے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس رسول اللہ ﷺ سے زیادہ بہتر کلامِ الٰہی کی تعبیر اور کون کر سکتا ہے؟ آپؐ سے زیادہ اپنی قوم کے لغت کا ماہر کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟ یہی لغت جس پر قرآن نازل ہوا پس جب ثابت ہو گیا کہ شارعؑ نے اسے حیض کے لیے استعمال کیا ہے، تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ قرء کا حمل درحقیقت کس معنی پر کیا جائے گا؟

کیا ''خلق'' سے مراد حیض ہے؟ اسی طرح ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ ﴿٢٢٨﴾﴾ (البقرة) میں ''خلق'' سے مراد حیض ہے، اور عام مفسرین کے نزدیک حمل، رحم میں جو مخلوق ہے وہ درحقیقت حیض وجودی ہے یہی وجہ ہے کہ سلف اور خلف نے اسے حمل اور حیض قرار دیا ہے، البتہ بعض اسے صرف حیض اور بعض صرف حمل کہتے ہیں، لیکن کسی نے بھی طہر نہیں کہا ہے۔

عدت کا حکم عدم حیض پر معلق ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّـٰئِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَـٰثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّـٰئِي لَمْ يَحِضْنَ ﴿٤﴾﴾ (الطلاق)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ ان کے معاملہ میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور یہی حکم ان کا ہے جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو۔''

گویا اللہ تعالیٰ نے عدمِ حیض پر عدت کے حکم کو معلق رکھا ہے نہ کہ عدمِ طہر پر۔

عدت تین حیض تک: اسی طرح حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طَلَاقُ الأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ». (ابوداود ۳۰۵/۱، ترمذی

''یعنی باندی کے لیے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳/۴۸۸، ابن ماجہ ۱/۶۷۲)

ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی ایک اور حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ:
''بریرہؓ کو حکم دیا گیا کہ تین حیض تک کی عدت گزاریں!''۔ (ابن ماجہ ۱/۶۷۱)

نیز ایک اور حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے ثابتؓ بن قیس بن شماس کی بیوی کو جب انہوں نے اپنے شوہر سے خلع لے لیا، ایک حیض تک اپنے تئیں روکے رہنے کا حکم دیا، ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ایک حیض تک عدت گزارنے کا لفظ آیا ہے، اسی طرح کی روایت ترمذی کی بھی ہے۔

باندی کا اِستبراء ایک حیض ہے: اسی طرح اِستبراء کا معاملہ ہے، ابن عبدالبر کا قول ہے کہ بالاجماع باندی کا استبراء ایک حیض کی مدت ہے۔

غرض سنن صحیحہ سے ثابت ہے کہ استبراء، حیض کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ طہر کے ساتھ، امام شافعیؒ کا بھی صحیح قول یہی ہے کہ باندی کا استبراء ایک حیض کا زمانہ ہے۔

استبراء اور حیض میں مماثلت: غرض جمہور کا مسلک یہی ہے کہ عدت، اِستبراءِ حیض ہے نہ کہ طہر، اور یہ استبراء باندی کے حق میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو ایک آزاد عورت کے حق میں عدت کی ہے۔

بہر حال امر متمیز حیض ہے، ایک عورت جب حائضہ ہوتی ہے تو اس کے بلوغ کے ساتھ ہی اس کے احکام میں تغیر واقع ہو جاتا ہے، اس پر بعض عبادتیں اس دوران میں حرام ہو جاتی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، طواف، اور مسجد میں داخلہ، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب خون بند ہو جاتا ہے وہ غسل کر لیتی ہے، اور طہر میں داخل ہو جاتی ہے، تو تجدُّدِ طہر سے احکام میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، بلکہ زمانہ حیض کے احکامِ صغیرہ، زوال آشنا ہو جاتے ہیں، یعنی طہر کے بعد، وہ اس حالت پر واپس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ جاتی ہے جس پر حیض سے قبل تھی۔ غرض طہر سے احکام نہیں بدلتے، وہ قُرُوء (حیض) ہے جو عورت کے احکام بدل دیتا ہے، اور یہ تغیر صرف حیض ہی سے حاصل ہوتا ہے، طہر سے نہیں۔ (زاد المعاد ۳/۹۶)

ان عورتوں کی عدت جن کو حیض آنا بند ہو چکا ہو: جن کا حیض آنا بند ہو گیا ہوان کی عدت تین ماہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ﴾ (الطلاق)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملہ میں اگر تم لوگوں کو شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے، اور یہی حکم ان کا ہے جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو۔''

اس تحریر کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے (۱) وہ عورتیں جن کو حیض آنے کے بعد بند ہو چکا ہو، (۲) وہ عورتیں جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو۔ پہلی قسم کی عورتیں جن کو حیض آنا قطعی بند ہو چکا ہو اور کِبر سنی کی وجہ سے وہ سن ایاس میں داخل ہو چکی ہوں۔ ان کی عدت اس روز سے شمار ہو گی جس روز انہیں طلاق دی گئی ہو۔ اور تین مہینوں سے مراد تین قمری مہینے ہیں۔ اگر قمری مہینے کے آغاز میں طلاق دی گئی ہو تو بالاتفاق رؤیتِ ہلال کے لحاظ سے عدت شمار ہو گی، اور اگر مہینے کے بیچ میں کسی وقت طلاق دی گئی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ۳۰ دن کا مہینہ قرار دے کر ۳ مہینے پورے کرنے ہوں گے۔ (بدائع الصنائع)

رہیں وہ عورتیں جن کے حیض میں کسی نوع کی بے قاعدگی ہو، ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعیدؒ بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جس عورت کو طلاق دی گئی ہو، پھر ایک دو مرتبہ حیض آنے کے بعد اس کا حیض بند ہو گیا ہو، وہ ۹ مہینے انتظار کرے۔ اگر حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ ۹ مہینے گزرنے کے بعد وہ مزید تین مہینے عدت گزارے، پھر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کے لیے حلال ہو گی۔

ابن عباسؓ، قتادہؒ اور عکرمہؒ کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال بھر حیض نہ آیا ہو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

طاؤسؒ کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال میں ایک مرتبہ حیض آئے اس کی عدت تین حیض ہے۔ یہی رائے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے مروی ہے۔

امام مالکؒ کی روایت ہے کہ ایک صاحب حِبّان نامی تھے جنہوں نے اپنی بیوی کو ایسے زمانے میں طلاق دی جبکہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھیں اور اس پر ایک سال گزر گیا مگر انہیں حیض نہ آیا۔ پھر وہ صاحب انتقال کر گئے۔ مطلقہ بیوی نے وراثت کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے مشورہ طلب کیا۔ دونوں بزرگوں کے مشورے سے حضرت عثمانؓ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت وارث ہے۔ دلیل یہ تھی کہ نہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور نہ ان میں سے ہے جن کو ابھی حیض نہیں آیا، لہٰذا وہ شوہر کے مرنے تک اپنے اس حیض پر تھی جو اسے پہلے آیا تھا اور اس کی عدت باقی تھی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس عورت کا حیض بند ہو گیا ہو، مگر اس کا بند ہونا سن ایاس کی وجہ سے نہ ہو کہ آئندہ اس کے جاری ہونے کی امید نہ رہے، اس کی عدت یا تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیض ہی سے ہوگی اگر وہ آئندہ جاری ہو، یا پھر اس عمر کے لحاظ سے ہوگی جس میں عورتوں کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد وہ تین مہینے عدت گزار کر نکاح سے آزاد ہوگی۔ یہی قول امام شافعیؒ، امام ثوری اور امام لیث کا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کا ہے۔

امام مالکؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباس کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت پہلے ۹ مہینے گزارے گی۔ اگر اس دوران حیض جاری نہ ہو تو پھر وہ تین مہینے اس عورت کی سی عدت گزارے گی جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو۔ ابن القاسم نے امام مالکؒ کے مسلک کی توضیح یہ کی ہے کہ ۹ مہینے اس روز سے شمار ہوں گے جب آخری مرتبہ اس کا حیض ختم ہوا تھا نہ کہ اس روز سے جب اسے طلاق دی گئی۔ (یہ تمام تفصیلات احکام القرآن للجصاص اور بدائع الصنائع للکاسانی سے ماخوذ ہیں)

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جس کی عدت، حیض کے اعتبار سے شروع ہوئی تھی، عدت کے دوران آئسہ ہو جائے تو اسے حیض والی عورتوں کے بجائے آئسہ عورتوں والی عدت گزارنی ہوگی۔ اور اگر اس کو حیض آنا بند ہو جائے اور معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کیوں بند ہو گیا ہے تو پہلے وہ حمل کے شبہ میں ۹ مہینے گزارے گی اور پھر اسے تین مہینے عدت کے پورے کرنے ہوں گے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ حیض کیوں بند ہوا ہے، مثلاً کوئی بیماری ہو یا دودھ پلا رہی ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو تو وہ اس وقت تک عدت میں رہے گی جب تک یا تو حیض آنا شروع ہو جائے اور عدت، حیضوں کے لحاظ سے شمار ہو سکے، یا پھر وہ آئسہ ہو جائے اور آئسہ عورتوں کی سی عدت گزار سکے۔ (الانصاف ۹/۲۸۵)

وہ عورتیں جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو: حیض: خواہ کم سنی کی وجہ سے نہ آیا یا اس وجہ سے کہ بعض عورتوں کو بہت دیر میں حیض آنا شروع ہوتا ہے۔ اور شاذ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ونادر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی عورت کو عمر بھر نہیں آتا بہر حال تمام صورتوں میں ایسی عورت کی عدت وہی ہے جو آئسہ عورت کی عدت ہے۔ یعنی طلاق کے وقت سے تین مہینے۔

اس جگہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق عدت کا سوال اس عورت کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے جس سے شوہر خلوت کر چکا ہو، کیونکہ خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں سرے سے کوئی عدت ہے ہی نہیں۔ (سورۂ احزاب، آیت: ۴۹) اس لیے ایسی لڑکیوں کی عدت بیان کرنا جنہیں حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس اس عمر میں نہ صرف لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ جس چیز کو قرآن نے جائز قرار دیا ہو اسے ممنوع قرار دینے کا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا۔

جس لڑکی کو ایسی حالت میں طلاق دی گئی ہو کہ اسے ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، اور پھر عدت کے دوران اس کو حیض آجائے، تو وہ پھر اسی حیض سے عدت شروع کرے گی اور اس کی عدت حائضہ عورتوں جیسی ہوگی۔

مُطلّقہ حاملہ کی عدت: اس امر پر تمام اہلِ علم کا اجماع ہے کہ مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف واقع ہو گیا ہے کہ آیا یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس کا شوہر زمانہ حمل میں وفات پا گیا ہو؟ یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۴ میں اس عورت کی عدت ۴ مہینے دس دن بیان کی گئی ہے جس کا شوہر وفات پا جائے، اور وہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم آیا تمام بیوہ عورتوں کے لیے عام ہے یا ان عورتوں کے لیے خاص ہے جو حاملہ نہ ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ استنباط کرتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو وضع حمل تک ہی ہے، مگر بیوہ حاملہ کی عدت آخر الاجلین ہے، یعنی مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ طویل ہو وہی اس کی عدت ہے۔ مثلاً اگر اس کا بچہ ۴ مہینے دس دن سے پہلے پیدا ہو جائے تو اسے چار مہینے دس دن پورے ہونے تک عدت گزارنی ہوگی۔ اور اگر اس کا وضع حمل اس وقت تک نہ ہو تو پھر اس کی عدت اس وقت پوری ہوگی جب وضع حمل ہو جائے۔ یہی مذہب امامیہ کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ سورۂ طلاق کی یہ آیت، سورۂ بقرہ کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لیے بعد کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو غیر حاملہ بیوہ کے لیے خاص کر دیا ہے اور ہر حاملہ کی عدت وضع حمل تک مقرر کر دی ہے، خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس مسلک کی رو سے عورت کا وضع حمل چاہے شوہر کی وفات کے فوراً بعد ہو جائے یا ۴ مہینے دس دن سے زیادہ طول کھینچے، بہرحال بچہ پیدا ہوتے ہی وہ عدت سے باہر ہو جائے گی۔ اس مسلک کی تائید حضرت اُبیؓ بن کعب کی یہ روایت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں، جب سورۂ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا یہ مطلقہ اور بیوہ دونوں کے لیے ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: ہاں۔ دوسری روایت میں آپؐ نے مزید تصریح فرمائی "أَجَلُ كُلِّ حَامِلٍ أَنْ تَضَعَ مَا فِي بَطْنِهَا". "ہر حاملہ عورت کی عدت کی مدت اس کے وضع حمل تک ہے"۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں کلام کی گنجائش ہے، لیکن چونکہ یہ متعدد سندوں سے نقل ہوئی ہے اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے)۔ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اس کی مضبوط تائید سُبَيْعَہ اَسْلَمِيَّہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا۔ وہ بحالتِ حمل بیوہ ہوئی تھیں اور شوہر کی وفات کے چند روز بعد (بعض روایات میں ۲۰ دن، بعض میں ۲۳ دن، بعض میں ۲۵ دن، بعض میں ۴۰ دن اور بعض میں ۳۵ دن بیان ہوئے ہیں) ان کا وضع حمل ہوگیا تھا۔ آپؐ سے ان کے معاملہ میں فتویٰ پوچھا گیا تو آپؐ نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ کو بخاری و مسلم نے کئی طریقوں سے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے۔ اسی واقعہ کو بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں کے ساتھ حضرت مِسوَر بن مخرمہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم نے خود سُبَیْعَہ اَسلَمِیَّہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت سعد بن خولہ کی بیوی تھی۔ حجۃ الوداع کے زمانے میں میرے شوہر کا انتقال ہوگیا جبکہ میں حاملہ تھی۔ وفات کے چند روز بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہوگیا۔ ایک صاحب نے کہا کہ تم چار مہینے دس دن سے پہلے نکاح نہیں کرسکتیں۔ میں نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فتویٰ دیا کہ تم وضع حمل ہوتے ہی حلال ہوچکی ہو، اب چاہو تو دوسرا نکاح کرسکتی ہو، اس روایت کو بخاری نے بھی مختصراً نقل کیا ہے۔

صَحابہؓ کی کثیر تعداد سے یہی مسلک منقول ہے۔ امام مالک، امام شافعی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حاملہ بیوہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ اس پر انصار میں سے ایک صاحب بولے کہ حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہا تھا کہ اگر شوہر ابھی دفن بھی نہ ہوا ہو بلکہ اس کی لاش اس کے بستر پر ہی ہو اور اس کی بیوی کے ہاں بچہ ہو جائے تو وہ دوسرے نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔

یہی رائے حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابومسعودؓ بدری اور حضرت عائشہؓ کی ہے، اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی کو ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر حاملہ کے پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو آخری بچے کی ولادت پر عدت ختم ہو گی۔ بچہ خواہ مُردہ ہی پیدا ہو، اس کی ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی۔ اِسقاطِ حمل کی صورت میں اگر دائیاں اپنے فن کی رو سے یہ کہیں کہ یہ محض خون کا لوتھڑا نہ تھا بلکہ اس میں آدمی کی صورت پائی جاتی تھی، یا یہ رسولی نہ تھی بلکہ آدی کی اصل تھی تو ان کا قول قبول کیا جائے گا اور عدت ختم ہو جائے گی۔ (مغنی المحتاج) حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک بھی اس کے قریب قریب ہے، مگر اِسقاط کے معاملہ میں ان کا مذہب یہ ہے کہ جب تک انسانی بناوٹ ظاہر نہ پائی جائے، محض دائیوں کے اس بیان پر کہ یہ آدمی ہی کی اصل ہے، اعتماد نہیں کیا جائے گا اور اس سے عدت ختم نہ ہو گی۔ (بدائع الصنائع، الانصاف) لیکن موجودہ زمانے میں طبی تحقیقات کے ذریعہ سے یہ معلوم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی کہ جو چیز ساقط ہوئی ہے وہ واقعی انسانی حمل کی نوعیت رکھتی تھی یا کسی رسولی یا جمے ہوئے خون کی قسم سے تھی، اس لیے اب جہاں ڈاکٹروں سے رائے حاصل کرنا ممکن ہو وہاں یہ فیصلہ بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ جس چیز کو اِسقاطِ حمل کہا جاتا ہے وہ واقعی اِسقاط تھا یا نہیں اور اس سے عدت ختم ہوئی یا نہیں۔ البتہ جہاں ایسی طبی تحقیق ممکن نہ ہو وہاں حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک ہی زیادہ مبنی بر احتیاط ہے اور جاہل دائیوں پر اعتماد کرنا مناسب نہیں ہے۔

مُرضعہ مُطلّقہ کی عدت: جس عورت کو حیض آنے کی امید ہو خواہ جلدی یا دیر سے، اس کی عدت حیضوں کے ساتھ پوری ہوتی ہے۔ حِبّان بن منذر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس کی گود میں دودھ پیتا بچہ تھا ایک سال تک اس کو حیض نہیں آیا پھر حبان بن منذر بیمار ہو کر فوت ہو گئے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ دیا کہ اس کی عدت پوری نہیں ہوئی۔ (احکام القرآن لابن عربی ۲/۳۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کی عدت، حیض کے ساتھ ہے، خواہ دیر سے آئے یا جلدی۔

خُلعہ کی صورت میں عدت: اس میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ خلع کی عدت وہی ہے جو طلاق کی ہے، یہ رائے جمہور امت کی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہے، یہ رائے خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کی ہے۔ اور اسی کے مطابق انہوں نے ایک مقدمہ کا فیصلہ بھی دیا تھا۔

مفسر قرآن حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاق بن راہویہؒ کا مسلک ہے کہ خُلع کی عدت، طلاق کی عدت ہے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ اور سعید بن مسیبؒ، سلیمان ابن یسار، عُروہ، سالم، ابوسلمہ، عمر بن عبدالعزیز، ابن شہاب، حسن، شعبی، ابراہیم نخعی، ابوعیاض، فلاس بن عَمرو، قتادہ، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور ابوعُبید رحمھم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ''اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خلع چونکہ طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدتِ طلاق کے ہے۔'' دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے حضرت عثمانؓ کا یہی فیصلہ ہے۔ ابن عمرؓ تو تین حیض کا فتوی دیتے تھے، لیکن ساتھ ہی فرما دیا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں اور ابن عمرؓ سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے۔ ابن عباس، عکرمہ، ابان بن عثمان اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ضروری ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو۔ ابوداود اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابتؓ بن قیس کی بیوی کو آپؐ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا کم دیا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ رُبَیّع بنت معوذ کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض گزارنے کا آپؐ کا فرمان صادر ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آ جانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو، مریم مغالبہ کے بارے میں آپؐ کا جو فیصلہ تھا اس کی متابعت حضرت امیر المؤمنین نے کی۔

(ابن کثیر ۱/ ۴۸۹)

شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔ حضرت عثمانؓ، ابن عباسؓ کا مسلک یہی ہے۔ اسحاق بن راہویہؒ اور امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا بھی یہی فتوی ہے۔''

نیز حضرت عکرمہؒ، حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ثابتؓ بن قیس کی بیوی نے ان سے جب خلع حاصل کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی عدت ایک حیض قرار دی۔

یہ حدیث موجب سنت وقضاء رسول اللہ ﷺ اور موافق اقوالِ صحابہؓ ہے، اور مقتضائے قیاس بھی ہے۔ اس کی عدت کے لیے ایک حیض کافی ہے۔ جس سے بَرَاءتِ رحم ہو جاتی ہے۔ (زاد المعاد ۵/ ۶۷۸)

درحقیقت عدت کا مقصد صرف اتنا ہے کہ معلوم ہو جائے عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ تا کہ نسب میں اختلاط اور عدتِ وفات اور طلاق میں اشتباہ واقع نہ ہو پہلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت سوگ کی ہوتی ہے اور دوسری صورت مظلومیت کی اور ان دونوں صورتوں میں عقد جدید کے لیے دل ودماغ کو تیار کرنے کے لیے نسبتہً زیادہ مہلت درکار ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی عدت ذرا طویل ہے۔ اور خلع چونکہ عورت خود لیتی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے ایک ماہ کی عدت بہت کافی ہے۔ ابوجعفر النحاس نے اپنی کتاب ''ناسخ ومنسوخ'' میں اس پر اجماع صحابہؓ کا دعویٰ کیا ہے۔

مطلقہ مبتوتہ کے لیے نان ونفقہ اور سکونت: اس امر میں تمام علماء وفقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقہ کو اگر رجعی طلاق دی گئی ہو تو شوہر پر اس کی سکونت اور اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو خواہ اسے رجعی طلاق دی گئی ہو یا قطعی طور پر الگ کر دینے والی، بہرحال اس کے وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔ اس کے بعد اختلاف اس امر میں ہوا ہے کہ آیا غیر حاملہ مطلقہ، مبتوتہ (یعنی جسے قطعی طور پر الگ کر دینے والی طلاق دی گئی ہو) سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے؟ یا صرف سکونت کا حق رکھتی ہے؟ یا دونوں میں سے کسی کی بھی حق دار نہیں ہے؟

ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے۔ یہ رائے حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت علیؒ بن حسین (امام زین العابدین)، قاضی شُریح اور ابراہیم نخعیؒ کی ہے۔ اسی کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، اور امام سفیان ثوریؒ اور حسن بن صالحؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس کی تائید دار قطنی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْمُطَلَّقَةَ ثَلَاثًا لَهَا السُّكْنىٰ وَالنَّفَقَةُ''. ''جس عورت کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں اس کے لیے زمانۂ عدت میں سکونت اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نفقہ کا حق ہے۔"

اس کی مزید تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث کو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ہم ایک عورت کے قول پر اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبیؐ کی سنت کو ترک نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے علم میں لازماً رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت ہوگی کہ ایسی عورت کے لیے نفقہ اور سکونت کا حق ہے۔ بلکہ ابراہیم نخعیؒ کی ایک روایت میں تو یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث کو رد کرتے ہوئے فرمایا تھا: "سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ". "میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایسی عورت کے لیے سکونت کا حق بھی ہے اور نفقہ کا بھی"۔ امام ابوبکر جصاص اَحکام القرآن میں اس مسئلے پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس مسلک کے حق میں پہلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے: ﴿فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾، "ان کو ان کی عدت کے لیے طلاق دو"۔ اس فرمانِ الٰہی کا اِطلاق اس شخص پر بھی تو ہوتا ہے جو دو طلاق پہلے دے کر رجوع کر چکا ہو اور اب اسے صرف ایک ہی طلاق دینے کا حق باقی ہو۔ دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طلاق دینے کا جب یہ طریقہ بتایا کہ "آدمی یا تو ایسے طُہر میں طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو یا ایسی حالت میں طلاق دے جبکہ عورت کا حاملہ ہونا ظاہر ہو چکا ہو"۔ تو اس میں آپؐ نے پہلی، دوسری، یا آخری طلاق کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ان کو اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو"۔ ہر قسم کی طلاق سے متعلق مانا جائے گا۔ تیسری دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ خواہ رجعیہ ہو یا مبتوتہ، اس کی سکونت اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ اور غیر حاملہ رجعیہ کے لیے بھی یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں حقوق واجب ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سکونت اور نفقہ کا وجوب دراصل حمل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں شرعاً شوہر کے گھر میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اب اگر یہی حکم مبتوتہ غیر حاملہ کے بارے میں بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سکونت اور اس کا نفقہ مرد کے ذمہ نہ ہو۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مطلقہ مبتوتہ کے لیے سکونت کا حق تو ہے مگر نفقہ کا حق نہیں ہے۔ یہ مسلک سعید بن المسیبؒ، سلیمان بن یسارؒ، عطاء، شعبی، اوزاعیؒ، لیثؒ اور ابو عبید رحمہم اللہ کا ہے، اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن مغنی المحتاج میں امام شافعی کا مسلک اس سے مختلف بیان ہوا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ مطلقہ مبتوتہ کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ یہ مسلک حسن بصریؒ، حمادؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، عمرو بن دینارؒ، طاؤسؒ، اسحاق بن راہویہؒ، اور ابو ثور کا ہے۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امامیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور مغنی المحتاج میں شافعیہ کا مسلک بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ "تَجِبُ سُكْنٰى لِمُعْتَدَّةِ طَلَاقٍ حَائِلٍ أَوْ حَامِلٍ وَلَا بَائِنٍ ...... وَالْحَائِلُ الْبَائِنُ لَا نَفَقَةَ لَهَا وَلَا كِسْوَةَ".

"طلاق کی بنا پر جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کے لیے سکونت کا حق واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، مگر بائنہ کے لیے واجب نہیں ہے ...... اور غیر حاملہ بائنہ کے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ کپڑا۔" اس مسلک کا استدلال ایک تو قرآن مجید کی اس آیت سے ہے کہ ﴿لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا﴾.

"تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے"۔

اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ بات مطلقہ رجعیہ کے حق ہی میں درست ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکنیٰ ہے نہ کہ مبتوتہ کے حق میں۔ اس لیے مطلقہ کو گھر میں رکھنے کا حکم بھی رجعیہ ہی کے لیے خاص ہے۔ دوسرا استدلال فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث سے ہے جسے کتب حدیث میں بکثرت صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

یہ فاطمہؓ بنت قیس الفہریہ اولین مہاجرات میں سے تھیں، بڑی عاقلہ سمجھی جاتی تھیں، اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے موقع پر اصحاب شوریٰ کا اجتماع انہی کے ہاں ہوا تھا۔ یہ پہلے ابو عمرو بن حفص بن المغیرۃ المخزومی کے نکاح میں تھیں، پھر ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دے کر الگ کر دیا، اور بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت اسامہؓ بن زید سے کیا۔ ان کا قصہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ابو عمرو پہلے ان کو دو طلاق دے چکے تھے۔ پھر جب حضرت علیؓ کے ساتھ وہ یمن بھیجے گئے تو انہوں نے وہاں سے باقی ماندہ تیسری طلاق بھی ان کو بھیج دی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ ابو عمروؓ ہی نے اپنے رشتہ داروں کو پیغام بھیجا تھا کہ عدت کے زمانے میں ان کو گھر میں رکھیں اور ان کا خرچ برداشت کریں۔ اور بعض میں یہ ہے کہ انہوں نے خود نفقہ و سکونت کے حق کا مطالبہ کیا تھا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو، شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا حق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ دعویٰ لے کر نبی ﷺ کے پاس پہنچیں، اور آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ نہ تمہارے لیے نفقہ ہے نہ سکونت۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى لِلْمَرْأَةِ عَلٰى زَوْجِهَا مَا كَانَتْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ فَلَا نَفَقَةَ وَلَا سُكْنٰى''. ''عورت کا نفقہ اور اس کی سکونت تو شوہر پر اس صورت میں واجب ہے جب کہ شوہر کو اس پر رجوع کا حق ہو۔ مگر جب رجوع کا حق نہ ہو تو نہ نفقہ ہے نہ سکونت''۔ (مسند احمد) طبرانی اور نسائی نے بھی قریب قریب یہی روایت نقل کی ہے اور اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری الفاظ یہ ہیں "فَإِذَا كَانَتْ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَلَا نَفَقَةَ وَلَا سُكْنٰى". "لیکن جب وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہو جب تک اس کے سوا کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے تو پھر اس کے لیے نہ نفقہ ہے نہ سکونت"۔ یہ حکم بیان کرنے کے بعد آپؐ نے ان کو پہلے اُمّ شریکؓ کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا اور بعد میں فرمایا کہ تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو۔

فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر اعتراضات اور ان کا جواب: اس حدیث پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا حاصل حسب ذیل چھ امور ہیں:

۱- ایک عورت کی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک دو گواہ شہادت دے کر اس کی تصدیق نہ کر دیں۔

۲- فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔

۳- فاطمہؓ بنت قیس عدت گزارنے سے پہلے شوہر کے گھر سے اس لیے نہیں نکلیں کہ انہیں نفقہ اور سکنیٰ کا حق نہیں تھا بلکہ اس لیے نکلیں کہ وہ بہت تیز زبان تھیں اور شوہر کے رشتہ دار ان کی بدمزاجی سے تنگ تھے۔

۴- فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث حضرت عمرؓ بن الخطاب کی حدیث سے معارض ہے۔

۵- مروان کے زمانہ حکومت میں جب مطلقہ مبتوتہ کے متعلق ایک نزاع چل پڑی تھی تو حضرت عائشہؓ نے فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث پر سخت اعتراضات کیے تھے اور فاطمہؓ پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا وہ دراصل ایک خالی مکان میں تھیں جہاں کوئی مونس نہ تھا اس لیے ان کی سلامتی کی خاطر آپؐ نے ان کو گھر بدل دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔

۶- فاطمہؓ بنت قیس کا نکاح بعد میں اسامہؓ بن زید سے ہوا تھا اور محمد بن اسامہ کہتے ہیں کہ جب کبھی فاطمہؓ اس حدیث کا ذکر کرتیں تو میرے والد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو چیز بھی ان کے ہاتھ لگتی اٹھا کر ان پر دے مارتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت اسامہؓ کے علم میں سنت اس کے خلاف نہ ہوتی تو وہ اس حدیث کی روایت پر اتنی ناراضگی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔

اب ہم ان اعتراضات پر نمبروار کلام کرتے ہیں اور ثابت کریں گے کہ یہ اعتراضات غلط ہیں اور حدیث اپنی جگہ اٹل اور بے غبار ہے۔

۱۔ کیا عورت کا راویِ حدیث ہونا غیر معتبر ہے؟

پہلا اعتراض یہ ہے کہ عورت کا راویِ حدیث ہونا غیر معتبر ہے۔ لیکن یہ بالکل باطل خیال ہے، تمام علماء قطعاً اس اعتراض کے خلاف ہیں، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کی روایت جس طرح مردوں سے قبول کی جاسکتی ہے اسی طرح عورتوں سے بھی قبول کی جاسکتی ہے۔ ہمارے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ علماء نے صحابیہؓ خواتین کی روایتیں قبول کی ہیں، خواتین صحابہؓ کی مسانید لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ پھر دنیا کی دوسری خواتین کے مقابلہ میں فاطمہؓ بنت قیس کا کونسا گناہ ہے کہ اس کی حدیث قبول نہ کی جائے۔

فاطمہؓ بنت قیس کا علمی پایہ اور ان کی عظمت روایت: اگر فُرَیعَہ بنت مالک بن سنان کی روایت بیوہ عورت کی عدت، شوہر کے گھر میں بسر کرنے کے بارے میں قبول کی جاسکتی ہے، تو فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث کیوں نہیں قبول کی جاسکتی؟

فاطمہؓ کسی طرح فریعہؓ سے علم وجلالتِ شان، ثقاہت اور امانت میں کم نہیں تھیں، بلکہ بہت زیادہ تھیں اور کوئی شبہ نہیں وہ ان سے بہت زیادہ فقاہت رکھتی تھیں، کیونکہ فُریعَہ کے پاس اس ایک حدیث کے سوا کچھ نہیں ہے، اس کے برعکس فاطمہؓ اپنے علم وقوت مناظرہ میں غیر معمولی شہرت کی حامل ہیں۔ ان مناظروں میں وہ ہمیشہ کامیاب رہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ رضی اللہ عنہم جب کسی مسئلہ میں مختلف الرائے ہوتے تھے، تو امہات المؤمنین میں سے کسی کی روایت اگر ان سے بیان کی جاتی تھی تو اسے بے چوں وچرا قبول کر لیتے تھے اور اپنے سابقہ قول سے رجعت کر لیتے تھے۔

امہات المومنین کو فاطمہؓ بنت قیس پر اس اعتبار سے ضرور فضیلت حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں تھیں ورنہ فاطمہؓ بھی ان خواتین میں تھیں جن کا شمار مہاجرات اُوّل میں ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ ان سے خوش تھے۔ اور ان کی شادی (اصرار کر کے) اسامہؓ بن زید سے کی تھی۔

اگر کوئی شخص فاطمہؓ بنت قیس کی مقدارِ حفظ وعلم کا اندازہ کرنا چاہتا ہے تو اسے وہ طویل ترین حدیث پیش نظر رکھنی چاہئے جو دجال سے متعلق ہے اور جسے فاطمہؓ نے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے منبر پر جو طویل خطبہ دجال سے متعلق دیا تھا اسے فاطمہؓ بنت قیس نے تمام وکمال یاد رکھا اور اسی طرح بیان کر دیا جس طرح سنا تھا۔ اور طول وغرابت کے باوجود کسی نے فاطمہؓ کی روایت پر اعتراض نہیں کیا۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو قصہ انہی کی وجہ سے عالم وجود میں آیا وجس کا سببِ وجود انہی کی ذات ہے، جس کے بارے میں انہوں نے جھگڑا کیا۔ فریاد وکناں دربار رسولؐ میں پہنچیں، اور آپ کا حکم صرف مختصر سے کلموں ''لَا سُکْنٰی وَلَا نَفَقَةَ'' (تین طلاق والی عورت نہ سکنی کی مستحق ہے نہ نفقہ کی) کی صورت میں سنا اور اسے یاد نہ رکھ سکیں کیا یہ ممکن ہے؟ ...... جب کہ ان کی قوتِ حفظ واخذ سب کو تسلیم ہے۔

رہا نسیان کا احتمال تو یہ چیز فاطمہؓ میں اور ان کی روایت کا انکار کرنے والوں، دونوں میں مشترک ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو جنبی کے تیمم والی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث بھول گئے تھے۔ حضرت عمارؓ بن یاسر نے یاد دلایا۔

واقعہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ...... عمرؓ اور عمار ...... کو جنابت کی صورت میں تیمّم کر لینے کا حکم دیا تھا، حضرت عمرؓ بھول گئے، اور اس پر مصر تھے کہ جنبی جب تک پانی نہ پائے اور غسل نہ کر لے نماز نہیں پڑھ سکتا۔

وہ قرآن مجید کی یہ آیت بھی بھول گئے۔

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ﴿٢٠﴾﴾. (النساء)

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔''

لیکن جب ایک عورت نے انہیں ٹوکا تو یاد آیا اور اپنا قول واپس لیا۔ ❶

اسی طرح حضرت عمرؓ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد بھول گئے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾﴾. (الزمر)

''اے محمد! تم بھی ایک دن وفات پاؤ گے اور یہ لوگ بھی موت سے ہمکنار

---

① حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب یہ دیکھا کہ لوگ اپنی بیویوں کا مہر زیادہ رقم کا باندھنے لگے ہیں، اور ان کی مالی ذمہ داریوں کو زیادہ وسیع پیمانے پر قبول اور برداشت کرنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں تو یہ بات انہیں گراں گزری، اور انہوں نے تجدید کی کوشش کی، جو بات ان کے دل میں آجاتی تھی اس پر عمل بھی کر گزرتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔
حضرت عمرؓ کا دبدبہ اور جلال ایسا تھا کہ ان کے سامنے کسی کی مجال دم زدن نہ تھی۔ چنانچہ ان کے اس ارشاد پر احتجاج واختلاف کی کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ ...... لیکن ایک مرتبہ ایک عورت نے برسر منبر انہیں ٹوک دیا اور کہا: ''قرآن میں قنطار (بے شمار مال وزر) تک بیوی کو دے دینے کی اجازت آئی ہے، تم منع کرنے والے کون؟ ...... ایک کمزور عورت کی یہ آواز سن کر حضرت عمر لرز گئے انہیں اپنی غلطی پر تنبّہ ہوا، اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ پھر اس مسئلہ پر کچھ نہیں کہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے۔"①

پھر انہیں یہ آیت یاد دلائی گئی، تب ان کا جوش ٹھنڈا ہوا۔

پس اگر راوی سے نسیان وخطا کا سرزد ہونا، سقوطِ روایت کا موجب ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی ساقط ہو جائے گی جو فاطمہؓ بنت قیس کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں بطور عارض کے پیش کی جاتی ہے کیونکہ بھول چوک تو حضرت عمرؓ سے بھی ہوئی تھی۔

غرض ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی ثقہ اور عادل راوی کی روایت قبول کرنے کی شرط یہ رکھی گئی ہو کہ جب تک دو گواہ شہادت دے کر اس کی تائید وتصدیق نہ کر دیں وہ قبول نہیں کی جائے گی خاص طور پر جب کہ راوی کوئی صحابیؓ ہو......اور حضرت فاطمہؓ بنت قیس جلیل القدر صحابیہ تھیں۔

۲- کیا فاطمہؓ کی روایت مخالفِ قرآن ہے؟

اب ہم دوسرے اعتراض پر گفتگو اور بحث کریں گے یعنی یہ کہ فاطمہؓ بنت قیس کی روایت قرآن کریم کی مخالف ہے۔

---

① تاریخ اسلام کا یہ واقعہ بھی عجیب وغریب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت عمرؓ جیسا سخت شخص ہوش وحواس کھو بیٹھا، انہوں نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا: "جس نے بھی یہ کہا کہ آپؐ نے وفات پائی ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا"۔
آپؐ کے اس حادثۂ وفات کا حضرت عمرؓ کے دل ودماغ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ مذکورہ آیت قرآنی، اور دوسری قرآنی آیات، جن کی بارہا انہوں نے تلاوت کی تھی، سنا تھا، دہرایا تھا اور جن میں آپؐ کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ بھی ایک روز اس دنیا سے رخصت ہوں گے۔ یکسر فراموش کر بیٹھے اور شدتِ الم اور شدتِ تاثر کے باعث ہر اس شخص کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے ...... لیکن جب یہ آیت سنائی گئی تو ان کے حواس بجا ہوئے۔ ان کا جوش وتاثر ختم ہو گیا اور انہوں نے اعتراف فرمایا۔...... "گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے"۔
غرض بھول چوک تقاضائے بشریت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی یہ حدیث نہ صرف کتاب اللہ کی مخالف نہیں بلکہ اس کے موافق ہے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کتاب اللہ سے تین طور پر منطبق ہے۔

۱- یا تو یہ عام کی تخصیص ہے۔

۲- یہ اجمال کا بیان ہے۔

۳- یہ بیان ہے سیاق وتعطیل وتنبیہ کا۔

اور یہی صورت زیادہ صحیح ہے۔ پس یہ کتاب اللہ کے موافق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔ اپنے حکم کے اعتبار سے نہ غلط ہے، معاذ اللہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی ایسا فیصلہ صادر فرمائیں جو کتاب اللہ کے خلاف اور منافی ہو، یا اس سے معارض ہو؟

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ تبسم کناں فرمایا کرتے تھے: ''کتاب اللہ میں تین طلاق والی عورت کے لیے سکنی اور نفقہ کا حکم کہاں ہے؟''

اور امام احمدؒ سے بھی پہلے اپنے وقت کی فقیہہ فاضلہ فاطمہؓ بنت قیس قول عمرؓ ماننے سے انکار کر چکی تھیں، انہوں نے فرمایا تھا:

''میرے اور تمہارے مابین کتاب اللہ موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم نہیں جانتے شاید اللہ کوئی صورت رجعت کی پیدا کر دے!''۔ ﴿لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا﴾ لیکن تین طلاق کے بعد (جب نہ رجعت ممکن ہے نہ تجدیدِ نکاح) کیا صورت پیدا ہو سکتی ہے؟ بلکہ ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ﴾ سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ آیات کریمہ طلاق رجعی سے متعلق ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳- ایک بودی اور ناقابل قبول تاویل:

اب تیسرے اعتراض کو لیجئے، یعنی حضرت فاطمہؓ بنت قیس، تین طلاق کے بعد اپنے شوہر کے گھر سے محض اپنی زبان کی سختی اور درشتی کے باعث نکلیں۔

لیکن یہ تاویل کتنی بودی اور کمزور ہے جو خاتون چوٹی کے صحابہؓ میں شامل ہو جس کے علم وفضل اور دانش وتفقُّہ کا سب کو اعتراف ہو، جو مہاجرین اولین کے گروہ میں شامل ہو، جو دین اور تقوی کے اعتبار سے ممتاز اور یگانہ ہو، وہ اتنی تیز زبان ہوسکتی ہے کہ اس کی تیز زبان اسے اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دے؟ اور اس کا وہ حق سوخت ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے؟

پھر کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تیز زبانی پر انہیں کبھی نہیں ٹوکا، نہ ان سے یہ فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، اور اپنی زبان قابو میں رکھو اور اپنے شوہر کے قرابت داروں اور عزیزوں کو اپنی زبان سے تکلیف نہ پہنچاؤ، اور اپنے گھر میں ٹھہری رہو، اور اس سب کے بجائے آپؐ نے یہ کیسے فرما دیا کہ:

"تمہیں اپنے شوہر سے نہ نفقہ لینے کا حق ہے، نہ سُکنی کا مطالبہ کرنے کا، کیونکہ سُکنی اور نفقہ اس عورت کا حق ہے جس کے شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہو۔"

۴- کیا فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث اور روایت عمرؓ میں تعارض ہے:

اب چوتھے اعتراض پر ہم بحث وگفتگو کریں گے، یعنی فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث، اور حضرت عمرؓ کی روایت میں تعارض کا مسئلہ...... یہ تعارض دو صورتوں سے نمودار ہوسکتا ہے۔

ایک حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت رسول اللہ ﷺ کو ترک نہیں کر سکتے۔

دوسرا حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ تین طلاق والی عورت کو سکنی اور نفقہ کا حق حاصل ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن قیم اس تعارض کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

«ونَحْنُ نَقُولُ: «قَدْ أَعَاذَ اللهُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ هٰذَا الْكَلَامِ الْبَاطِلِ الَّذِي لَا يَصِحُّ عَنْهُ أَبَدًا». قَالَ الإِمَامُ أَحْمَدُ: «لَا يَصِحُّ ذٰلِكَ عَنْ عُمَرَ». وَقَالَ أَبُوالْحَسَنِ الدَّارَقُطْنِيُّ: «بَلِ السُّنَّةُ بِيَدِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَطْعًا، وَمَن لَّهُ إِلْمَامٌ بِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَشْهَدُ شَهَادَةَ اللهِ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ سُنَّةٌ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّ لِلْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا، السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ، وَعُمَرُ كَانَ أَتْقَى اللهِ وَأَحْرَصَ عَلٰى تَبْلِيغِ سُنَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ تَكُونَ هٰذِهِ السُّنَّةُ عِنْدَهُ ثُمَّ لَا يَرْوِيهَا أَصْلًا وَلَا يُبَيِّنُهَا وَلَا يُبَلِّغُهَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ».

(زاد المعاد ۵/۵۳۹)

ہم کہتے ہیں کہ اس کلام باطل کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ کبھی بھی نہیں!

امام احمد فرماتے ہیں: ''اس قول کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف صحیح نہیں ہے''۔

ابوالحسن دارقطنی کا قول ہے: ''قطعی طور پر سنت رسولؐ فاطمہؓ بنت قیس کے ہاتھ میں ہے''۔

حضرت عمرؓ کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ تین طلاق والی عورت بھی نفقہ اور سکنی کی حق دار ہے، حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور تبلیغ سنت رسول اللہ ﷺ پر حریص تھے، وہ کس طرح اس حدیث صحیح سے انکار کر سکتے تھے۔

رہی حضرت عمرؓ سے ابراہیم کی یہ روایت کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے سنا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہہ رہے تھے کہ سکنی اور نفقہ ان کا حق ہے۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ پر کذب صریح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کذب صریح ہے۔ اور کسی انسان کے لیے یہ ہرگز زیبا اور مناسب نہیں ہے کہ تعصب اور انتصار مذاہب وغیرہ کے جوش اور حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صریحہ وصحیحہ کے مقابلہ میں کذب خالص اور دروغ محض سے کام لینے کی جرأت کرے۔

اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ جھوٹ سچ ہوتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کی زبان گونگی ہو جاتی نہ وہ مناظرے کے لیے بلائی جاتیں، نہ ان کی کوئی بات سنتا اور نہ اس دعوے کی ضرورت تھی کہ وہ اپنی تیز زبانی کے باعث شوہر کے گھر سے نکلنے پر مجبور ہوئیں۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔

تین طلاق والی عورت کے نفقہ اور سکنی کی حدیث ائمہ حدیث، مصنفین سنن، واحکام اور مختصرین سنت نبویہ کی نظر سے کیوں پوشیدہ رہی؟

ایک راویٔ حدیث پر جرح: اس حدیث کے اصل راوی ابراہیم ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئے۔ اس صورت میں اگر انتہائی حسن ظن سے کام لیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ ابراہیم تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول پہنچا اور جس کی انہوں نے روایت کی وہ باللفظ نہیں بلکہ بالمعنی تھا اور غلط فہمی کے باعث روایت یوں کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق والی عورت کے لیے نفقہ اور سکنی کا حکم دیا تھا۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن جہاں تک مرد کا تعلق ہے وہ اگر صالح ہو سکتا ہے تو مُغَفَّل بھی ہو سکتا ہے اور کسی صورت میں وہ پورے طور پر حفظِ حدیث اور روایت کا تحمل نہیں کر سکتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کا مناظرہ: اس مسئلہ پر میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کے مابین منظرہ بھی ہوا۔

حضرت میمون نے فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث بیان کی جس پر حضرت سعید نے کہا: ''اس عورت نے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے۔''

یہ سن کر میمون نے فرمایا:

''انہوں نے تو وہی چیز بیان کی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے فتوی دیا ہے۔ اور اس کے بعد لوگ کس طرح فتنہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے''۔ (زادالمعاد۵/۵۴۰)

تمام فقہاء، حدیثِ فاطمہؓ سے استدلال کرتے ہیں: فقہاء رحمہم اللہ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث سے حجت اور دلیل نہ لایا ہو۔ بعض احکام میں اس سے مالکؒ، شافعیؒ اور جمہور امت نے حجت اور دلیل قبول کی ہے، چنانچہ یہ سب سقوطِ نفقہ مبتوتہ کے قائل ہیں۔

اس حدیث کی بنیاد پر امام شافعیؒ نے بیک وقت تین طلاقوں کا جواز تسلیم کیا ہے، کیونکہ فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تھا کہ: ''ابوعمرو بن حفص نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں''۔

اور اسی حدیث کی بنا پر بعض لوگ یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ عورت (اتفاقا یا حسب ضرورت) مردوں پر نظر ڈال سکتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کے پیام کے باوجود کسی عورت کو نکاح کا پیام دے سکتا ہے اگر اس نے پہلا پیامِ نکاح قبول نہ کیا ہو۔

یہ بات بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی آدمی میں کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خامی کی بات ہو تو دوسرے کو اس سے بطور نصیحت اور مشورہ کے مطلع کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ شادی مناسب ہے یا نہیں؟ معاملت درست ہے یا نہیں؟ سفر بہتر ہے یا نہیں؟ (جیسے آپؐ نے فاطمہؓ بنت قیس کو نصیحت فرمائی کہ معاویہ کے پاس کوئی پونجی نہیں، ابوجہم عورتوں کو مارتا پیٹتا ہے۔ اسامہؓ بن زید زیادہ بہتر ہے اس سے نکاح کرلو، اس میں بھلائی ہے۔) اس طرح کی باتوں کا شمار غیبت میں نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے یہ دلیل بھی لائی جا سکتی ہے کہ قرشیہ عورت کا نکاح غیر قرشی مرد سے جائز ہے۔

یہ دلیل بھی اس حدیث سے ملتی ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی غیر موجود ہو تو بھی طلاق واقع ہوسکتی ہے۔ اس کے لیے موجودگی اور مواجہت شرط نہیں ہے۔

صدقِ حدیث اور برکت روایت کا نتیجہ: یہ تمام احکام جو اوپر مذکور ہوئے، نتیجہ ہیں اسی صدقِ حدیث اور اس کی برکتِ روایت کا اس حدیث سے امت نے احکام و مسائل کا استنباط کیا، اور ان پر عمل کیا، پھر یہ کیا بات ہوئی کہ ان احکام مستنبطہ میں سے ایک حکم کو رد کر دیا جائے، باقی قبول کر لیے جائیں۔ اگر یہ بات مانی جاتی ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا تو پھر ان کی کوئی روایت کردہ کوئی حدیث اور بیان کردہ کوئی حکم قبول نہیں کرنا چاہیے ...... حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(زادالمعاد ۵/۵۴۰)

پانچواں اعتراض: مروان کے زمانۂ حکومت میں جب مطلقہ مبتوتہ کے متعلق ایک نزاع چل پڑی تھی حضرت عائشہؓ نے فاطمہؓ بنت قیس کی روایت پر سخت اعتراضات کیے تھے اور مروان نے بھی اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور فاطمہؓ بنت قیس پر تنقید کی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ نے فاطمہؓ بنت قیس کی روایت پر اعتراضات تو ضرور کیے تھے مگر اس کے خلاف انہوں نے کوئی حدیث پیش نہیں کی جس سے ثابت ہوا کہ ان کی تنقید اور ناراضگی کا سبب ان کی یہ غلط فہمی تھی کہ فاطمہؓ بنت قیس جس مکان میں رہ رہی تھیں وہ ایک خالی مکان تھا جہاں کوئی مونس نہ تھا اس لیے ان کی سلامتی کی خاطر آپؐ نے ان کو گھر بدل دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ حالانکہ یہ بات نہیں تھی۔ کیونکہ نسائی میں جو روایت ان سے نقل کی گئی ہے اس میں عام ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی بھی مطلقہ مبتوتہ کے لیے نفقہ اور سکونت نہیں ہے اس حدیث سے وہ تاویل بھی غلط ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کا گھر سے نکلنا دراصل ان کی زبان درازی کی وجہ سے تھا۔

باقی رہی مروان کی تنقید تو اس کی حیثیت ہی کیا ہے کہ وہ اَجلّہ صحابہؓ پر تنقید کرے، صحابہؓ اور صحابیاتؓ کا مقام ان کی تنقید و انکار سے بالاتر ہے۔

چھٹا اعتراض: ان خاتون کا نکاح بعد میں حضرت اسامہؓ بن زید سے ہوا تھا، اور محمد بن اسامہ کہتے ہیں کہ جب کبھی فاطمہؓ اس حدیث کا ذکر کرتیں تو میرے والد جو چیز بھی ان کے ہاتھ لگتی اٹھا کر ان پر دے مارتے تھے۔ (جصاص) ظاہر ہے کہ حضرت اسامہؓ کے علم میں سنت اس کے خلاف نہ ہوتی تو وہ اس حدیث کی روایت پر اتنی ناراضگی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔

ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے پاس کوفہ کی مسجد میں بیٹھا تھا وہاں شعبیؒ نے فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث کا ذکر کیا اس پر حضرت اسودؒ نے شعبیؒ کو کنکریاں کھینچ ماریں اور حوالہ دیا کہ حضرت عمرؓ نے اسے رد کر دیا تھا۔ (جصاص)

تو ہم عرض کریں گے کہ حضرت اسامہ اور اسود بن یزید کے پاس کوئی سنت نہیں تھی وگرنہ وہ مارنے کے بجائے سنت پیش کرتے اور دلائل سے سمجھانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کوشش کرتے جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ سنت حضرت فاطمہؓ بنت قیس کے پاس ہی ہے۔ مسائل ہمیشہ دلائل سے ثابت کیے جاتے ہیں غصہ، ناراضگی اور مارنے پیٹنے سے نہ مسائل ثابت ہوتے ہیں نہ کسی کو قائل کیا جا سکتا ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ نماز میں کسی متبع سنت نے بلند آواز سے آمین کہہ دی تو لوگوں نے اسے مارا پیٹا اور مسجد سے نکال دیا تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ بلند آواز سے آمین کہنا سنت نہیں ہے؟ ہرگز نہیں۔

امام شوکانی مسئلہ ہذا میں ائمہ کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«وَأَرْجَحُ هٰذِهِ الْأَقْوَالَ الْأَوَّلُ». (نیل الاوطار ۶/۳۴۰)

''ان مذکورہ اقوال میں سے پہلا قول زیادہ راجح ہے۔''

علامہ امیر یمانیؒ حدیث فاطمہؓ پر کیے گئے اعتراضات کا رد کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

«وَلَا يَخْفٰى ضُعْفُ هٰذِهِ الْمَطَاعِنِ فِي رَدِّ الْحَدِيْثِ فَالْحَقُّ مَا أَفَادَهُ الْحَدِيْثُ وَقَدْ أَطَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ فِي ذٰلِكَ فِي الْهَدْيِ النَّبَوِيِّ نَاصِرًا لِلْعَمَلِ بِحَدِيْثِ فَاطِمَةَ». (سبل السلام ۳/۱۹۹)

''حدیث فاطمہؓ کا انکار کرنے کے لیے اس پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا ضعف کسی پر مخفی نہیں ہے۔ اس لیے حق و سچ بات وہی ہے جو حدیث فاطمہؓ سے ثابت ہے۔

قانونِ عدت کی ابتداء: عدت کا قانون اس وقت نازل ہوا تھا جب ایک صحابیہ اسماءؓ بنت یزید بن السکن انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ چنانچہ روایت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ سے مروی ہے کہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

«أَنَّهَا طُلِّقَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُطَلَّقَةِ عِدَّةٌ فَأَنْزَلَ اللهُ الْعِدَّةَ لِلطَّلَاقِ فَكَانَتْ أَوَّلَ مَنْ نَزَلَ فِيهَا الْعِدَّةُ لِلطَّلَاقِ». (ابوداود ۱/۳۱۸)

''رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان کو طلاق ہو گئی تھی۔ اور اس وقت تک مطلقہ عورت کے لیے عدت کا کوئی حکم نہیں آیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی وہ آیات نازل فرمائیں جن میں طلاق والی عورتوں کی عدت کا بیان ہے، تو یہ اسماء بنت یزید وہ پہلی طلاق یافتہ خاتون ہیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا''۔

اس حدیث میں عدت سے متعلق جس آیت کے نازل ہونے کا ذکر ہے وہ بظاہر سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾، اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے جن کو ایام ہوتے ہیں..... اور جن کو صِغر سنی یا کِبر سنی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں یا ان کو حمل ہو تو ان کی عدت سورۂ طلاق کی آیات میں بیان فرمائی گئی ہے۔

عدتِ وفات: شریعتِ اسلام میں جس طرح مطلقہ عورت کے لیے عدت کا حکم ہے اسی طرح اس بیوہ عورت کے لیے بھی عدت کا حکم ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو، اس عدت کا حکم بھی قرآن مجید میں صراحۃً بیان فرمایا گیا ہے ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرة: ۲۳۴)

''تم میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے کو روکے رکھیں گی چار مہینے دس دن۔''

یہ عدت ان بیوہ عورتوں کے لیے ہے جو حاملہ نہ ہوں اور جو حمل کی حالت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہوں ان کی عدت کا بیان اس آیت میں آیا ہے:

﴿وَأُولَـٰتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ﴾ (الطلاق) ''اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ نے حدیث فاطمہؓ کی تائید میں لمبی اور عمدہ بحث کی ہے۔

اور دونوں آیتوں کی روشنی میں ''متوفی عنہا زوجہا غیر حاملہ'' کی عدت متعین ہے یعنی چار مہینے دس دن اور حاملہ غیر متوفی عنہا زوجہا کی عدت بھی متعین ہے یعنی وضع حمل، البتہ ایک صورت میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے یعنی ''حاملہ متوفی عنہا زوجہا'' کی صورت میں، پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ہو جبکہ دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہو۔

چنانچہ حضرات صحابہ کرام میں ''حاملہ متوفی عنہا زوجہا'' کی عدت کے بارے میں اختلاف رہا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مسلک یہ ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن دونوں کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ احوط بھی یہی ہے۔ اس مسلک کو یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ ایسی عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے، شروع میں حضرت ابن عباسؓ کا مسلک بھی یہی تھا۔ اس صورت میں تعارض کو گویا کہ تطبیق کے طریق سے ختم کیا گیا ہے۔

جبکہ جمہور صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کے نزدیک ایسی عورت کی عدت متعین طور پر وضع حمل ہے، مذکورہ حدیث باب سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس روایت پر اگرچہ انقطاع کا اعتراض ہے لیکن اسی باب کی دوسری روایت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی جمہور کا مسلک ثابت ہوتا ہے، سلیمان بن یسار فرماتے ہیں:

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا سَلَمَةَ ابْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، تَذَاكَرُوا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا الْحَامِلُ تَضَعُ عِنْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: «تَعْتَدُّ آخِرَ الأَجَلَيْنِ». وَقَالَ أَبُوسَلَمَةَ: «بَلْ تَحِلُّ حِينَ تَضَعُ». وقال أبوهريرة: «أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي، يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ». فَأَرْسَلُوا إِلٰى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَتْ: «قَدْ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ الأَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِيَسِيرٍ، فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ». (ترمذی ۴۹۹/۳)

حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے اس عورت کے بارے میں تذکرہ کیا جس کا خاوند دوران حمل فوت ہو جاتا ہے وہ کتنی عدت گزارے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ''دو عدتوں میں سے آخری عدت (عام عورتوں والی) گزارے''۔ حضرت ابوسلمہؒ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ وہ وضع حمل سے حلال ہو جائے گی''۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ: ''اس مسئلہ میں میں اپنے بھتیجے ابوسلمہ کے ساتھ ہوں''۔ پھر انہوں نے کسی شخص کو ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا، انہوں نے جواب میں فرمایا: ''سبیعہ اسلمیہ نے اپنے خاوند کی وفات کے بعد چند دن بعد بچہ جنا تھا، رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں فتویٰ دریافت کیا گیا تو آپؐ نے نکاح کرنے کی اجازت دے دی''۔

امام ترمذیؒ نے اس روایت کو ''حسن صحیح'' قرار دیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے روایت سننے کے بعد جمہور کے مسلک کی طرف رجوع کرلیا تھا۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ دوسری آیت یعنی ﴿أُولَاتُ الأَحْمَالِ﴾ پہلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت یعنی ﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ﴾ کے لیے متعارض صورت میں ناسخ ہے جبکہ دوصورتوں میں تو کوئی تعارض ہی نہیں۔ جن حضرات نے ابعد الاجلین کا قول اختیار کیا اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کو سُبَیعہ اسلمیہ والی روایت نہ پہنچی تھی اور ابعد الاجلین کو اختیار کرنے میں احتیاط تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کو یہ علم نہ تھا کہ کونسی آیت نزول کے اعتبار سے مقدم ہو کر منسوخ ہے اور کونسی آیت مؤخر ہو کر ناسخ ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ أَنَّ سُوْرَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرٰی (سُوْرَةُ الطَّلَاقِ) نَزَلَتْ بَعْدَ الَّتِیْ فِی الْبَقَرَةِ". نیز حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "لَوْ وَضَعَتْ وَزَوْجُهَا عَلٰی سَرِیْرِهٖ لَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَیَحِلُّ لَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

زمانۂ عدت میں عورت کا گھر سے نکلنا: ایک عورت جو اپنے خاوند کی وفات کے بعد اپنی عدت کے ایام گزار رہی ہے۔ اور لاہور میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے والد اسلام آباد میں بیمار اور ہسپتال میں داخل ہیں۔ کیا اپنی عدت کے دوران وہ اپنے بوڑھے اور بیمار والد کی بیمار پرسی کے لیے اسلام آباد جا سکتی ہے؟

احادیث میں دو واقعات ملتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں مل گئیں (یعنی طلاق بتّہ) ابھی وہ عدت کے اندر ہی تھیں کہ وہ اپنے باغ سے کھجوریں توڑنے کے لیے نکلیں، ایک آدمی ان کو ملا۔ تو اس نے انہیں اِس سے روکا۔ چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: "اُخْرُجِیْ فَجُدِّیْ نَخْلَكِ لَعَلَّكِ اَنْ تَصَدَّقِیْ مِنْهُ اَوْ تَفْعَلِیْ خَیْرًا." تم گھر سے نکل کر کھجور توڑ لیا کرو۔ امید ہے کہ تم اس میں سے صدقہ دیا کرو گی یا اور بھلائی کا کام کرو گی۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث پر امام ابوداود نے باب باندھا ہے۔ "باب فی المبتوتة تخرج بالنهار" یعنی وہ عورت جس کو طلاق بتہ مل جائے تو وہ دوران عدت دن کو گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ (عون المعبود۲/ ۲۵۷)

اس حدیث سے اور امام ابوداود کی تبویب سے واضح ہے کہ عدت گزارنے والی عورت بوقت ضرورت دن کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ اس سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بعض آثار منقول ہیں جو نیل الاوطار (۷/ ۱۰۱-۱۰۲) اور المحلی لابن حزم (۱۰/ ۲۸۶-۲۸۷) میں مذکور ہیں۔ جن سے دن میں نکلنے کا جواز نکلتا ہے۔

انہی آثار میں سے ایک اثر حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

«أن امرأة بعثت إلى أم سلمة أم المؤمنين أن أبي مريض وأنا في عدة أفَآتِيهِ أُمَرِّضُه؟ قالت: نعم، ولكن بِيتي أحد طرفي الليل في بيتك». (المحلی ۱۰/ ۲۸۷)

ایک عورت نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ میرے والد بیمار ہیں اور میں عدت میں ہوں۔ کیا اس حالت میں والد کی مزاج پرسی کے لیے جا سکتی ہوں؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "ہاں جا سکتی ہو، لیکن رات اپنے گھر میں ہی آکر گزارو۔"

ملحوظہ: خیال رہے حدیث مذکورہ بالا میں تو واقعہ اس عورت کا بیان کیا گیا ہے جسے طلاق بتہ مل چکی تھی، جب کہ سوال میں ایسی عورت کے بارے میں پوچھا گیا ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہے۔ کیا دونوں قسم کی عورتوں کے لیے ایک ہی حکم ہوگا؟ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں قسم کی عورتوں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدت کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوت شدہ خاوندوں کی عدت گزارنے والی عورتوں کو بھی دن کے وقت ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے۔ تاہم رات اپنے گھر ہی گزارنے کی تاکید کی ہے۔
(ملاحظہ ہو المحلی ۱۰/۲۸۶، طبع منیریہ۔ مصر)

علاوہ ازیں فقہاء نے بھی مبتوتہ اور متوفی عنہا دونوں قسم کی عورت کی عدت کے لیے ایک ہی قسم کے احکام بیان کیے ہیں۔ چنانچہ اسی زیر بحث مسئلے کے ضمن میں امام ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں:

وللمعتدة الخروج في حوائجها نهارا سواء كانت مطلقة أو متفى عنها. (المغنی مع الشرح الکبیر ۹/۱۷۶، طبع قدیم)

یعنی ''عدت گزارنے والی عورت اپنی ضرورت کے تحت دن کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ چاہے وہ مطلقہ ہو (طلاق کی عدت گزار رہی ہو) یا متوفی عنہا ہو (خاوند کی وفات کی عدت گزار رہی ہو) دونوں کا حکم یکساں ہے۔''

البتہ حنفی فقہاء نے مطلقہ اور متوفی عنہا کے حکم میں فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مطلقہ عورت دوران عدت اپنے گھر سے بالکل نہیں نکل سکتی چاہے دن ہو یا رات، تاہم خاوند کی وفات کی عدت گزارنے والی عورت کے لیے دن کو نکلنا ان کے نزدیک بھی جائز ہے۔ رات کو نہیں نکل سکتی۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

لا يجوز للمعتدة من طلاق الخروج من منزلها أصلا بالليل ولا بالنهار ...... وأما المتوفى عنها زوجها فلا تخرج ليلا ولا بأس بأن تخرج نهارا في حوائجها.
(بدائع الصنائع ۳/۲۰۴-۲۰۵)

مذکورہ بالا بحث سے یہ تو واضح ہے کہ معتدہ (عدت گزارنے والی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت بالخصوص متوفی عنہا) بوقت ضرورت دن کو گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

لیکن صورت مسئولہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ عورت کا باپ اسلام آباد کے ہسپتال میں زیر علاج ہے، وہ صبح جا کر رات کو اپنے گھر واپس نہیں آسکتی۔ اب وہ کیا کرے؟

راقم کے خیال میں یہ بھی چونکہ ایک معقول شرعی عذر ہے۔ جس کی بنا پر اگر اسے ایک رات اسلام آباد میں گزارنی پڑ جائے تو کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم اسے زیادہ راتیں وہاں گزارنے سے گریز کرنا چاہیے۔ تا بحدِّ امکان اسے جلد از جلد والد کی مزاج پرسی کر کے اپنے گھر واپس آ جانا چاہیے۔

نیز فقہاء نے رات کو گھر سے باہر نہ رہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ رات مظنۃ الفساد ہے جب کہ دن قضاء حوائج و معاش اور ضروریات کی خرید کا مظنہ ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ رات اپنے گھر ہی میں گزارے الّا یہ کہ کوئی اہم ضرورت ہو۔ چنانچہ امام مقدسی لکھتے ہیں:

ليس لها المبيت في غير بيتها ولا الخروج ليلا إلا لضرورة. (المغنی مع الشرح الکبیر ۹/۱۷۶)

یعنی اپنے گھر کے علاوہ رات کہیں اور نہ گزارے اور نہ رات کو سوائے ضرورت کے باہر نکلے۔ گویا ضرورت کے تحت رات کو بھی نکلنے کی گنجائش ہے۔ لیکن رات گزارنے کی اجازت نہیں تاہم رات گھر سے باہر نکلنے کی وجہ جو مظنۂ فساد بیان کی گئی ہے وہ صورت مسئولہ میں یعنی رات کو ہی اسلام آباد سے واپسی کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ وہ رات اسلام آباد گزار کر دوسرے دن واپس آ جائے۔ رات ہی کو آنے کی کوشش نہ کرے کہ اس میں فساد کا مظنہ زیادہ ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا واقعہ: کتب احادیث میں ایک اور واقعہ ملتا ہے جو درج ذیل ہے:

حضرت فُریعہ بنت مالک بیان کرتی ہیں کہ میرا خاوند اپنے غلاموں کے پیچھے گیا تھا جو بھاگ گئے تھے، انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ خاوند نے کوئی جائداد بھی نہیں چھوڑی کہ اس کی میں وارث بنوں اور نہ ہی نان نفقہ کا کوئی صحیح انتظام ہے۔ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اس صورت میں کیا میں اپنے (والدین کے گھر) گھر چلی جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں چلی جاؤ!'' میں واپس جانے لگی تو آپ ﷺ نے مجھے بلوایا۔ اور فرمایا: ''تم نے کیا کہا تھا؟'' میں نے پھر سارا قصہ بیان کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھر میں ہی رہو، یہاں تک کہ مدت (عدت) پوری ہو جائے۔'' چنانچہ میں نے چار مہینے دس دن بطور عدت گزارے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایسا مسئلہ پیش آیا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیج کر اس سلسلے میں مجھ سے سوال کیا اور میرے بتلانے پر اس کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

(سنن ابی داود مع عون المعبود: ۲/۲۵۹)

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ایک بوقت ضرورت معتدہ کا گھر سے نکلنے کا جواز، کیونکہ وہ مسئلہ پوچھنے کے لیے گھر سے نکل کر ہی آئی تھی اور آپ ﷺ نے اسے اس کی بابت کچھ نہیں فرمایا۔ اگر اس کا جواز نہ ہوتا تو نبی علیہ السلام اس کی وضاحت فرما دیتے۔ آپ کا اس کی بابت کچھ نہ کہنا جواز کا پہلو اپنے اندر رکھتا ہے۔

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ عدت اپنے ہی گھر میں گزارنی چاہئے۔

بہر حال مذکورہ دلائل سے واضح ہے کہ معتدہ (عدت گزارنے والی عورت) جائز شرعی ضرورت کی خاطر دن کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہے تا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم اسے رات اپنے ہی گھر آ کر گزارنی چاہیے۔ الا یہ کہ ایسا کرنا اس کے لیے متعذر ہو۔ جیسا کہ سوال میں مذکور صورت میں ہے کہ وہ صبح جا کر رات کو اسلام آباد سے واپس اپنے گھر نہیں آ سکتی۔ ایسی صورت میں ایک آدھ رات وہاں گزارنے کی گنجائش ہے کہ ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اور ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾.

مذکورہ عورت کو یہ کہنا وہ صبح اسلام آباد جا کر رات کو بہرصورت لاہور گھر آ کر سوئے، اسے عُسر (تنگی) میں مبتلا کرنا اور تکلیف ما لا یُطاق ہے جو خود اللہ تعالیٰ بھی پسند نہیں فرماتا۔

فقہاء کا اختلاف: اب فقہاء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا اس زمانے میں عورت گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، ابن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ابن مسعودؓ، ام سلمہؓ، سعید بن مسیّبؒ، ابراہیم نخعیؒ، محمد بن سیرینؒ اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ زمانۂ عدت میں عورت کو اسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں اس کے شوہر نے وفات پائی ہو دن کے وقت کسی ضرورت سے وہ باہر جا سکتی ہے مگر قیام اس کا اسی گھر میں ہونا چاہیے اس کے برعکس حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، حضرت علیؓ، جابر بن عبداللہؓ، عطاءؒ، طاؤسؒ، حسن بصریؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ اور تمام اہل الظاہر اس بات کے قائل ہیں کہ عورت اپنی عدت کا زمانہ جہاں چاہے گزار سکتی ہے، اور اس زمانہ میں سفر بھی کر سکتی ہے۔

چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں آیا ہے۔

فَقَدْ كَانَتْ عَائِشَةُ تُفْتِي الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا بِالْخُرُوجِ فِي عِدَّتِهَا وَخَرَجَتْ بِأُخْتِهَا أُمِّ كُلْثُومٍ حِيْنَ	بیوہ، زمانۂ عدت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، وہ اس کا فتوی دیا کرتی تھی بلکہ خود بھی اپنی بہن ام کلثوم کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُتِلَ عَنهَا طَلحَةُ بنُ عُبَيدِ اللّٰهِ إِلَى مَكَّةَ فِي عُمرَةٍ. (فقه السنة ۲/۳۳۵، زاد المعاد ۵/۶۸۱)

اپنے ساتھ عمرہ کے لیے مکہ لے گئیں جب ان کے شوہر طلحہ بن عبید اللہ قتل ہوئے۔

اسی طرح حضرت طاؤسؒ اور عطاء سے منقول ہے۔

اَلْمَبتُوتَةُ وَالْمُتَوَفّٰى عَنهَا تَحُجَّانِ وَتَعتَمِرَانِ. (زاد المعاد ۵/۶۸۲)

مبتوتہ اور بیوہ عورتیں حج وعمرہ کر سکتی ہیں۔

مذکورہ دونوں مسلکوں میں سے پہلا مسلک ہمارے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ کیونکہ زیادہ احادیث صحیحہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ البتہ ملازمت پیشہ عورتیں یا وہ جن کی حج کی درخواستیں نکل آئی ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وہ حج کے لیے جا سکتی ہیں۔

احکامِ سوگ

عدت وفات میں سوگ کا بھی حکم ہے، یعنی بیوہ ہو جانے والی عورت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ عدت کی پوری مدت میں سوگ منائے جو چیزیں زینت اور سنگھار کے لیے استعمال ہوتی ہیں وہ اس مدت میں بالکل استعمال نہ کرے، الغرض اس پوری مدت میں اس طرح رہے کہ اس کی شکل وصورت اور لباس وہیئت سے اس کی بیوگی اور غمزدگی ظاہر ہو، اور دوسروں کو بھی اس کی ظاہری حالت سے محسوس ہو کہ شوہر کے انتقال کا اس کو ویسا ہی رنج وصدمہ ہے، جیسا کہ ایک شریف وپاکدامن بیوی کو ہونا چاہیے۔...... لیکن یہ حکم صرف مدتِ عدت کے لیے ہے۔ عدت کے ایام ختم ہو جانے کے بعد اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔...... شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی عورت بیوہ ہو جانے کے بعد ہمیشہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے سوگ کا طریقہ اختیار کرلے۔

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے اپنے عزیز قریب مثلاً باپ، بھائی وغیرہ کے انتقال پر اگر کوئی عورت اپنا دلی صدمہ اور تاثر، سوگ کی شکل میں ظاہر کرے تو صرف تین دن تک کی اجازت ہے اس سے زیادہ منع ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْراً».

(صحيح البخاری ۱/۴۳۰)

''کسی ایمان والی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرنے والے عزیز قریب کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے، اس کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کا حکم ہے۔''

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبَ وَلَا تَكْتَحِلَ».

(ابوداود ۱/۳۲۲)

''جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، وہ کُسم کے رنگے ہوئے اور اسی طرح سرخ، گیروے رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے، نہ زیورات پہنے، نہ خضاب (مہندی وغیرہ) کا استعمال کرے نہ سرمہ لگائے۔''

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو خواتین زیب وزینت کے لیے کپڑے رنگتی تھیں وہ زیادہ تر یہی دو چیزیں استعمال کرتی تھیں، کُسم یا خاص قسم کا لال گیرو، اس لیے آپؐ نے ان کا خاص طور سے ذکر فرمایا، ورنہ ان دو چیزوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسے رنگین اور شوخ کپڑے استعمال نہ کیے جائیں جو زیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وزینت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ...... اسی طرح زیورات اور سرمہ مہندی جیسی چیزیں بھی استعمال نہ کی جائیں جو زینت اور سنگھار کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ زمانۂ عدت میں سوگ کے ان احکام کا مقصد یہی ہے کہ شوہر کے انتقال کا بیوی کو جو رنج وصدمہ ہو اس کا اثر دل اور باطن کی طرح ظاہر یعنی جسم اور لباس میں بھی ہو یہ جوہر نسوانیت کا فطری تقاضا ہے اور اسی میں نسوانیت کا شرف ہے۔

اِحداد کا لُغوی معنیٰ: سوگ کے لیے عربی کا لفظ احداد ہے اس کا لغوی معنی روکنا ہے، چونکہ اِحداد بیوہ عورت کی صفت ہے، اس لیے اِحداد (سوگ) اس کو بہت سے ایسے امور سے روکتا ہے جو اس سے پہلے اس کے لیے مباح تھے، القاموس المحیط میں ہے۔

اَلْحَادُّ وَالْمُحِدُّ تَارِكَةُ الزِّيْنَةِ. زینت ترک کرنے والی عورت کو حاد اور محد کہتے ہیں۔
(القاموس المحیط ۱/ ۲۹۶)

اور دربان کو بھی حَدّاد اسی بنا پر کہتے ہیں کہ وہ اندر آنے سے لوگوں کو روکتا ہے اور سزا دینے کو بھی حد اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ معصیت سے روکتی ہے اور اس کا باب ضَرَبَ اور نَصَرَ دونوں سے آتا ہے۔ مثلاً حَدَّ يَحِدُّ حَدًّا وَحِدَاداً بروزن فَرَّ يَفِرُّ فَرًّا وَفِرَاراً وَحَدَّ يَحُدُّ حَدًّا وَحِدَاداً بروزن مَدَّ يَمُدُّ مَدًّا وَمِدَاداً اور باب افعال سے بھی مستعمل ہے۔ أَحَدَّ يُحِدُّ إِحْدَاداً. (فتح الباری ۱۰/ ۶۰۸)

اصطلاحی معنیٰ: بیوہ ہو جانے والی عورت کا عدت کی پوری مدت میں ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا جو زینت اور سنگھار کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً رنگین اور شوخ کپڑے، زیورات، سرمہ، مہندی، اور خوشبو کا استعمال اور بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا۔

اِحداد کا لغوی معنی عام اور اصطلاحی معنی خاص ہے، اور ان دونوں کے درمیان نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔

بیوہ کے لیے سوگ واجب ہے خواہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا۔ یہ مسلک تمام فقہاء محدثین اور صحابہؓ وتابعین کا ہے اس کی دلیل ملاحظہ فرمائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱- زینبؓ بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ:

میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی جب ان کے والد ابوسفیان کی وفات ہوئی تھی، ام حبیبہؓ نے خوشبو منگوائی، ایک جاریہ نے وہ ان کے لگائی، پھر ان کے دونوں رخسار پر اسے لگایا حضرت ام حبیبہؓ نے فرمایا:

''خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی، مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو برسر منبر فرماتے سنا ہے، کہ آپؐ فرمارہے تھے جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے سوائے شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے''۔ (صحیح البخاری ۵/ ۲۰۴۷)

۲- زینب کہتی ہیں کہ:

میں زینبؓ بنت جحش کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوئی جب ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا، انہوں نے خوشبو منگائی، اور اسے لگایا، پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی، مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے آپؐ برسر منبر فرمارہے تھے، کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے حلال نہیں ہے کہ میت کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے، سوائے شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے''۔ (صحیح البخاری ۵/ ۲۰۴۷)

۳- حضرت زینب فرماتی ہیں میں نے اپنی والدہ ام سلمہؓ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ میری بیٹی بیوہ ہو گئی ہے، وہ مرضِ چشم میں مبتلا ہے۔ کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں ...... نہ ایک مرتبہ نہ دو مرتبہ نہ تین مرتبہ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''شوہر کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے''۔ (صحیح البخاری ۵/ ۲۰۴۲)

عورتوں کے بناؤ سنگھار اور زیب وزینت کا جواز اور اس کی شرائط: مذکورہ روایات میں سے پہلی روایت کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ اگر تطیب یا زینت کے لیے کوئی چیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رخساروں پر لگائی جائے تو جائز ہے قرآن وسنت کے مجموعی دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند شرائط کے ساتھ ہر قسم کا بناؤ سنگھار اور زیب وزینت عورت کے لیے جائز ہے۔

(۱) نامحرم کے لیے نہ ہو، (۲) تغیر خلق اللہ نہ ہو یعنی ایسی زینت اور بناؤ سنگھار نہ ہو جو اصل حلیہ بگاڑ کر رکھ دے۔ (۳) تشبہ بالکفار نہ ہو، (۴) تشبہ بالرجال نہ ہو، (۵) بے جا اسراف نہ ہو، (۶) فخر ومباہات کے لیے نہ ہو، (۷) حلال مال سے ہو، (۸) کسی اور جہت سے اس میں ممانعت نہ ہو مثلاً بجنے والا زیور نہ ہو اور لوہے کا زیور نہ ہو۔

سوگ کا حکم: مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کے سوا کسی کے لیے تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں البتہ بیوی شوہر کی موت پر چار ماہ دس دن سوگ منائے گی جو واجب ہے۔

پھر اس سوگ کے بارے میں اختلاف ہے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سوگ ہر معتدۃ الوفات پر واجب ہے، خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صغیرہ اور کتابیہ پر سوگ واجب نہیں۔ ابوثور اور بعض مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ نیز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اَمَہ منکوحہ اور مجنونہ پر بھی سوگ واجب نہیں جبکہ جمہور کے نزدیک واجب ہے۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۰/۱۱۲)

ایک اِشکال کا حل: مندرجہ ذیل حدیث ”لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا“ سے جو وجوب اِحداد (سوگ) پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے۔ کہ اس حدیث میں استثناء عدمِ حِلّ سے ہے۔ جو محض حِلت اور جواز پر دال ہے۔ لہٰذا اس سے وجوب اِحداد پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

شُرّاحِ حدیث نے اس اشکال کے جو جوابات دیئے ہیں ان پر قلب مطمئن نہیں ہوتا اور اس عاجز کے نزدیک اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ اس مقام پر استثناء ”اِثباتِ حِل“ کے لیے ہے اور حِلّ کے دو معنی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عدمِ حرمت جو ایک عام معنی ہیں۔ جو وجوب کو بھی شامل ہے، دوسرے عدمِ حرمت اور عدمِ وجوب جو ایک خاص معنی ہیں۔

اور حدیثِ باب میں دونوں معنی ممکن ہیں لیکن ہمارے نزدیک پہلے معنی جو وجوب کو بھی شامل ہیں متعدد دلائل کی بنا پر راجح ہے۔

۱- مسلم میں یحییٰ بن سعید کے طریق سے حضرت حفصہؓ کی روایت میں استثناءِ زوج کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں "فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" یہ الفاظ اگرچہ اِخبار کے ہیں لیکن اِخبار بھی اِنشاء کے معنی میں ہو کر وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔

۲- مسلم ہی میں حضرت حفصہؓ کی روایت ام عطیہ سے آئی ہے۔

قَالَتْ: «كُنَّا نُنْهٰى أَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلُ وَلَا نَتَطَيَّبُ وَلَا نَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا وَقَدْ رُخِّصَ لِلْمَرْأَةِ فِي طُهْرِهَا إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَّحِيْضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِّنْ قُسْطٍ وَّأَظْفَارٍ». (صحیح مسلم ۱۱۸/۱۰)

"فرماتی ہیں ہمیں منع کیا جاتا تھا کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائیں سوائے خاوند کے جو چار ماہ دس دن ہے اس دوران نہ سرمہ لگائیں نہ خوشبو استعمال کریں اور نہ رنگین کپڑا پہنیں البتہ حیض سے پاک ہوتے وقت تھوڑا سا قُسط یا اَظفار استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے"۔

اس روایت میں رخصت: تحریم کے مقابلہ میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اکتحال وغیرہ ناجائز ہے اور ترک زینت واجب ہے۔

۳- مسلم ہی میں حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں متوفی عنہا زوجہا کے لیے اکتحال کی اجازت طلب کرنے اور آپؐ کے اجازت نہ دینے کا ذکر ہے جو احداد کے وجوب پر دال ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا تمام تفصیل متوفی عنہا زوجہا کے بارے میں تھی، جہاں تک مطلقہ کا تعلق ہے سو رجعیہ کے بارے میں تو ترکِ حداد متفق علیہ ہے البتہ مبتوتہ یعنی مطلقہ بائنہ یا مغلظہ کے بارے میں اختلاف ہے:

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک اس پر بھی حداد واجب ہے، ابوثورؒ، ابوعبیدؒ اور حکمؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

جبکہ جمہور کے نزدیک اس پر سوگ واجب نہیں، اس لیے کہ شوہر نے اس کو طلاق دیکر وحشت زدہ کر دیا۔ فلا تأسف علیه.

حالتِ عذر میں معتدہ کے لیے سرمہ وغیرہ لگانے کا حکم: اس روایت سے استدلال کر کے ظاہریہ کہتے ہیں کہ معتدہ کے لیے سرمہ وغیرہ لگانا جائز نہیں اگرچہ آنکھوں میں کوئی تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔

جبکہ جمہور کے نزدیک بغیر عذر کے سرمہ لگانا اگرچہ جائز نہیں لیکن عذر کی صورت میں رات کو سرمہ وغیرہ لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیثِ باب کا جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اس کا علم ہوگا کہ اس عورت کا مرض اس درجہ کا نہیں جس میں سرمہ لگانا ضروری ہو، اس لیے آپؐ نے اکتحال کی اجازت نہ دی۔

جہاں تک دن کا تعلق ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عذر کی صورت میں دن میں بھی سرمہ لگانے کی اجازت ہے جبکہ امام شافعیؒ دن میں باوجود عذر کے اجازت نہیں دیتے۔

امام شافعیؒ کا استدلال ام حکیم بنت اُسیدؒ کی روایت سے ہے جو وہ اپنی والدہ سے نقل کرتی ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أن زوجها توفي وكانت تشتكي عينيها فتكتحل بالجلاء. قال أحمد الصواب بكحل الجلاء. فأرسلت مولاة لها إلى أم سلمة، فسألتها عن كحل الجلاء. فقالت: لا تكتحلي به، إلا من أمر لا بد منه يشتد عليك تكتحلين بالليل وتمسحينه بالنهار. ثم قالت عند ذلك أم سلمة: دخل علي رسول الله ﷺ حين توفي أبوسلمة وقد جعلت على عيني صَبِراً. فقال: «ما هذا؟ ياأم سلمة!» فقلت: «إنما هو صَبِرٌ يا رسول الله! ليس فيه طيب». قال: «إنه يشب الوجه، فلا تجعليه إلا بالليل وتنزعيه بالنهار». (ابوداود ۱/۳۱۵)

ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور ان کی آنکھیں خراب تھیں تو انہوں نے جلاء کا سرمہ لگایا اور اپنی خادمہ کو حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کرایا وہ جلاء کا سرمہ لگا سکتی ہیں؟ حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا جب تک شدید ضرورت نہ ہو کوئی سرمہ نہ لگائیں اور اگر لگائیں (شدید ضرورت کے باعث) تو رات کو لگائیں اور دن کو پونچھ دیں۔ پھر حضرت ام سلمہؓ نے اس موقع پر فرمایا جب میرے خاوند ابوسلمہؓ کا انتقال ہو گیا تو اس دوران رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اس وقت میں نے اپنی آنکھوں میں ایلوا لگایا ہوا تھا آپؐ نے فرمایا اے ام سلمہؓ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی حضرت یہ اَیلوا ہے جس میں خوشبو نہیں ہوتی تو آپؐ نے فرمایا یہ چہرہ کو جوان بناتا ہے اس لیے ضرورت کے وقت رات کو لگالیا کرو اور دن کو صاف کر دیا کرو۔

عُذر کی حالت میں دن میں سرمہ وغیرہ لگانے کے جواز کا فتوی جو لوگ دیتے ہیں ان کی کوئی مضبوط دلیل تلاش کے باوجود نہ مل سکی۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تفسیر ثنائی

اپنی طرز کی ایک منفرد تفسیر جس میں مناظرانہ اسلوب کے ساتھ باطل نظریات کا رد کیا گیا ہے۔

منکرین حدیث، جدیدیت کے علمبرداروں، منکرین معجزات کا جواب دیا گیا ہے۔

اہم مقامات پر آیت کا شان نزول بیان کردیا گیا ہے۔

یہ تفسیر اپنی مثال آپ ہے۔

بین السطور ترجمہ قرآن عمدہ اور معیاری کمپوزنگ
طباعت کے اعلیٰ معیار کے ساتھ

از قلم:

شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

صحیح بخاری

تدوین حدیث، اصول حدیث، مقام حدیث اور حجیت حدیث کی وضاحت اور منکرین حدیث کے اشکالات کے رد میں جامع مقدمہ ● اختلافی مسائل میں فریقین کے دلائل اور ان کا انصاف پسندانہ تجزیہ ● فتح الباری عون المعبود، تحفۃ الاحوذی اور مرعاۃ المفاتیح وغیرہ شروحات سے منتخب علمی فوائد

---

۸ جلدوں پر مشتمل ● قیمت انتہائی مناسب

اعمال صالحہ اور ان کے اجر و ثواب سے متعلق احادیث نبویہ کا بے مثال مجموعہ

المتجر الرابح

فی ثواب العمل الصالح

۲ جلدوں پر مشتمل ● جاذب نظر

آپ کی زندگی کا رخ بدل دینے والی کتاب
ظاہری اور معنوی حسن سے مزین

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہ احادیث کا مجموعہ

اللؤلؤ والمرجان

فیما اتفق علیہ الشیخان